اسهل الموارد

فی شرح

عقیلۃ أتراب القصائد

تالیف

شیخ القراء حضرت مولانا قاری المقری
فتح محمد پانی پتی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

قرائت اکیڈمی®
لاهور

اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ

شرح

اسہل الموارد

تالیف

شیخ القراء حضرت مولانا قاری فتح محمد پانی پتیؒ

علیٰ

عقیلۃ اتراب القصائد

للامام ابی القاسم بن فیرہ بن خلف بن احمد الشاطبیؒ

فی علم الرسم العثمانی

قرأت اکیڈمی ®

28- الفضل مارکیٹ 17- اردو بازار لاہور

Ph.: 042 - 7122423



نام کتاب ———— اسہل الموارد

مصنف ———— قاری فتح محمد پانی پتی ؒ

ایڈیشن ———— اول

کمپوزنگ ———— یونیک گرافکس الفضل مارکیٹ' اردو بازار' لاہور

ناشر و طابع ———— قرآءت اکیڈمی اردو بازار لاہور

عرض ناشر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

علم رسم عثمانی میں علامہ شاطبی رحمہ اللہ کے قصیدے "عقیلة اتراب القصائد فی اسنی المقاصد" کا جو مقام ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ اس عظیم الشان قصیدے کی اردو شرح اسہل الموارد مصنفہ حضرت مولانا قاری فتح محمد پانی پتیؒ بھی علم رسم عثمانی کی تصانیف میں ایک بلند مقام کی حامل ہے۔

عرصہ سے یہ شرح واجبی کاغذ اور کتابت نیز غیر معیاری طباعت اور گرد و پیش سے طالب علموں کو بصد کوشش دستیاب ہو جاتی تھی لیکن اب کچھ سال سے یہ شرح نایاب ہو چکی تھی اور طلباء و اساتذہ ہر دو اس کے استفادے سے محروم ہو چکے تھے۔

قراءت اکیڈمی نے اس ضرورت علمی کو محسوس کیا اور اس کو خوبصورت کمپیوٹر کتابت اور اغلاط سے مبرا چھاپنے کا بیڑا اٹھایا۔

نیز حضرت ناظم رحمہ اللہ اور حضرت شارح رحمہ اللہ کے مختصر سوانحی تذکرہ جات اور وضاحت طلب امور کی توضیح اور اغلاط کی تصحیح کے لیے محترم جناب قاری نجم الصبیح التھانوی فاضل قراءات عشرہ جو حضرت استاذ القراء و المجودین الشیخ اظہار احمد التھانوی نور اللہ مرقدہ کے فرزند ارجمند ہیں، کی رہنمائی حاصل کی۔

وثوق کامل ہے کہ اب یہ کتاب اپنے صحیح معیار کتابت، طباعت اور خوبصورت سرورق سے مزین ہو کر طلباء کے لیے بہترین استفادے کا سبب بنے گی۔

اللہ تعالیٰ اس کام کو قبول فرمائے اور مزید ایسے نایاب اور قیمتی جواہر کو منظر عام پر لانے کی ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العلمین۔

مدیر ادارہ

عزیز احمد تھانوی

علامہ شاطبیؒ

آپ کا نام قاسم بن فیرہ (ابن خلکان نے لفظ فیرہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ فیرہ لاطینی زبان میں لوہے کو کہتے ہیں) ابن خلف بن احمد ابو القاسم الشاطبی (یہ اندلس کے شہر شاطبہ کی طرف نسبت ہے) الرعینی (ذی رعین کی طرف نسبت ہے جو یمن کا ایک قبیلہ ہے) الضریر ہے۔ اور کنیت ابو محمد ہے۔

آپ ۵۳۸ھ کے اواخر میں شاطبہ (اندلس) میں پیدا ہوئے۔ ہوش سنبھالا تو تحصیل علوم میں مشغول ہوئے۔ ابو عبداللہ محمد بن ابی العاص النفریؒ کی خدمت میں رہ کر باکمال ہوئے پھر بلنسیہ پہنچے اور امام ابن ھذیلؒ کو "التیسیر فی القراء ات السبعہ" للعلامہ دانیؒ سنائیں اور قرآء ت اور حدیث کا سماع فرمایا۔ علامہ ابو عبداللہ محمد بن حمیدؒ سے "کتاب سیبویہ" "کامل للمبرد" اور "آداب الکاتب لا بن قتیبہ پڑھیں اس کے بعد حج کے لیے روانہ ہوئے اور اسکندریہ میں علامہ ابو طاہر السلفیؒ سے سماعت حدیث فرمائی۔ ابن خلکان نے آپ کے اساتذہ حدیث میں ابو عبداللہ محمد بن ابی یوسف بن سعادۃؒ ابو عبداللہ محمد بن عبدالرحیم الخزرجیؒ اور علامہ ابو الحسن بن النعمۃؒ صاحب کتاب "ری الظمان فی تفسیر القرآن" کے اسماء گرامی بھی تحریر کیے ہیں ان کے علاوہ آپ کے دیگر شیوخ میں الشیخ ابو محمد عاشر بن محمدؒ صاحب ابی محمد البطلیوسیؒ ابو محمد عبداللہ بن ابی جعفر المرسیؒ ابو العباس بن طراز میلؒ ابو الحسن علیم بن ھانی العمریؒ اور علامہ ابو القاسم حبیش شامل ہیں۔

امام شاطبیؒ کچھ عرصہ شاطبہ کے خطیب رہے بعد ازاں ۵۷۲ھ میں مصر تشریف لے گئے اور قاضی فاضل کے مہمان ہوئے اس نے آپ کا بے حد احترام کیا اور آپ کو مدرسہ فاضلیہ کا شیخ الاقراء مقرر کیا۔ آپ یہاں تازیست درس و تدریس میں مشغول رہے۔ درمیان میں کچھ عرصہ کے لیے بیت المقدس میں (جب الملک الناصر سلطان صلاح الدین یوسف الایوبیؒ نے ۵۸۹ھ میں اسے فتح کیا) بھی قیام فرمایا۔

ایک واقعہ آپ کا بہت مشہور ہے کہ آپ اپنے شاگردوں کو ایسی باتوں پر مطلع فرما دیتے جن کا دوسروں کو علم نہیں ہوتا تھا۔ آپ کی عادت تھی کہ مدرسہ فاضلیہ میں فجر کی نماز منہ اندھیرے پڑھ کر درس کے لیے بیٹھ جاتے جس کیوجہ سے تلامذہ رات کے اندھیرے میں چل کر آتے تھے اور چونکہ ان کی عادت تھی کہ درس کے لیے بیٹھنے کے ساتھ ہی فرماتے "من جاء اولا فلیقراء یعنی جو پہلے آیا وہ پڑھنا شروع کرے۔ اسی لیے استفادہ کرنے والے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے اور ترتیب وار حاضرین مجلس کو پڑھنے کی اجازت تھی اور یہ ترتیب مجلس میں حاضری کے مطابق ہوتی تھی۔ ایک دن درس کے لیے تشریف فرما ہوئے تو فرمایا "من جاء ثانیا فلیقراء" یعنی جو صاحب دوسرے نمبر پر آئے ہوں وہ پڑھنا شروع کریں یہ سن کر پہلے آنے والے شاگرد کو حیرانی ہوئی اور غور کرنا شروع کیا کہ مجھ سے کیا خطا ہوئی ہے بالآخر یاد آیا کہ رات کو غسل فرض ہوگیا تھا اور حاضری میں جلدی کی وجہ سے غسل کرنا یاد نہ رہا اور بلا غسل ہی درس میں آ بیٹھا یہ یاد آتے

ہی وہ شاگرد فوراً اٹھے اور مدرسہ کے قریب واقع حمام میں غسل کر کے اس قدر جلدی واپس ہوئے کہ جن صاحب نے قرآءت شروع کی تھی وہ پڑھ کر فارغ نہ ہوئے تھے ان کے فارغ ہوتے ہی امام شاطبی نے فرمایا " من جاء اولاً فلیقراء" حالانکہ آپ نابینا تھے اور کسی نے بتایا بھی نہیں تھا کہ اول نمبر پر آنے والے صاحب غسل کر کے آگئے ہیں۔

آپ نہایت خشوع کے ساتھ درس کے لیے بیٹھتے تھے گو نابینا تھے مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو نابیناؤں والی حرکات و عادات سے محفوظ رکھا تھا نہایت صابر، شاکر آدمی تھے۔ سخت بیماری کی حالت میں بھی آہ منہ سے نہ نکلتی جب کوئی شخص عیادت کرتا اور حال پوچھتا تو صرف یہ فرماتے عافیت ہے۔

حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے آپ کی کرامات میں سے ایک کرامت یہ بھی نقل فرمائی ہے کہ آپ بغیر موذن کے اذان سن لیا کرتے تھے۔ آپ کی نثری تالیفات کا تو علم نہیں ہو سکا۔ مگر آپ کی چار منظوم تالیفات علمی دنیا میں مشہور ہیں (۱) حرز الامانی و وجہ التھانی المعروف قصیدہ شاطبیہ فی القراءات السبع (۲) عقیلۃ اتراب القصائد المعروف قصیدہ رائیہ فی علم الرسم العثمانی (۳) ناظمۃ الزھرفی علم عدد الای (۴) قصیدہ دالیہ۔ جو کہ ابن عبدالبرؒ کی "التمھید" کا منظوم خلاصہ ہے۔

آپ کے مشہور تلامذہ میں امام ابو الحسن علی بن محمد بن عبدالصمد السخاویؒ، امام ابو عبداللہ محمد بن عمر القرطبیؒ، امام السدید عیسیٰ بن مکی، امام مرتضیٰ بن جماعۃ، امام کمال علی بن شجاع الضریر (یہ امام شاطبیؒ کے داماد بھی ہیں) امام الزین محمد بن عمر الکردیؒ، امام ابو القاسم عبدالرحمٰن بن سعید الشافعیؒ، امام عیسیٰ بن یوسف بن اسماعیل المقدسیؒ، امام علی بن محمد بن موسیٰ التجیبیؒ، امام عبدالرحمٰن بن اسماعیل التونسیؒ، امام ابو عمرو عثمان بن عمر الحاجبؒ، امام ابو الحسن علی بن ہبتہ بن الجمیزیؒ، امام ابوبکر محمد بن وضلح اللخمیؒ، امام عبداللہ بن محمد بن عبدالوارث بن الازرقؒ شامل ہیں۔

علامہ جزریؒ نے "النشر" میں شاطبیہ کے روایت کرنے والے حضرات کے اسماء میں آپ کے صاحبزادے امام جمال الدین محمدؒ کا بھی ذکر فرمایا ہے۔

آپ نے ۵۳ سال کی عمر پا کر ۲۸ جمادی الثانی ۵۹۰ھ بروز اتوار عصر اور مغرب کے درمیانی وقت میں قاہرہ مصر میں وفات پائی۔ علامہ ابو اسحاقؒ (خطیب جامع مصر) نے نماز جنازہ پڑھائی اور بروز سوموار مقطم پہاڑ کے قریب قرافہ صغریٰ میں مقبرہ قاضی عبدالرحیم بیسانیؒ میں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

قاری نجم الصبیح تھانوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَ حَبِیْبِہٖ وَ خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَحْبَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

امابعد: چونکہ قرآت کے قبول اور معتبر ہونے کی تین شرطیں ہیں: ا۔ متصل اور صحیح سند کے ذریعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہونا۔ ۲۔ عثمانی مصاحف کی رسم کے موافق ہونا۔ ۳۔ صرف و نحو کی کسی ایک وجہ کے مطابق ہونا اس لیے قرآن کی رسم الخط کا فن بھی جلیل القدر اور عظیم الشان ہے اسی لیے اس میں بھی علماء نے بہت سی چھوٹی اور بڑی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ انہیں میں سے ایک قصیدہ رائیہ بھی ہے جو علامہ شاطبی رحمہ اللہ کی تصنیف ہونے کے سبب نہایت معتبر ہے اور موصوف نے اس میں بھی اپنی عادت کے موافق استعارات اور تشبیہات استعمال فرما کر اس کو نہایت فصیح اور بلیغ بنا دیا ہے اور اس میں حضرت نے علامہ دانی رحمہ اللہ کی مقنع کے مضامین کو نظم کیا ہے اور یہ دو سو اٹھانوے اشعار میں ہے اور اس میں ایک صنعت یہ بھی ہے کہ سب شعر را پر ختم ہوتے ہیں اسی لیے اس کو رائیہ کہتے ہیں گو اس کا اصلی نام عَقِیْلَۃُ اَتْرَابِ الْقَصَائِدُ فِیْ اَسْنَی الْمَقَاصِدَ ہے اور چونکہ احقر کو اس فن کی نظموں سے بالخصوص علامہ شاطبی رحمہ اللہ کے قصیدوں سے طبعی طور پر بہت ہی محبت ہے اس لیے ایک زمانہ سے اس فکر اور کوشش میں ہے کہ ان قصیدوں کی شروح اردو میں ہو جائیں اور یہ خوب شائع اور ذائع ہو جائیں پس اسی شوق اور محبت کے ماتحت حق تعالیٰ سے پورا کرا دینے اور قبول فرما کر اس کے نفع کو عام اور تام کر دینے کی قوی امید کی بناء پر رائیہ کی شرح کو شروع کرتا ہوں وَاللّٰہُ حَسْبِیْ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ۔

وہ کتابیں جن سے اس شرح میں مدد لی گئی ہے

ا۔ افضل الدرر مصنفہ شیخ القراء حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب مکی ثم الہ آبادی نہایت محققانہ اور جامع شرح ہے دل بار بار کہتا ہے کہ حضرت مصنف کے لیے جس قدر بھی دعائیں کی جائیں تھوڑی ہیں۔ حق یہ ہے کہ ایسے مشکل قصیدہ کا اس طرح حل کر دینا کہ مجھ جیسا ناواقف بھی آسانی سے مطلب سمجھ لے آپ ہی کا حصہ تھا۔ فَجَزَاہُ اللّٰہُ اَحْسَنَ الْجَزَآءِ وَبَلَّغَہٗ اَعْلٰی مَنَازِلِ الْقُرْبِ۔ ۲۔ موسیٰ بن جار اللہ فازانی روستو ندونی یہ بھی مختصر اور جامع اور عمدہ شرح ہے جو موصوف نے کل دس روز میں لکھی ہے۔ جَعَلَ اللّٰہُ سَعْیَہٗ مَشْکُوْرًا ۳۔ اَلْمَعَانِیُ الْجَلِیْلَۃُ اردو میں اس میں بھی کافی تحقیق اور محنت کی گئی ہے۔ یہ مولانا قاری عبداللہ صاحب مراد آبادی کے فکر صائب کا نتیجہ ہے اَللّٰھُمَّ یَا خَیْرَ الْغَافِرِیْنَ اغْفِرْلَہٗ وَ یَا خَیْرَ الرَّاحِمِیْنَ

اَرْحَمَهُ۔ اور گو اس شرح کے ہوتے ہوئے جدید شرح اردو کی چنداں ضرورت نہ تھی لیکن اول تو یہ نایاب ہو گئی ہے دوسرے اس میں غلطیاں بہت چھپی ہیں پس یہ دو اور بعض دیگر وجوہ اس پر باعث ہوئیں کہ جدید شرح مہیا کرنے کی تکلیف برداشت کی جائے۔ ۴۔ اتحاف فضلاء البشر اس میں بھی رسم کے مسائل کا کافی اور نہایت معتبر ذخیرہ ہے یہ علامہ احمد البناء دمیاطی فاضل اجل اور محقق بے بدل کی کوشش کا ثمر ہے اَوْصَلَهُ اللّٰهُ اَعْلٰی مَنَازِلِ الصِّدِّيْقِيْنَ اب اصل مقصد کو شروع کرتا ہوں اور اشعار کی شرح سے پہلے افضل الدرر سے فن کی مفید معلومات مقدمہ کے طور پر درج کی جاتی ہیں حضرت مصنفؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس شرح میں ان کتابوں سے مدد لی ہے: (۱) علامہ سیوطی کی تفسیر اتقان۔ (۲) خلاصۃ الرسوم (۳) خزانتہ الرسوم (۴) الاتحاف (۵) مقنع (۶) نشر (۷) تاریخ القرآن (۸) عبدالعزیز دباغ کی کتاب الابریز (۹) بحر العلوم جو بعض مصاحف کے حاشیہ پر درج ہے۔

حضرت مولانا قاری المقری
فتح محمد پانی پتیؒ

مقدمہ

ان ضروری فوائد میں جو قرآن مجید کی جمع اور رسم اور سورتوں کی ترتیب سے تعلق رکھتے ہیں۔

فائدہ ا۔ (ا) واضح رہے کہ عثمانی مصاحف کی رسم بالکل اس کے موافق ہے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری میں لکھا گیا تھا اور قرآن عرضہ اخیرہ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دور) کے موافق (جو آپ نے آخری سال میں جبرئیل علیہ السلام سے کیا تھا) ساتوں لغات پر مشتمل ہے اور قرآن صحابہ کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی لکھا ہوا تھا بعض کے پاس پورا تھا اور بعض کے پاس کچھ حصہ اور بعض صرف حافظہ سے قرآن کی تلاوت کرتے تھے اور جس ترتیب سے اس وقت مصاحف میں ہے اسی کے موافق اول سے آخر تک ان حضرات نے پورا قرآن حفظ کیا تھا چنانچہ کامل علماء کے ارشاد سے اسی کی تائید ہوتی ہے جیسا کہ نشر میں محقق بن الجزری کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے۔ (۲) پہلے اور پچھلے دونوں زمانوں کے جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ عثمانی مصاحف میں ان کی احتمالی اور ظاہری دونوں قسم کی رسم کے لحاظ سے ساتوں لغات موجود ہیں اور اس عرضہ اخیرہ کے جامع ہیں جس کے موافق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر میں جبرئیل علیہ السلام کے سامنے تلاوت فرمائی تھی اور امت کے لیے جائز نہیں کہ ان لغات میں سے کسی ایک شے کو بھی ترک کرے اور صحابہ نے متفقہ رائے سے عثمانی مصاحف کو ان صحیفوں سے نقل کیا ہے جن کو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھایا تھا اور ان کے ماسوا دوسری تمام وجوہ کو بالاتفاق ترک کر دیا ہے۔ (۳) سیوطی اتقان میں فرماتے ہیں کہ جو قراءۃ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کی وفات کے سال پڑھی گئی تھی یہ بالکل وہی قراءۃ ہے جس کو لوگ اس وقت پڑھتے ہیں (۴) بغوی شرح سنہ میں فرماتے ہیں کہ زید بن ثابت اس عرضہ اخیرہ میں موجود تھے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ حصہ بھی بتا دیا گیا تھا جو منسوخ ہو چکا تھا اور وہ بھی جو باقی رہ گیا تھا اور آپ ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب تھے کہ ارشاد عالی کے موافق قرآن لکھتے تھے نیز انہوں نے آپ ہی سے پڑھا بھی تھا اور اپنی وفات تک اسی کے موافق لوگوں کو پڑھاتے بھی رہے اور اسی لیے ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ان پر اعتماد کیا اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں کو مصاحف لکھنے والوں کا سردار اور منتظم مقرر کیا۔ (۵) حاکم کی مستدرک میں ہے کہ قرآن تین مرتبہ جمع کیا گیا جن میں سے ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری میں ہوا پھر حدیث لکھی ہے جو بخاری اور مسلم کی شرط کے موافق ہے اور زید بن ثابت سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری میں قرآن کو کپڑوں کے ٹکڑوں پر سے جمع اور یاد کیا کرتے تھے (۶) ابن اشتہ

نے رسم المصاحف میں کعب الاحبار سے نقل کیا ہے فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے آدم علیہ السلام نے اپنی وفات سے تین سو سال پہلے عربی، سریانی اور تمام زبانوں کے لغات لکھے تھے اور ان سب کو گارے پر لکھ کر اس کو پکا دیا تھا پھر جب نوح علیہ السلام کے زمانہ میں زمین پر پانی کا طوفان آیا تو ہر قوم کو ان کے لغت کی کتاب مل گئی سو انہوں نے اس کو لکھ لیا (اور متعدد نسخوں میں نقل کر لیا) پس سیدنا اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کو عربی لغت کی کتاب ملی (۷) پھر ابن اشتہ ہی نے عکرمہؓ کے طریق سے ابن عباسؓ سے یہ نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے عربی لغت کو اسماعیل علیہ السلام نے وضع کیا ہے سو آپ نے کتاب اپنے لغت اور اپنی زبان میں تصنیف کی اور مجموع کو ایک کتاب بنا دیا جس میں کلمات کو ایک دوسرے سے ملاتے چلے گئے اور ان میں کوئی جدائی اور فاصلہ نہیں رکھا پھر آپ کی اولاد میں سے ھُمَیْسَع اور قیذر نے کلمات میں جدائی کی۔ (۸) ابن عباس سے ہے کہ حق تعالیٰ نے آسمان سے سب سے پہلے ابجد کی کتاب نازل فرمائی۔ (۹) ابن فارس کہتے ہیں کہ ہم جس بات کے قائل ہیں وہ یہ ہے کہ خط (اور لکھائی) تو قیفی ہے (جو بندوں نے حق تعالیٰ کے سکھانے سے سیکھی ہے) اور اس کی دلیل حق تعالیٰ کا ارشاد: عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ علق اور نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ ہے یعنی حق تعالیٰ شانہ نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی اور انسان کو وہ چیزیں سکھائیں جن سے وہ ناواقف تھا اور قسم ہے قلم کی اور اس مضمون کی جس کو لوگ لکھتے ہیں اور یہ ابجد کے حروف بھی ان ناموں میں داخل ہیں جو حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو سکھائے تھے (جن کا ذکر وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ بقرہ ع ۴ میں ہے) (۱۰) سیوطی اتقان میں فرماتے ہیں کہ عربی قاعدہ یہ ہے کہ لفظ کو اس کے ان حروف ہجا کی رعایت سے لکھا جائے جو اس سے ابتدا کرنے اور اس پر وقف کرنے کی صورت میں پائے جاتے ہیں اور نحاۃ نے اس کے لیے اصول اور قواعد مقرر کیے ہیں لیکن قرآن کی لکھائی بعض الفاظ میں ان قواعد کے علاوہ دوسری طرح ہے۔ (۱۱) امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن کی لکھائی کی مخالفت ناجائز بلکہ حرام ہے اور صحابہ کے اجماع سے جس طرح لکھا گیا ہے اس میں تبدیلی کرنے کی گنجائش نہیں کیونکہ وہ علم میں ہم سے بڑھ کر اور دل و زبان کے لحاظ سے صادق تر اور امانت داری میں ہم سے برتر تھے (۱۲) ابو شامہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کا مقصد یہ تھا کہ قرآن بالکل اسی طرح لکھا جائے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری میں لکھا گیا تھا (۱۳) ابو جعفر نحاس کہتے ہیں کہ بہتر قول یہ ہے کہ سورتوں کا اس موجودہ ترتیب پر جمع ہونا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ہے (۱۴) ابن الحصار کہتے ہیں کہ سورتوں کی یہ ترتیب اور آیتوں کا ان کے ان موقعوں پر رکھنا وحی کی بناء پر ہے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے کہ فلاں آیت کو فلاں موقع پر رکھو اور متواتر نقل کے ذریعہ اسی ترتیب کی بابت یقین حاصل ہو گیا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت سے بھی جو اسی ترتیب پر ہوتی تھی اور اس سے بھی کہ صحابہ نے بالاتفاق اس کو مصحف میں اسی طرح رکھا ہے (۱۵) کرمانی برہان میں کہتے ہیں کہ سورتوں کی ترتیب حق تعالیٰ کے یہاں لوح محفوظ میں بھی اسی طرح اور اسی موجودہ ترتیب پر تھی اور اسی کے موافق نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال قرآن

کے اس قدر حصہ کی جتنا آپ کے پاس اس میں سے جمع ہو جاتا تھا جبرائیل علیہ السلام سے دور فرماتے تھے اور جس سال آپ کی وفات ہوئی اس سال میں جبرئیل علیہ السلام سے دوبار دور فرمایا۔ (۱۶) بیہقی مدخل میں کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن کی سورتیں اور آیتیں سب مرتب ہو چکی تھیں (۱۷) مولانا شیخ عبدالرحمٰن صاحب قاری مقری محدث پانی پتی اپنے رسالہ تحفہ نذریہ میں فرماتے ہیں یاد رکھو کہ عثمانی رسم الخط کا لحاظ رکھنا اور اس پر عمل کرنا واجب ہے اور اس کے خلاف لکھنا گناہ ہے اور اسی لیے قرآن لکھنے والوں پر عثمانی رسم الخط کا سیکھنا واجب ہے اور نہ سیکھنے کی صورت میں اگر غلطی کر کے اس کے خلاف لکھیں گے تو عذاب کے مستحق ہوں گے نیز فرماتے ہیں یاد رکھو کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی آیت یا سورۃ اترتی تھی تو آپ کاتب کو بلاتے تھے اور اس آیت یا سورۃ کے لکھنے کا حکم فرماتے تھے اور جبرائیل علیہ السلام کی تعلیم کے موافق یہ بھی ارشاد فرماتے تھے کہ اس حرف کو اس طرح لکھو اور اس حرف کو اس طرح اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیوی حیات ہی کے زمانہ میں بعض صحابہ نے قرآن اول سے آخر تک اپنے سینوں میں محفوظ کر لیا تھا اور آپ کے اس دار فانی سے انتقال فرمانے کے بعد اکثر صحابہ نے قرآن حفظ یاد کر لیا تھا اور اس کو شروع سے آخر تک اپنے حافظہ ہی سے پڑھتے تھے (۱۸) شیخ خواجہ محمد بن ملا عبدالرحیم خزانۃ الرسوم میں فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے کتابت کی صنعت کو انسان کی سب صنعتوں سے بزرگ تر اور امتوں کے لیے اس کے نفع کو سب نفعوں سے بڑھ کر بنایا چنانچہ ارشاد ہے اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ پس یہ ایسی نگہبان ہے جو نہ گھٹیا امانت کو ضائع کرتی ہے نہ بڑھیا کو اور ایسا خزانہ ہے جو نہ تو کسی عمدہ جوہر میں تبدیلی کرتا ہے اور نہ ردی میں اور بھول جانے کی آفت سے بچانے والی اور زبان کے لغزش کرنے کے وقت حق کو ظاہر کرنے والی ہے اور اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ علم کو تحریر کے ذریعہ قید اور محفوظ کر لو کیونکہ علم شکار ہے اور تحریر اس کے لیے قید ہے اور اسی لیے کہا گیا ہے کہ جس چیز کو یاد کیا جائے وہ بھاگ جاتی ہے اور ضائع ہو جاتی ہے اور جسے لکھ لیا جائے وہ پختہ ہو جاتی ہے (۱۹) علی کرم اللہ وجہہ کا شعر ہے۔

وَعِلْمٌ لَّیْسَ فِی الْقِرْطَاسِ ضَاعَ ۔۔۔ وَسِرٌّ جَاوَزَ الْاِثْنَیْنِ شَاعَ

جو علم کاغذ میں نہ ہو وہ ضائع ہو جاتا ہے اور جو بھید دو سے بڑھ جائے وہ خوب پھیل جاتا ہے۔

الحاصل تحریر ہی ایک ایسی چیز ہے جس کے ذریعہ پچھلے زمانہ کے لوگوں کے واقعات آنے والے افراد تک پہنچتے ہیں اور ان واقعات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا پہلے لوگ پچھلوں سے رو در رو گفتگو کر رہے ہیں پس اگر تم پہلے زمانہ کے اماموں کی صحبت کا فیض حاصل کرنا چاہتے ہو تو ان کے رسالوں اور تصنیفات کا مطالعہ کرو چنانچہ وہ تم کو ہدایت کرتے ہوئے تعلیم دیتے ہوئے گفتگو کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔

فائدہ ۲۔ (۱) اماموں کی ایک جماعت کا ارشاد ہے کہ علماء اور قراء پر واجب ہے کہ قرآن کے رسم الخط کا علم حاصل کریں اور اس کی پیروی کریں اور اس کی مخالفت نہ کریں اس لیے کہ یہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی

رسم ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے امانت دار تھے اور کسی کے لیے بھی اس کی گنجائش نہیں کہ قرآن کو حضرت زید کی کتابت کے خلاف لکھے انہوں نے جو کچھ بھی لکھا ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم اور آپ کے ارشاد اور آپ کے لکھوانے کے موافق لکھا ہے (۲) کسائی وغیرہ سے منقول ہے کہ قرآن کی لکھائی میں بہت سی عجیب عجیب اور نئی نئی چیزیں جن میں عقلاء کی عقلیں حیران ہیں اور بلیغ لوگوں کی رائیں ان کے سمجھنے سے عاجز ہیں اور جس طرح قرآن کے الفاظ معجز ہیں اسی طرح اس کی لکھائی کے بھید بھی انسانی طاقت سے باہر ہیں (۳) شیخ عبداللطیف رحمانی رحمہ اللہ کی تاریخ القرآن میں ہے کہ ذہبی طبقات القراء میں فرماتے ہیں یاد رکھو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کلام الہٰی کو کسی قسم کی زیادتی اور کمی کے بغیر (لوگوں تک) پہنچایا اور وحی لکھنے والوں سے خود اس کے الفاظ بھی لکھوائے اور معانی بھی پس آپ کی رسالت نہایت عمدہ اور شاندار ہے اور صحابہ میں سے بعض نے تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے چند سورتیں سیکھ کر حفظ کیں اور بعض نے لکھے ہوئے میں سے یاد کیا اور بعض نے اپنے ساتھی سے یاد کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا اور بعض نے اپنے ساتھی سے یاد تو کر لیا لیکن آپؐ کو نہیں سنایا اور بعض نے پھر کسی وقت سنا دیا پس جن حضرات نے پورا قرآن حفظ بھی کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا بھی وہ آپ کے برگزیدہ صحابہ کی ایک جماعت ہے جو قرآن ہی کے پڑھانے کے لیے وقف اور اسی کے طریقہ ادا کے لیے کمربستہ تھی اور انہیں میں سے یہ سات امام بھی تھے جو جلیل القدر عالم تھے اور قرآن کی سندوں کا مدار انہیں پر ہے اور اجازات اور اسناد کی کتابوں کے دیباچوں میں انہیں کا ذکر آتا ہے۔ ۱۔ عثمان بن عفان ۲۔ علی بن ابی طالب ۳۔ ابی بن کعب ۴۔ عبداللہ بن مسعود ۵۔ زید بن ثابت ۶۔ ابو موسیٰ الاشعری ۷۔ ابو الدرداء رضی اللہ عنہم (۴) تاریخ القرآن ہی میں ہے کہ علامہ ابن حزم کتاب الفصل میں لکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اس وقت میں ہوئی جبکہ اسلام پورے جزیرۂ عرب میں پھیل کر پوری طرح ظاہر ہو چکا تھا اور بحر قلزم کے ابتدائی حصوں سے گذرتا ہوا دریائے یمن کے تمام کناروں تک اور وہاں سے دریائے فارس کے ابتدائی حصہ تک اور وہاں سے گذرتا ہوا فرات تک اور فرات کے کناروں سے لیکر شام کی اس ابتدائی جانب تک پہنچ چکا تھا جو دریائے قلزم کی طرف ہے اور اس جزیرہ میں اس قدر شہر اور گاؤں تھے جن کی گنتی حق تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا جیسے یمن، بحرین، عمان، نجد، طے کی دونوں پہاڑیاں، مضر، ربیعہ، قضاعہ کی بستیاں اور طائف اور مکہ ان سب آبادیوں کے رہنے والے اسلام قبول کر چکے تھے اور مسجدیں بھی بنا لی تھیں اور ان میں سے کوئی گاؤں کوئی شہر اور بدویوں کا کوئی خیمہ بھی ایسا نہ تھا جس میں قرآن نہ پڑھا جاتا ہو بچوں، مردوں، عورتوں سب نے قرآن سیکھا تھا اور لکھا بھی جا چکا تھا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس وقت سب مسلمان اسی اجتماعی شکل میں تھے کسی چیز میں بھی اختلاف نہ تھا بلکہ جماعت بھی ایک تھی اور دین بھی ایک ہی تھا اور سب کی بات بھی ایک ہی تھی۔ پھر اڑھائی سال ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت رہی اور اس عرصہ میں آپ نے روم اور فارس پر چڑھائی کی اور یمامہ کو فتح کیا اور لوگوں میں قرآن پڑھنے پڑھانے کا چرچا اور بڑھ گیا۔ اور ابی

بن کعب، عمر، عثمان، علی، زید، ابو زید، ابن مسعود رضی اللہ عنہم جیسے حضرات نے مدینہ میں اور دوسرے حضرات نے باقی شہروں میں قرآن جمع کیے اور کوئی شہر بھی ایسا نہیں رہا جس میں قرآن کے کئی کئی نسخہ نہ ہوں پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی اور مسلمان اب بھی بدستور سابق اجتماعی حالت میں تھے اور کسی بات میں بھی کوئی اختلاف نہ تھا سب ایک جماعت اور ایک آواز تھے۔ پھر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے جانشین ہوئے اور فارس کے شہر طولا" بھی فتح ہوئے اور عرضا" بھی اور شام پورا کا پورا اور اس کے قرب و جوار کے جزیرہ اور پورا مصر سب فتح ہو گئے اور ہر ایک شہر میں مسجدیں بھی بنائی گئیں اور قرآن مجید بھی لکھے گئے اور امت نے قرآن پڑھا اور مکتبوں میں بچوں نے بھی اس کی تعلیم پائی اور مشرق سے مغرب تک قرآن کا چرچا ہو گیا اور دس سال اور چند مہینہ یہی عروج رہا اور مسلمانوں کا اب بھی وہی حال تھا کہ کسی بات میں بھی ان کا کوئی اختلاف نہ تھا بلکہ سب کا مذہب بھی ایک تھا اور رائے بھی ایک ہی تھی پھر آپ کی وفات ہو گئی اور اس وقت مسلمانوں کے پاس مصر سے فرات تک اور شام سے یمن تک اور ان کی درمیانی بستیوں میں ایک لاکھ مصحف تھے اس سے کم نہ تھے۔ پھر عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے جانشین ہوئے فتوحات کی اور کثرت ہوئی اور ملک اور بھی وسیع ہو گیا اور اس وقت یہ حالت تھی کہ اگر کوئی اہل اسلام کے مصاحف کو شمار کرنا چاہتا تو شمار نہیں کر سکتا تھا اور آپ کی خلافت میں بارہ سال تک یہی حال رہا پھر آپ کی وفات ہو گئی اور اس کے بعد اختلاف پیدا ہو گیا (۵) تاریخ القرآن ہی میں ہے کہ سید محمد فاضل شیعی تنزیہ الفرقان میں کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قرآن بالکل اسی طرح جمع ہو چکا تھا جس طرح اب ہے اور اس زمانہ میں پورا قرآن پڑھایا بھی جاتا تھا اور صحابہ حفظ بھی کرتے تھے اور آپ کو سناتے بھی تھے اور آپ کی مجلس میں تلاوت بھی ہوتی تھی۔ (۶) بعض کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پورا قرآن ایک جگہ کسی نے بھی جمع نہیں کیا تھا نیز آپ کے زمانہ میں چند صحابہ کے سوا پورے قرآن کے حافظ بھی زیادہ نہیں تھے اور سورتوں کی ترتیب بھی نہیں ہوئی تھی پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جمع تو کیا لیکن سورتیں اس وقت بھی مرتب نہیں ہوئی تھیں پھر دوسری بار عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں قرآن کو جمع کیا اور سورتوں کو بھی مرتب کر دیا اور اس کے نسخہ کئی ایک شہروں میں پھیلا دیئے (۷) لیکن رسم الخط دونوں بار کی جمع میں بالکل وہی رہا جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لکھا گیا تھا اور شروع زمانہ میں قرآنوں میں حرکتیں اور نقطہ نہیں تھے پھر جب اسلام عرب و عجم میں پھیل گیا اور زبانیں بھی بہت سی ہو گئیں تو عبدالملک بن مروان کے حکم سے ابو الاسود دؤلی نے حرکتیں اور نقطہ دینے شروع کیے پس جن لوگوں کے پاس مصاحف تھے ان سب کو دربار میں بلایا اور ابو الاسود سے یہ کہا کہ جب زبر دینا ہو تو ایک نقطہ حرف کے اوپر لگا دیا کریں اور زیر دینا ہو تو ایک نقطہ نیچے لگا دینا اور جب پیش دینا ہو تو ایک نقطہ حرف کی اگلی جانب میں لگائیں اور اگر ان تینوں حرکتوں میں سے کسی کے بعد تنوین بھی ہو تو وہاں دو نقطہ لگا دینا سو انہوں نے قرآن کے آخر تک ایسا ہی کیا اور جو حرکات حروف سے لی گئی ہیں ان کے ضبط کا جو طریق اس وقت

جاری ہے یہ وہ ہے جن کو خلیل بن احمد النحوی القاری نے مقرر کیا ہے اور یہی کثرت سے مستعمل ہے اور واضح تر ہے اور عمل بھی اسی پر ہے پس زبر ایک لانبی شکل کا نام ہے جو حرف کے اوپر ہوتی ہے اور زیر کے لیے ایسی ہی شکل حرف کے نیچے ہوتی ہے اور پیش کے لیے حرف کے اوپر چھوٹا سا واو ہوتا ہے اور تنوین کی صورت میں یہی شکلیں دو دوبار ہوتی ہیں اور جزم جیم کے سرے کی طرح ہے اور ہمزہ کی نشانی عین کا سرا ہے۔ اور اقلاب کی نشانی کے لیے با سے پہلے نون ساکن اور تنوین پر چھوٹا سا میم بناتے ہیں اور تشدید والے حرف پر ملے ملے تین نقطہ ہوتے ہیں۔

فائدہ ۳: (۱) ناظم اپنے زمانہ کے زبردست عالم اور جلیل القدر قاری تھے اور ساتھ ہی کامل درجہ کے عارف بھی تھے آپ کے حالات کا مختصر تذکرہ شرح شاطبیہ میں درج ہے جن کا مطالعہ نہایت مفید ہے (۲) اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی قرآن صحابہ کے پاس لکھا ہوا تھا بعض کے پاس تو کچھ حصے تھے اور بعض کے پاس پورا تھا اور آپ کی وفات سے پہلے منسوخ بھی ہوتا رہتا تھا لیکن عرضہ اخیرہ کے بعد کوئی آیت بھی منسوخ نہیں ہوئی۔ پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں مسیلمہ کذاب نے نبوت اور وحی کا اور اس بات کا دعویٰ کیا کہ میرے پاس قرآن اترتا ہے اور دوسری طرف منافقین بھی ملک میں عموماً اور قرآن اور دین کے معاملہ میں خصوصاً فساد پیدا کرتے رہتے تھے اس لیے بعض صحابہ کی رائے یہ ہوئی کہ قرآن مجید کو سب لوگوں کے سامنے اور تمام صحابہ کے اجماع اور اتفاق سے ظاہراً بھی جمع کر دیا جائے تاکہ نہ کسی کو شک رہے اور نہ اس کے بارہ میں کوئی کجروی کر سکے اور سب لوگ اسی کے مطابق اپنے صحیفوں کو صحیح کر لیں۔ پس زید بن ثابتؓ نے سیدنا صدیقؓ کے ارشاد کی بناء پر عرضہ اخیرہ کے اور اس مصحف کے مطابق جمع کیا جو خود ان کے پاس تھا اور لوگوں نے اسی سے کئی قرآن لکھ لئے اور بہت سے شہروں میں اس قدر قرآن مجید پھیل گئے جو شمار میں بھی نہیں آسکتے پھر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اور ان کے بعد عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا زمانہ آگیا تو آپ نے حذیفہؓ سے یہ بات سنی کہ شام اور عراق کے لوگ قرآن میں جھگڑا کرتے ہیں اور اس میں وہ جملہ بھی شامل کر دیئے ہیں جو تفسیر کے طور پر تھے اور اس میں غلطیاں کرتے ہیں پس آپ کی پختہ رائے ہو گئی کہ کچھ نسخہ اس مصحف سے لکھوائیں جن کو صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جمع کیا تھا اور جس طرح پہلی مرتبہ جمع ہوا تھا اسی صورت پر رکھیں اور یہ کام سب لوگوں کے سامنے پوری حفاظت کے ساتھ کیا جائے تاکہ اس کے بعد اختلاف کی گنجائش نہ رہے اور آپ نے زید بن ثابتؓ اور صحابہ کی ایک جماعت کو یہ حکم دیا کہ قرآن کو جمع کریں اور اس کو کئی نسخوں میں لکھیں پس مشہور یہ ہے کہ جو مصاحف لکھ کر خلافت کی طرف سے شہروں میں بھیجے گئے وہ پانچ تھے جن میں سے ایک ایک مکہ، شام، بصرہ، کوفہ میں بھیج دیا اور ان میں سے ایک مدینہ والوں کے لیے مدینہ میں رہنے دیا اور ایک قرآن خاص سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے تھا جس میں آپ تلاوت کیا کرتے تھے اور ممکن ہے کہ یہ قرآن آپ کے پاس شروع ہی سے ہو جیسا کہ ایک قرآن زید بن ثابتؓ

کے پاس بھی تھا رہا یہ کہ جب پہلے سے قرآن پورے لکھے ہوئے موجود تھے تو پھر آپ نے صحابہ کو یہ حکم کیوں دیا تھا کہ جو صحیفہ ان کے پاس ہیں ان کو لائیں اور صحابہ نے ان کے تلاش کرنے میں کوشش اور محنت کس لئے کی سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب کچھ حجت پوری کرنے کے لیے تھا تاکہ سب انہیں مصاحف کو دلیل اور رہنما بنالیں نیز ان کے صحیفوں میں جو تفسیر کے الفاظ اور منسوخ آیات بھی درج تھیں ان کی تصحیح ہو جائے اور اس کے بعد کسی کے لیے بھی ان مصاحف کے خلاف دوسری طرح پڑھنے اور لکھنے کی گنجائش نہ رہے کیونکہ اس سے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اجماع کی مخالفت لازم آئے گی۔

قصیدۂ رائیہ کی اصطلاحات

جب ناظم رحمہ اللہ مصر میں تشریف لائے اور وہاں ہی قیام کرنے کا ارادہ فرمایا تو آپ کی رائے یہ ہوئی کہ جس طرح حرز الامانی میں تیسیر کے مضامین کا خلاصہ کیا ہے جو قرآت سبعہ میں ہے اسی طرح رسم الخط کی کتاب مقنع کے مسائل کا بھی ایک خلاصہ لکھیں (۱) امام ابو عبید قاسم بن سلام رسم کو اس مصحف سے روایت کرتے ہیں جو عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلاوت کے لیے مخصوص تھا اور اس مصحف کو امام کہتے ہیں پس جس جگہ ناظم مصحف امام کا نام لے کر کوئی روایت بیان کریں گے وہاں وہ روایت ابو عبید کی ہوگی گو ان کا نام نہ لیں اور امام نافع مدنی اہل مدینہ کے مصحف سے روایت کرتے ہیں پس اگر کسی موقع میں ان دونوں اماموں کی روایت جدا جدا ہوگی تو اس اختلاف کو بیان کر دیں گے اور اگر یہ کہیں کہ امام نافع نے اس طرح روایت کیا ہے یا یہ کہیں کہ امام میں اس طرح ہے تو اس سے یہ مراد نہ ہوگا کہ دوسرے اماموں سے دوسری طرح ہے بلکہ اکثر جگہ مراد یہی ہوگا کہ دوسرے اماموں سے بھی اسی طرح ہے اور جس جگہ کسی معین مصحف کا نام لیں مثلاً یہ کہ مکی میں اس طرح ہے یا بصری میں اس طرح ہے تو دوسرے مصاحف میں اس کے خلاف دوسری طرح ہوگا اور جن موقعوں میں مصاحف مختلف ہیں ان میں سے اکثر میں وہی روایت بیان کریں گے جو ان کے نزدیک ثابت تر اور قوی تر ہوگی اور جس جگہ یہ کہیں کہ عراقی مصاحف میں اس طرح ہے وہاں دوسرے مصاحف کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں ہو سکے گا نہ یہ کہ ان میں عراقیہ کے مطابق ہے اور نہ یہ کہ ان کے خلاف ہے پس بعض جگہ تو ان میں عراقی مصاحف کے خلاف ہوگا جو دوسری کتب سے معلوم ہوگا کیونکہ دانی نے مقنع میں رسم کے اماموں کی روایت بیان کی ہے اور وہ رسم بھی بتائی ہے جو انہوں نے عراقی مصاحف میں دیکھی ہے پس بعض جگہ تو عراقیہ کی رسم اس روایت کے مطابق ہوتی ہے جو دانی نے دوسرے اماموں سے نقل کی ہے اور بعض جگہ اس کے خلاف بھی ہوتی ہے اور عراق ایک ملک کا نام ہے جو بصرہ اور کوفہ دونوں کو شامل ہے جیسا کہ حجاز' مکہ' مدینہ' جدہ اور طائف وغیرہ کو شامل ہے (۲) رہا یہ شبہ کہ جب عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر شہر میں ایک ایک ہی قرآن بھیجا تھا تو

بعض الفاظ کی رسم میں ایک ہی شہر والوں کا اختلاف کس بناء پر ہوا سو اس کا حل یہ ہے کہ ممکن ہے کہ اس شہر کے بعض حضرات نے تو اپنے مصاحف اسی قرآن سے نقل کیے ہوں جو عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھیجا تھا اور بعض نے ان قرآنوں سے نقل کئے ہوں جو عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جمع کرنے سے پہلے ان کے پاس موجود تھے یا دوسرے شہر کے قرآنوں سے نقل کئے ہوں۔

☆ ☆ ☆



ترجمہ: شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بہت رحم والا ہے۔

شرح: حق سبحانہ تعالیٰ نے جس طرح عالم کی چیزوں میں جدا جدا اور مختلف قسم کے آثار رکھے ہیں مثلاً پانی میں پیاس اور گرمی کی شدت دور کر کے ٹھنڈک پہنچانے کا اور کھانے میں بھوک دور کر دینے کا اور دواؤں میں شفا کا اثر ہے اسی طرح ان کے ذاتی اور صفتی ناموں میں بھی بے نظیر آثار پائے جاتے ہیں اسی لیے ہمیں حکم ہوا ہے کہ جب کسی شاندار مقصد کو شروع کیا کرو تو یہ الفاظ زبان سے ادا کر لیا کرو جس قدر توجہ اور دل کے یقین سے ان الفاظ کو پڑھا جاتا ہے ان کے برکات اسی قدر ظاہر ہوتے ہیں اسلاف کرام چونکہ ہمہ تن جناب باری کی طرف متوجہ تھے اور ان کے دل کامل یقین سے لبریز اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے دین کی عظمت سے پر تھے اس لیے ان کو ان الفاظ کے ادا کرنے سے بے انتہا برکات نصیب ہوتی تھیں اور یہی وجہ ہے کہ آج ان کے کارناموں کی مقدار دیکھ کر بھی تعجب ہوتا ہے کہ ایک انسان نے اتنا کام کس طرح کر لیا لیکن یہ سب آثار ہیں۔ انہیں مبارک ناموں کے جن کو وہ اپنی پاک زبانوں سے لیتے تھے نیز ان الفاظ میں بندہ کی طرف سے عاجزی کا اقرار بھی ہے اس لیے بھی رحمت الٰہی شامل حال ہوتی ہے حق سبحانہ و تعالیٰ ہمیں بھی اسلاف کا سا یقین اور ان کی سی توجہ اور عاجزی نصیب فرما کر اپنے اسماء کی برکات سے مالا مال فرمائے۔ الٰہی اپنے ان پاک اور برکت بھرے ناموں کا صدقہ اس شرح کو نہایت حسن و خوبی کے ساتھ پوری کرا کر اس کے نفع کو عام اور تام فرما اور اس کو خلعت قبول سے مزین فرما۔

1 اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ مَوْصُوْلاً كَمَا اَمَرَا ‏ مُبَارَكًا طَيِّبًا يَّسْتَنْزِلُ الدِّرَرَا

ترجمہ: سب تعریفیں (طرح طرح کا شکر) اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں حالانکہ یہ (تعریف) لگا تار کی ہوئی (اور ہمیشگی والی) ہے (اور یہ حمد) اس لیے (ہے) کہ اس (حق تعالیٰ) نے (ہم کو اس کا) حکم دیا ہے (چنانچہ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ اور وَاشْكُرُوْا لِيْ فرمایا ہے نیز حالانکہ یہ (حمد) برکتوں سے بھری ہوئی ہے (نیز) عمدہ ہے (نیز حق تعالیٰ کے یہاں سے) بارشیں (رزق) نازل کراتی ہے۔

شرح: چونکہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے کئی جگہ اُذْكُرُوا اللهَ ذِكْرًا كَثِيرًا اور قُلِ الْحَمْدُلِلّٰہِ فرما کر اپنے ذکر اور تعریف کا حکم دیا ہے اس لیے قصیدہ کے شروع میں حق تعالیٰ کی تعریف کی ہے نیز حدیث میں ہے وَالْحَمْدُلِلّٰہِ تَمْلَأُ الْمِیْزَان کہ الحمدللہ کہنے سے ترازو ثواب سے بھر جاتی ہے حمد نعمت کے مقابلہ میں بھی ہوتی ہے اور اس کے بغیر بھی پس حق سبحانہ و تعالیٰ نعمت دینے ہی کی صورت میں نہیں بلکہ ہر حال میں حمد کے مستحق ہیں اور شکر نعمت ہی کے مقابلہ میں ہوا کرتا ہے پس جو حمد نعمت پر ہو اس کو شکر بھی کہہ سکتے ہیں اور شکر بھی موجودہ نعمتوں میں بے شمار اضافہ کا باعث ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ اگر تم شکر کرو گے تو یقیناً میں تم کو زیادہ دوں گا۔ ابراہیم ع ۲ اور ناشکری کی صورت میں نعمتوں کے سلب ہو جانے کا اندیشہ ہے چنانچہ اسی کے بعد ارشاد ہے اور اگر تم ناشکری کرو گے تو یقیناً میرا عذاب بہت سخت ہے۔

2 ذُوالْفَضْلِ وَالْمَنِّ وَالْاِحْسَانِ خَالِقُنَا رَبُّ الْعِبَادِ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ قَهَرَا

ترجمہ: (وہ) سخاوت (اور بخشش) اور انعام اور احسان والا ہے (وہ) ہمارا پیدا کرنے والا (یعنی ہر چیز کے وجود میں لانے سے پہلے اس کا اندازہ مقرر کر دینے والا) ہے بندوں کا رب (مالک) ہے وہ ایسا اللہ ہے جو (ہر زبردست پر بھی) غالب ہے۔

شرح: یہ طرز بیان بزبان حال کہہ رہا ہے کہ اس کے قائل کا دل حق تعالیٰ کی عظمت اور ہیبت سے پر ہے۔

3 حَيٌّ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ وَّالْكَلَامُ لَهٗ فَرْدٌ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ مَّا اَرَادَ جَرٰى

ترجمہ: (وہ) زندہ ہیں (ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے سب کچھ) جاننے والے (ہر چیز پر) قدرت رکھنے والے ہیں اور ان کے لیے کلام (کی صفت) بھی (ثابت) ہے (پس وہ متکلم ہیں وہ) یکتا ہیں (سب کچھ) سننے والے (ہر چیز کو) دیکھنے والے ہیں جس (چیز) کا ارادہ کرتے ہیں وہ (فوراً واقع) ہو جاتی ہے۔

شرح: ناظم نے اپنے دوسرے قصیدہ ناظمتہ الزہر میں بھی جو آیات کے شمار اور ان کے اختلاف کے بیان میں ہے شروع میں حق سبحانہ و تعالیٰ کی صفات بیان فرمائی ہیں اور یہاں بھی اور حیات علم' قدرت ارادہ یہ چاروں صفات باقی تمام صفات کے لیے اصل الاصول اور ان کا سرچشمہ ہیں۔ نیز ان کے بیان کرنے سے حق تعالیٰ کی تعریف کے علاوہ معتزلہ اور خوارج اور دوسرے باطل فرقوں کا رد بھی مقصود ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ زندہ عالم قادر تو ہیں لیکن متکلم سمیع' بصیر' مرید نہیں ہیں۔ انہوں نے کلام نہیں کیا اور موسیٰ علیہ السلام نے جو کلام سنا تھا وہ درخت ہی کی آواز تھی۔ نیز امر و نہی ترغیب و ترہیب نہیں فرمائی یعنی نہ کسی چیز کا حکم دیا ہے اور نہ منع فرمایا ہے نہ جنت کا شوق دلایا ہے اور نہ دوزخ سے ڈرایا ہے۔ پس وَالْكَلَامُ الخ سے اس خیال کو باطل کر دیا

کہ یہ سب صفات بھی ان کے لیے ہمیشہ سے ثابت ہیں۔ (المعانی الجلیلہ شرح القصیدہ لمولنا قاری عبداللہ صاحب غفر اللہ لہ)

4 اَحْمَدُهٗ وَهُوَ اَهْلُ الْحَمْدِ مُعْتَمِدًا عَلَيْهِ مُعْتَصِمًا بِهٖ وَّمُنْتَصِرًا

ترجمہ: میں اس کی تعریف کرتا ہوں حالانکہ وہ (ہر قسم کی) تعریف کا مستحق ہے حالانکہ میں اسی پر بھروسہ کرنے والا ہوں اسی کی حفاظت میں آنے والا ہوں اور (اسی سے) مدد (اور قوت) حاصل کرنے والا ہوں۔

5 ثُمَّ الصَّلٰوةُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اَشْيَاعِهٖ اَبَدًا تَنْدٰى نَدًا عِطِرًا

ترجمہ (۱): پھر رحمت (کاملہ) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور آپ کی پیروی کرنے والوں پر ہمیشہ ایسی بارش کرتی رہے جو عطر کی طرح مہکنے والی ہو۔

(۲) (یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی پیروی کرنے والوں پر ہمیشہ رحمت نازل ہوتی رہے حالانکہ وہ رحمت ایسی تری سے تر ہو جو عطر کی طرح مہکنے والی ہو اور مقصود یہ ہے کہ آپ پر اور آپ کے متبعین پر درجات کے مناسب افضل ترین اور کامل ترین رحمت نازل ہو)

النحو و العربیہ: ۱۔ (۱) تینوں منصوب اس ثَابِتٌ مقدر کے فاعل سے حال ہیں جو لِلّٰہِ کا متعلق ہے اور ان کو مفعول مطلق مقدر حَمْدًا کی صفت بھی کہہ سکتے ہیں اور افضل الدرر میں ہے کہ یہ تینوں ظرف کے فاعل سے حال ہیں اس کا اور ثَابِتٌ کے فاعل سے حال ہونے کا مطلب ایک ہی ہے ۔(۲) مَوْصُوْلًا ای مُسْتَدَامًا (۳) دِرَرًا۔ دِرَّۃٌ بارش کی جمع ہے اور چونکہ یہ رزق کے پیدا ہونے کا سبب ہے اس لیے یہاں سبب بول کر مسبب رزق مراد لیا ہے۔ (۳) مَا اَرَادَ جَرٰی ای مَاشَآءَ اللّٰہُ کَانَ۔ (۴) جملہ وَهُوَ اَهْلُ الْحَمْدِ۔ اَحْمَدُهٗ کے مفعول سے اور تینوں منصوبات اس کے فاعل سے حال ہیں ۵۔ (۱) اس شعر کے دو ترجمہ کئے گئے ہیں نمبر ایک پر عَلٰی۔ تَنْدٰی کے متعلق ہے اور اَبَدًا اسی کا مفعول فیہ ہے اور یہ تَنْدٰی۔ ثُمَّ الصَّلٰوةُ کی خبر ہے اور نمبر دو پر عَلٰی۔ نَازِلَۃٌ کے متعلق ہو کر اَلصَّلٰوةُ کی خبر ہے اور تَنْدٰی الخ اسی کے فاعل سے حال ہے (۲) تَنْدٰی ای تَبْتَلُّ اَوْ تُمْطِرُ سَمِعَ سے ہے (۳) نَدًا مفعول مطلق ہے (۴) عَطِرًا وہ شے جس سے عطر جیسی خوشبو ظاہر ہو۔

6 وَبَعْدُ فَالْمُسْتَعَانُ اللّٰهُ فِيْ سَبَبٍ يَهْدِيْ اِلٰى سُنَنِ الْمَرْسُوْمِ مُخْتَصَرًا

ترجمہ: اور اس (تعریف اور درود) کے بعد ایسے سبب (یعنی نظم کے بارہ) میں اللہ (تعالیٰ) ہی سے مدد چاہی جاتی ہے جو (عثمانی) رسم (کے مسائل) تک پہنچا دے (جس سے یہ مسائل آسانی سے یاد ہو جائیں) حالانکہ وہ (سبب اور نظم) مختصر ہو۔

شرح: یعنی اس کام کا انجام پذیر ہونا اس پر موقوف ہے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ کی خاص مدد شامل حال ہو۔

7 عِلْقٌ عِلَاقَتُهُ اَوْلَى الْعَلَائِقِ اِذْ   خَيْرُ الْقُرُوْنِ اَقَامُوْا اَصْلَهٗ وَزَرَا

ترجمہ: (یہ رسم) نفیس (اور عظیم الشان چیز) ہے اس کا تعلق (دوسرے تمام) تعلقات سے بہتر ہے (یعنی جس کو اس کی کسی قسم کی بھی خدمت کا حصہ مل گیا اس فن میں کتاب تصنیف کرنے کا ہو خواہ اس کی تعلیم دینے کا یا اس کے قواعد یاد کرنے کا اس کو بہت بڑی دولت مل گئی) کیونکہ بہترین زمانہ والوں (نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم) نے اس (رسم) کی اصل کو قائم کیا ہے حالانکہ وہ (اصل ہر زمانہ کے قرآن لکھنے والوں کے لیے) مرجع (اور ٹھکانہ) ہے (یعنی تمام کاتبین پر ضروری ہے کہ قرآن کو بعینہ اسی طرح لکھیں جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں صحابہ کے اتفاق سے لکھا گیا ہے جو کتابت اس کے موافق ہو اس کو صحیح اور جو خلاف ہو اس کو غلط سمجھا جاتا ہے)

فائدہ: (۱) جملہ عِلَاقَتُهٗ اَوْلَى الْعَلَائِقِ کا مطلب یہ ہے کہ انسان جن چیزوں سے بھی تعلق پیدا کرتا ہے اور جن کاموں میں حصہ لیتا ہے ان میں سب سے بہتر تعلق پیدا کرنے اور کام میں لگنے کی چیز فن رسم کی خدمت ہے پس معنی یہ ہیں کہ رسم سے تعلق بہترین اعتقادات اور اعلیٰ ترین تعلقات میں سے ہے یہ مقصد نہیں کہ خود رسم ہی بہترین تعلقات اور عمدہ ترین اعتقادات میں سے ہے تاکہ رسم کا الفاظ وغیرہ سے افضل ہونا لازم آئے (۲) خَيْرُ الْقُرُوْنِ میں مشہور حدیث کی طرف اشارہ ہے اور وہ یہ ہے خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ سب زمانوں سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر ان کا جو اس زمانہ والوں سے متصل ہوں گے یعنی صحابہ کا پھر ان تابعین کا جو ان سے متصل ہوں گے اور چونکہ قرآن کے رسم الخط کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے مقرر کیا ہے اس لیے اس کی خدمت میں لگنا خود انہیں حضرات کے کام میں حصہ لینا ہے۔

8 وَكُلُّ مَا فِيْهِ مَشْهُوْرٌ بِسُنَّتِهٖ   وَلَمْ يُصِبْ مَنْ اَضَافَ الْوَهْمَ وَالْغِيَرَا

ترجمہ: اور اس (رسم) کا (وہ) تمام (حصہ) جو اس (مرسوم) میں ہے وہ ان (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کی حدیث کے ذریعہ مشہور (اور ثابت) ہے اور جس نے (قرآن کے لکھنے والوں کی طرف) وہم (اور غلطی) کی اور (رسم کی طرف) تغیرات کی نسبت کی ہے (اور یہ کہا ہے کہ لکھنے والوں نے وہم کی بناء پر قرآن میں بہت شکلیں اور الفاظ زائد شامل کردیے ہیں اور رسم میں بہت سی تبدیلیاں ہوگئی ہیں) وہ درستی کو نہیں پہنچا۔

شرح: اس شعر میں ان روافض وغیرہم کا رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ قرآن جس طرح نازل ہوا تھا اب اس طرح نہیں ہے بلکہ اس میں صحابہ نے تغیر اور تبدل کردیا ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ اس میں زیادتی تو نہیں کی کمی کردی ہے چنانچہ اس میں اہل بیت کی تعریفیں تھیں اور ان کے نام بھی تھے اور نعوذ باللہ قریش اور صحابہ کے

بارہ میں لعنت کی آیتیں تھیں ان کو نکال دیا سو ان کا یہ قول بالکل باطل ہے کیا حق تعالیٰ کی طرف سے حفاظت کا وعدہ ہوتے ہوئے بھی اس میں کمی اور زیادتی کی گنجائش ہے ہرگز نہیں قرآن اور اس کی رسم توقیفی سنت سے ثابت ہے جس میں رائے کے دخل کی ذرا بھی گنجائش نہیں۔

9 وَمَنْ رَوٰى سَتُقِيْمُ الْعُرْبُ اَلْسُنُهَا لَحْنًا بِهٖ قَوْلَ عُثْمَانٍ فَمَا شُهِرَا

ترجمہ : اور جس نے عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا یہ قول روایت کیا ہے کہ عنقریب عرب (یعنی) ان کی زبانیں (خود) اس لحن (غلطی) کو درست کر لیں گی جو اس (رسم) میں ہے سو (اس کا) یہ (قول) مشہور نہیں ہے۔

10 لَوْصَحَّ لَاحْتَمَلَ الْاِيْمَآءَ فِيْ صُوَرٍ فِيْهِ كَلَحْنِ حَدِيْثٍ يَنْثُرُ الدُّرَرَا

ترجمہ : اگر (عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا (یہ) قول سند کی رو سے) صحیح (بھی) ہو تب بھی یہ ان صورتوں کی طرف اشارہ کرنے (کے معنی میں ہونے) کا احتمال رکھتا ہے جو اس (رسم) میں ہیں (کہ بعض حروف زائد ہیں اور بعض محذوف ہیں یعنی ممکن ہے کہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد اَرٰی فِيْهِ لَحْنًا میں لحن اشارہ کے معنی میں ہو اور مقصد یہ ہو کہ آپ رسم کے عمدہ ہونے پر خوشی ظاہر فرمانا چاہتے ہوں یعنی الحمدللہ کاتبین نے مصاحف کی رسم نہایت عمدہ رکھی ہے کہ اس میں جو بعض حروف زائد ہیں اور بعض محذوف ہیں ان میں عجیب و غریب امور کی طرف اشارا پاتا ہوں جن کو عرب اپنی خداداد ذہانت سے پوری طرح سمجھ لیں گے اور لحن کے اشارہ کے معنی میں ہونے کی مثال) اس حدیث (کلام) کے لحن کی طرح ہے جو (عجیب و غریب معانی کے) موتی بکھیرتا ہے (اور ظاہر کرتا ہے یعنی عرب کے کلام میں لحن اشارہ کے معنی میں بھی آتا ہے چنانچہ خَيْرَ الْكَلَامِ مَاكَانَ لَحْنًا بولتے ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ بہترین کلام وہ ہے جو اشارہ کے طور پر ہو کہ مخاطب اشاروں ہی سے متمدعا کو سمجھ جائے کما قال روی رحمہ اللہ۔

خوشتر آن باشد کہ ستر دل بر آں گفتہ آید در حدیث دیگر آں

اور اسی طرح لَحْنُ حَدِيْثٍ کہتے ہیں اور اس سے کلام کی وہ کامل ترین دلالت مراد لیتے ہیں جو معانی کے عجیب و غریب موتی ظاہر کرتی ہے پس اس دوسرے معنی کا احتمال ہوتے ہوئے لحن کو وہم اور غلطی کے معنی میں لینا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ موسیٰ جار اللہ فرماتے ہیں کہ دوسرے جوابات کے مقابلہ میں یہ ضعیف ترین جواب ہے کیونکہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول میں اَرٰی فِيْهِ لَحْنًا کے بعد سَتُقِيْمُهُ الْعَرَبُ بھی ہے اور درست و صحیح کرنا لحن بمعنی غلطی پر صادق آتا ہے نہ کہ لحن بمعنی اشارہ پر)

11 وَقِيْلَ مَعْنَاهُ فِيْ اَشْيَآءَ لَوْ قُرِئَتْ بِظَاهِرِ الْخَطِّ لَا تَخْفٰى عَلَى الْكُبَرَآ

12 لَا اَوْضَعُوْا وَجَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ لَا اَذْ بَحَنَّهٗ وَ بِاَيْدٍ فَافْهَمِ الْخَبَرَا

ترجمہ: اور بعض نے کہا ہے کہ (عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے) اس (قول) کے معنی (یہ ہیں کہ میں) ان الفاظ (یعنی) وَلَا اَوْضَعُوْا اور جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ (اور) لَا اَذْبَحَنَّهٗ اور بِاَيْدٍ (وغیرہ کے بارہ) میں (غلطی ہو جانے کا اندیشہ محسوس کرتا ہوں) جو بڑے (ماہر) لوگوں پر (تو) مخفی نہیں ہیں (وہ تو ان کی رسم کی غرض سے واقف ہیں کہ یہ ان شکلوں پر اس لیے لکھے گئے ہیں سو وہ تو ان میں غلطی نہیں کر سکتے لیکن) اگر وہ (الفاظ ان کی) ظاہری رسم کے موافق پڑھ لئے جائیں (تو ان کی قراءۃ یقیناً لحن اور غلط ہو جائے گی کیونکہ وَلَا اَوْضَعُوْا اور لَا اَذْبَحَنَّهٗ میں لام الف اور الف لکھا ہوا ہے پس اگر ان میں لا پڑھیں گے تو اثبات کا صیغہ نفی سے بدل جائے گا اور اسی طرح جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ میں زا کے بعد والا الف محذوف ہے اور ہمزہ واؤ کی شکل میں ہے اور اس کے بعد ایک الف زائد ہے اور بِاَيْيدٍ میں دو یا لکھی ہوئی ہیں پس ظاہر رسم کے موافق جَزَوَا اور بِاَييدٍ پڑھنا یقیناً غلط ہے اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس ارشاد میں اشارہ ہے کہ قرآن کو ماہر استاد کے بغیر صحیح پڑھنا ممکن نہیں اور جب ہم نے اس ارشاد کے معنی بیان کر دیئے اور اعتراضات کے جوابات بھی دے دیئے) تو تم (عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی) اس حدیث (اَرٰی فِيْهِ الخ) کو خوب سمجھ لو (اور غلطی میں مبتلا نہ ہو)

شرح شعر۹: وَمَنْ رَوٰی میں ایک روایت کی طرف اشارہ ہے اور وہ یہ ہے کہ جب صحابہ مصحف کی کتابت سے فارغ ہو چکے تو اس کو لیکر عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ تم نے بہت ہی اچھا اور عمدہ کام کیا ہے میں اس میں لحن پاتا ہوں اس کو عرب خود اپنی زبانوں سے درست کر لیں گے۔ چونکہ یہ روایت اس مضمون کے خلاف تھی جو شعر۸ میں بیان فرمایا ہے (اور وہ یہ ہے کہ رسم میں جو کچھ بھی ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ثابت ہے اور مشہور ہے) اس لیے ناظم نے ان اشعار میں اس کے تین جواب دیئے ہیں:

اول: یہ لحن والی روایت غیر مشہور ہے اور جو مضمون شعر۸ میں بیان ہوا ہے وہ مشہور اور متواتر ہے جس کے مقابلہ میں غیر مشہور روایت اعتبار کے درجہ سے ساقط ہے نیز یہ روایت عقلاً" بھی صحیح نہیں کیونکہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہوتے ہوئے قرآن میں غلطی دیکھیں اور اس کو محض اس اعتماد پر صحیح نہ کرائیں کہ عرب خود درست کر لیں گے یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں کیونکہ ادنیٰ درجہ کا مومن بھی قرآن کے غلط سننے پر صبر نہیں کر سکتا اور آپ کو کون سی رکاوٹ درپیش تھی جس کی بناء پر آپ نے ان غلطیوں کے درست کرنے کا حکم نہیں دیا جو لکھنے والوں سے ہو گئیں تھیں۔ نیز قرآن ایک نہیں تھا بلکہ سات یا آٹھ لکھے گئے تھے پس اگر ایک میں غلطی ہو گئی تھی تو کیا دوسروں میں بھی اس کو درست نہ کراتے یہ امر نہایت بعید ہے کہ تمام صحابہ قرآن میں غلطی دیکھیں اور اس کو درست نہ کریں اور یہ احتمال بھی غلط ہے کہ بعض میں غلطی تھی

اور بعض میں نہیں تھی کیونکہ قرآنوں میں قراءۃ کے اختلاف کے سوا اور کسی قسم کا بھی اختلاف نہیں تھا (المعانی الجلیلہ قاری عبداللہ صاحب مرحوم)

دوم : اگر اس روایت کو صحیح بھی مان لیں تب بھی احتمال ہے کہ لحن غلطی کے بجائے اشارہ کے معنی میں ہو یعنی اس رسم میں جو زیادتی اور حذف ہے وہ خاص مقاصد کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ہے اور اس کی باقی شرح ترجمہ ہی میں درج ہو چکی ہے۔

سوم : یہ ارشاد مخصوص الفاظ کے بارہ میں ہے جو اپنے تلفظ کے خلاف دوسری طرح زیادت و حذف وغیرہ سے لکھے ہوئے ہیں۔ پس اس میں اشارہ ہے کہ ان الفاظ کو ان کی رسم کے موافق نہ پڑھنا چاہیے ورنہ لحن اور غلط ہو جائے گا بلکہ جس طرح ماہر استاد بتائے اس طرح پڑھیں۔ موسیٰ جار اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جواب نہایت عمدہ ہے۔ کیونکہ مصاحف کے کاتبین (صحابہ) کو حق ہے کہ جو اصطلاح چاہیں مقرر کرلیں اور چونکہ یہ رسم اصطلاح کی بناء پر ہے اس لیے اس کو غلط نہیں کہہ سکتے ہاں ان الفاظ کو ظاہر رسم کے موافق پڑھنا بے شک لحن ہے۔

النحو و العربیہ : ۹ (۱) مَنْ اپنے صلہ سے مل کر مبتدا ہے جو شرط کے معنی کو متضمن ہے اور فَمَا شُهِرَا خبر اور جزا ہے (۲) سَتُقِيْمُ الْعُرْبُ اَلْسُنُهَا لَحْنًا بِهٖ اس قول کا مقولہ ہے جو قَوْلَ عُثْمَانٍ میں ہے وہ نیتہ مقدم ہے اور قَوْلَ عُثْمَانٍ۔ رَوٰى کا مفعول ہے اور باقی ترکیب ترجمہ سے ظاہر ہے۔ شعر ۱۰ (۱) فِيْهِ اى فِىْ الرَّسْمِ۔ كَآئِنَةٍ مقدر کے متعلق ہے جو صُوَرٍ کی صفت ہے اور پہلا فِىْ۔ اَلْاِيْمَآءَ کے متعلق ہے اور صَوَرٍ سے مراد الفاظ ہیں (۲) كَلَحْنٍ کا کاف ثَابِتٌ کے متعلق ہو کر مِثَالُهٗ مقدر کی خبر ہے شعر ۱۱ (۱) مَعْنَاهُ فِىْ اَشْيَآءَ کی تقدیر مَعْنَاهُ اَرَىْ اَرٰى لَحْنًا فِىْ اَلْفَاظٍ اور شعر ۱۲ کے چاروں قرآنی کلمات اَشْيَآءَ سے بدل ہیں اور جملہ لَا تَخْفٰى اَشْيَآءَ کی صفت ہے (۲) لَوْ کی جزا مقدر ہے اى لَكَانَتْ لَحْنًا (۳) افضل الدرر کی رو سے لَا تَخْفٰى اَشْيَآءَ کی صفت ہونے کے بجائے وَهٰذِهِ الْمَوَاضِعُ مقدر کی خبر ہے شعر ۱۲ افضل الدرر کی رو سے قرآن کے چاروں کلمات اَشْيَآءَ سے بدل الکل ہونے کے بجائے وَاَمْثِلَةُ هٰذِهِ الْمَوَاضِعِ مقدر کی خبر ہیں۔

13 وَاعْلَمْ بِاَنَّ كِتَابَ اللهِ خُصَّ بِمَا ‍ ‍ ‍ ‍ ‍ ‍ تَاهَ الْبَرِيَّةُ عَنْ اِتْيَانِهٖ ظُهَرَا

ترجمہ : اور معلوم کر لو کہ (دوسری آسمانی کتابوں کے مقابلہ میں) اللہ کی (یہ) کتاب (فصاحت اور بلاغت کے) اس (انتہائی وصف) کے ساتھ خاص کی گئی ہے جس کے (مثل کے) لانے سے مخلوق عاجز ہو گئی ہے حالانکہ وہ (آپس میں) مدد کرنے والے بھی ہوں (یعنی تمام مخلوق مل کر کوشش کرے اور ایک دوسرے کی مدد بھی کرے تب بھی اس قرآن جیسی کوئی کتاب نہیں بنا سکتے پورا قرآن تو کیا اس کی ایک سورت بلکہ ایک آیت کا نمونہ بھی پیش نہیں کر سکتے چنانچہ اس مضمون کو قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ (اسراع ۱۰) اور فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ (ہود ع

۲) اور فَأْتُوا بِسُورَةٍ الخ (البقرۃ ع ۳) اور فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ (طور ع ۲) میں بیان فرمایا ہے یعنی مخالفین سے اولاً پورے قرآن کا پھر دس سورتوں کا پھر ایک سورت کا پھر ایک آیت کا نمونہ بنا کر پیش کرنے کا مطالبہ کیا گیا لیکن اس پر بھی پیش نہ کر سکے جس سے واضح ہو گیا کہ قرآن معجز ہے جس نے اپنی فصاحت اور بلاغت کے سبب تمام مخلوق کو اپنا نمونہ لانے سے عاجز کر دیا ہے۔)

شرح: موسیٰ جار اللہ فرماتے ہیں کہ ناظمؒ اعجاز کی بحث کو سب سے پہلے اس لیے لائے ہیں کہ قرآن نبوت کی دلیل ہے اور اس شریعت کی اصل بنیاد ہے جو امت کی زندگی کی درستی کی کفیل ہے اس لیے امت پر واجب ہے کہ قرآن کے معنی اور الفاظ اور رسم کی حفاظت کا پورا اہتمام کرے اور اعجاز کا مسئلہ دین کے نہایت ضروری مسائل میں سے ہے بلکہ یہی اصل الاصول ہے اور علماء نے اس میں طویل بحثیں کی ہیں اور ہم نے بھی اس موضوع پر کلام کیا ہے اس کے لیے ہماری کتاب تاریخ القرآن و المصاحف کے پورا ہونے کا انتظار کرنا چاہیے اس میں ہم نے اپنے علماء کے اقوال کا خلاصہ بیان کیا ہے اور اپنی تحقیق بھی پیش کی ہے۔

قرآن کے معجز ہونے کی وجوہ

پہلی وجہ

14 مَنْ قَالَ صَرَفْتَهُمْ مَعْ حَثِّ نُصْرَتِهِمْ   وَفُرُ الدَّوَاعِي فَلَمْ يَسْتَنْصِرِ النُّصَرَا

ترجمہ: جس نے یہ کہا ہے کہ (قرآن کے اعجاز کی وجہ حق تعالیٰ کا) ان (مخالفین) کو بہت سی دلائل کے ان کی مدد کو برانگیختہ کرنے کے باوجود (قرآن کا نمونہ پیش کرنے سے) روک دینا ہے اس (قائل) نے دلائل (یا محقق علماء) سے مدد نہیں لی (یعنی بعض یہ کہتے ہیں کہ قرآن نے جو مخلوق کو اپنا نمونہ لانے سے عاجز کر دیا ہے اس اعجاز کی وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کے ذریعہ ان کی عقلیں سلب کر لی اور اس طرح نمونہ لانے سے روک دیا حالانکہ ان کو قدرت تھی اور ان کی مدد کے لیے بہت سے اسباب جمع تھے اور وہ نمونہ پیش کر سکتے تھے ناظمؒ ان کا رد اس طرح فرماتے ہیں کہ ان حضرات نے نہ تو خود دلائل میں غور کیا ہے اور نہ اس اعجاز کی وجہ کو محقق علماء سے دریافت کیا اسی لیے ایسی غلط بات کے قائل ہو گئے ہیں کیونکہ ظاہر ہے کہ جب ان کی عقلیں سلب کر لی گئیں تو وہ مردوں کی طرح ہو گئے اور مردے سے یہ مطالبہ کرنا کہ اس کا نمونہ لے آؤ کچھ بھی معنی نہیں رکھتا اور اس حالت میں ان کے عاجز رہنے سے قرآن کا کمال ذرا بھی ثابت نہیں ہوتا نیز جب ان کو حق تعالیٰ نے عاجز کیا ہے تو یہ اعجاز حق سبحانہ و تعالیٰ کا ہوا نہ کہ قرآن کا۔ موسیٰ جار اللہ فرماتے ہیں کہ اس قائل نے گویا عرب کی بلاغت پر نظر کی اور اس کو بلند ترین سمجھا اور اسے یہ بات بعید معلوم ہوئی کہ عرب اپنے کلام میں

قرآن جیسی یا اس سے اعلیٰ ترین بلاغت پیدا کرنے سے عاجز ہوں اس لیے اس نے یہ کہہ دیا کہ اعجاز کی وجہ حق تعالیٰ کا روک دینا ہی ہے۔

15 كَمْ مِنْ بَدَائِعَ لَمْ تُوجَدْ بَلَاغَتُهَا اِلَّا لَدَيْهِ وَكَمْ طُوْلَ الزَّمَانِ تُرٰى

ترجمہ: (علم بدیع کے قبیل سے) بہت سی خوبیاں ہیں جن کی بلاغت (منجملہ دوسری آسمانی کتابوں کے) اس (قرآن ہی) میں پائی جاتی ہے اور بہت سی (خوبیاں ایسی) ہیں جو زمانہ کے طویل ہو جانے پر بھی (نئی سے نئی) دیکھی جاتی ہیں (یعنی جتنا زمانہ گزرتا جاتا ہے ماہر علماء کلام الہٰی میں سے اتنی ہی خوبیاں نکالتے رہتے ہیں چنانچہ حدیث میں ہے کہ قرآن کے عجائب ختم نہ ہوں گے اور عرب کے کلام میں کوئی عبارت بھی ایسی نہیں پائی گئی جو بلاغت میں قرآن کے مثل یا اس کے قریب ہو نہ قرآن کے نزول سے پہلے اور نہ اس کے بعد اور یہ دعویٰ کہ وہ قادر تو تھے لیکن حق تعالیٰ نے ان کو روک دیا اس وقت تک ثابت نہیں ہو سکتا جب تک یہ ثابت نہ کر دیا جائے کہ کلام عرب میں قرآن جیسی بلاغت قرآن کے نازل ہونے سے پہلے پائی جاتی تھی۔ پس اگر اعجاز کی وجہ یہ ہوتی کہ حق تعالیٰ نے ان کو روک دیا تو قرآن میں اتنی اعلیٰ ترین بلاغت اور خوبیوں کی رعایت رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی اور نہ اتنا بڑا کلام نازل کرنے کی حاجت تھی اس صورت میں تو تھوڑا ہی کلام کافی تھا بلکہ یہی مناسب تر تھا نیز قرآن تمام لوگوں کے لیے رحمت بن کر آیا ہے اور انسانی قویٰ کی تربیت اور درستی کے لیے نازل ہوا ہے اور ان کے استعمال سے روک دینا اس مقصد کے منافی ہے۔)

قرآن کے اعجاز کی دوسری وجہ

16 وَمَنْ يَّقُلْ بِعُلُوْمِ الْغَيْبِ مُعْجِزُهٗ فَلَمْ تَرٰى عَيْنُهٗ عَيْنًا وَّلَا اَثَرًا

ترجمہ: اور جو یہ کہتا ہے کہ اس (قرآن) کا اعجاز غیب کے علوم (کے بیان کرنے اور ان کی خبر دینے) میں ہے (نہ کہ اس کے الفاظ اور معنی میں یعنی قرآن کا اعجاز یہ ہے کہ اس نے غیبی خبریں بتائی ہیں جو ٹھیک اس کے بیان کے موافق واقع ہوتی ہیں) اس (قائل) کی آنکھ نے نہ تو (مقصود کی) ذات کو دیکھا ہے اور نہ (مقصود کے) اثر (ہی) کو (دیکھا ہے یا اس کی آنکھ نے نہ تو کامل عالم ہی کو دیکھا ہے اور نہ اس کے اثر کو یعنی اس کو اصل مقصود کا پتہ ذرا بھی نہیں ملا اور نہ تو کسی عالم کی صحبت میسر آئی اور نہ ان کی تصانیف ہی کا مطالعہ نصیب ہوا جس سے حقیقتہ الامر کا پتہ ملتا خلاصہ یہ کہ غیبی علوم کو اعجاز کی وجہ بتانا تحقیق کے خلاف ہے چنانچہ آئندہ شعر میں دلیل کے ذریعہ اس کا رد فرماتے ہیں۔)

17 إِنَّ الْغُيُوبَ بِإِذْنِ اللهِ جَارِيَةٌ   مَدَى الزَّمَانِ عَلَى سُبُلٍ جَلَتْ سُوَرًا

ترجمہ: (کیونکہ) غیب (کی خبریں تو) زمانہ کی انتہا تک (یعنی قیامت تک) ان طریقوں پر جو واضح ہو گئے ہیں (یعنی ظاہر اور باہر طور پر) اللہ (تعالیٰ) کے حکم (اور ارادہ) سے (قرآن کی صرف) چند صورتوں میں جاری (اور واقع) ہیں (ہر سورۃ اور ہر آیت میں غیبی خبریں نہیں ہیں۔ پس ناظمؒ نے اس شعر میں دو طرح رد فرمایا ہے۔ (۱) قرآن نے جو غیب کی خبریں دی ہیں وہ سب کی سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ظاہر نہیں ہوئیں بلکہ قیامت تک ظاہر ہوتی رہیں گی پس اگر غیبی خبروں کو اعجاز مانیں گے تو لازم آئے گا کہ نبوت کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد پائی گئی حالانکہ نبوت کی دلیل کا نبی کے زمانہ میں پایا جانا ضروری ہے (۲) غیبی خبریں قرآن کی تمام سورتوں میں نہیں صرف بعض میں ہیں پس ان کو اعجاز ماننے سے لازم آئے گا کہ صرف وہی سورتیں اور آیتیں معجزہ ہیں جن میں غیبی خبریں ہیں حالانکہ نمونہ پیش کرنے کا مطالبہ جو کیا گیا ہے وہ عام ہے یعنی کسی آیت جیسی آیت بنا لاؤ اس میں غیبی خبریں ہوں یا نہ ہوں۔ موسیٰ جار اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ قول بھی دلیل پر مبنی (اور صحیح) ہے کیونکہ غیبی خبریں بیان کرنا بھی نبوت کی دلیل ہے جیسا کہ وَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ (آل عمران ع ۵) میں مذکور ہے نیز نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتبار سے قرآن بھی غیبی ہی چیزوں میں سے ہے)

اعجاز کی تیسری وجہ

18 وَمَنْ يَقُلْ بِكَلَامِ اللهِ طَالَبَهُمْ   لَمْ يَحْلَ فِي الْعِلْمِ لَا وِرْدًا وَّ لَا صَدَرًا

ترجمہ: اور جو یہ کہتا ہے کہ ان (حق تعالیٰ) نے ان (مخالفین) سے اللہ کے کلام (یعنی کلام نفسی) کا مطالبہ کیا تھا (یعنی یہ فرمایا تھا کہ ایسا کلام لاؤ جو قدیم ہو) اس (قائل) نے نہ تو علم میں وارد ہونے والے (نئے عالم) سے فائدہ حاصل کیا اور نہ (خوب ماہر ہو کر) لوٹنے والے (عالم) سے (فائدہ حاصل کیا یا نہ تو اس نے کوئی ایسی چیز پیش کی ہے جو انسان کی نظر میں شیریں اور خوشنما ہو اور نہ کوئی ایسی چیز لے کر لوٹا ہے جو مخصوص حضرات کی نظر میں شاندار ہو خلاصہ یہ کہ اس قائل نے نہ تو کم درجہ ہی کے عالم سے اس مسئلہ کی تحقیق کی اور نہ کسی کامل عالم سے بلکہ محض رائے سے بلا غور و فکر اس کا قائل ہو گیا ہے اسی لیے آئندہ شعر میں اس کا رد فرماتے ہیں)

19 مَا لَا يُطَاقُ فَفِيْ تَعْيِيْنِ كُلْفَتِهٖ   وَجَائِزٍ وَّ وُقُوْعٍ عُضْلَةُ الْبُصَرَا

ترجمہ: (۱) جو چیز طاقت نہ رکھی جائے (یعنی جس حکم پر عمل کرنا انسان کی طاقت سے باہر ہو) اس (حکم) کی

تکلیف کے معین کر دینے (اور اس کے فرض و واجب ٹھہرا دینے) اور (ایسے حکم کے فرض قرار دینے کے) جائز ہونے اور (اس کے) واقع ہونے ۔(اور نازل ہونے) میں بینا (اور دانا) علماء (تک) کی (بھی) مشکل (اور مصیبت) ہے (یعنی چونکہ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا کی رو سے حق تعالیٰ بندوں کو کوئی ایسا حکم نہیں دیتے جس پر عمل کرنا ان کے بس سے باہر ہو اس لیے ماہر علماء بھی بس سے باہر چیز کے فرض بتانے کی ہمت نہیں کر سکتے اور ڈرتے ہیں کہ ہم پر مذکورۂ بالا آیت سے اعتراض ہوگا لیکن اس قائل کی ہمت دیکھو کہ بے باکی اور بے فکری سے یہ کہہ دیا کہ حق تعالیٰ نے ان سے قدیم کلام کا مطالبہ کیا تھا بھلا بندہ جو حادث ہے وہ قدیم کلام کیونکر بنا سکتا ہے کیونکہ جو کلام بنایا ہوا ہوگا وہ تو حادث ہی ہوگا نیز مخالف کہہ سکتا ہے کہ ہم اس کو قدیم نہیں مانتے پس مطالبہ تو ایسی چیز کا ہونا چاہیے جو مقابل کے بس میں ہو اور وہ اس میں کچھ محنت کر سکتا ہو۔ کیونکہ جب محنت کے بعد بھی نمونہ پیش نہ کر سکے گا تو اپنا عاجز ہونا اور کتاب کا کلام الٰہی ہونا اس پر عیاں ہو جائے گا اور اگر بس سے باہر چیز کا مطالبہ کیا جائے گا تو اس کو تو سنتے ہی کہہ دے گا کہ یہ ہمارے قابو سے باہر ہے ہم سے ایسی چیز طلب کرو جس میں ہمارا بس چل سکے اور ہم کوشش کر سکیں (۲) یا جو حکم طاقت سے باہر ہو (یہ کلام نفسی والا قول اس حکم کی تکلیف کے معین کر دینے میں ہے جو آیت کے خلاف ہے) اور (اس قول کی رو سے ایسے حکم کا فرض کر دینا) جائز ہے اور (اس قول پر) ماہر علماء کا مشکل میں واقع ہو جانا لازم آتا ہے۔)

شرح: جمہور علماء کے نزدیک جو تحقیق اس مقام کے لائق ہے وہ یہ ہے کہ قرآن کا اعجاز اس کی فصاحت اور بلاغت ہے اپنی سب قسموں سمیت جو تمام قرآن میں پائی جاتی ہے اور بدیع چیزوں کی سو قسمیں ہیں جیسے مجاز استعارہ، کنایہ، ارداف، تمثیل، تشبیہ، ایجاز، اشارہ وغیرہ اور یہ سب علم معانی میں مذکور ہیں جو قرآن میں اس کثرت سے ہیں کہ تمام جن و انسان جمع ہو کر بھی اس کا مثل نہیں بنا سکتے اور اس میں خوف اور دہشت بھی کامل درجہ کی ہے اور حروف کی نظم اور تالیف، اختصار و بلاغت اور شیرینی اور رونق اس درجہ کو پہنچی ہوئی ہے کہ قاری خواہ کتنی ہی بار پڑھے لیکن اس کی تلاوت سے سیر نہیں ہوتا اور اس میں گذشتہ اور آئندہ واقعات کی خبریں بھی ہیں اور ان سب چیزوں کے ساتھ یہ بھی ہے کہ حق تعالیٰ نے مخالفین کے دلوں کو اس کے مقابلہ سے روک دیا۔

فائدہ: ناظمؒ نے پہلے تو یہ بتایا کہ رسم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ثابت ہے اور آپ نے خود اس کو لکھوایا ہے بلکہ جبریل علیہ السلام نے آپ کو اسی طرح سکھایا تھا پس رسم توقیفی ہے جس میں کسی کی رائے کا ذرا بھی دخل نہیں اور یہ وہبی چیز نہیں ہے پس اس میں تبدیلی جائز نہیں پھر یہ بتایا کہ یہ کتاب معجز بھی ہے جس نے اپنے مقابلہ سے تمام مخلوق کو عاجز کر دیا ہے حالانکہ قصیدہ رسم کے بیان میں ہے نا کہ عقائد میں سو ممکن ہے کہ اس سے اس طرف اشارہ کرنا منظور ہو کہ جس طرح کلام لفظی معجز ہے اور اس میں وہ آیات بھی ہیں جو محکم ہیں جن کے معنی بالکل ظاہر ہیں اور متشابہات بھی ہیں جن کے معنی کسی کو معلوم نہیں اسی طرح رسم کی بھی دو

قسمیں ہیں کہ وہ محکم بھی ہے جس میں رسم تلفظ کے موافق ہوتی ہے اور متشابہ بھی ہے جس میں رسم تلفظ کے موافق نہیں ہوتی اور اس کی توجیہ اور تاویل اللہ اور رسول اور رسول کے نائب صحابہ وغیرہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور علماء اور اہل کشف نے اس رسم کے بھید بھی بیان کئے ہیں اور اگر تم ان کو معلوم کرنا چاہتے ہو تو شیخ عبدالعزیز دباغ مصری کی کتاب ابریز کا مطالعہ کرو۔

20 لِلّٰهِ دَرُّ الَّذِیْ تَالِیْفُ مُعْجِزِهٖ وَالْاِنْتِصَارِ لَهٗ قَدْ اَوْضَحَ الْغُرَرَا

ترجمہ: (افضل الدرر کی رو سے) ان (قاضی ابوبکر باقلانی) کی (اور موسیٰ جار اللہ کے قول پر امام عبدالقاہر کی) خوبی اللہ کے لیے ہے کہ تصنیف اعجاز القرآن اور (تصنیف) انتصار القرآن ان ہی کے لیے ہے ان (موصوف) نے (یا ان دونوں کتابوں نے قرآن کی) خوبیوں کو واضح کر دیا ہے (یعنی قاضی ابوبکر باقلانی رحمہ اللہ نے بلند پایہ کا کام کیا ہے کہ قرآن کی حمایت اور حفاظت کی غرض سے دو کتابیں لکھی ہیں جن میں سے ایک اعجاز القرآن اور دوسری انتصار القرآن ہے اول میں قرآن کا اعجاز اور کلام کی خوبیاں بیان کی ہیں اور دوسری میں معتزلہ اور ملحدین کا رد کیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ قرآن کا اعجاز یہ ہے کہ اس کی فصاحت اور بلاغت انتہا درجہ کو پہنچی ہوئی ہے جس سے کوئی بھی اس کا مثل لانے پر قادر نہیں موسیٰ جار اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن میں اعجاز کی بہت سی وجوہ ہیں جن میں سے ایک اس کی فصاحت اور بلاغت بھی ہے جو عرب کے مقابلہ میں رکھی گئی ہے اور نبوت تمام مخلوق کے لیے عام ہے اس لیے ضروری ٹھہرا کہ رسالت کی دلیل صرف فصاحت اور بلاغت ہی کو نہ کہا جائے (اور اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے علاوہ اور بھی بے شمار معجزات عطا ہوئے ہیں۔)

النحو و العربیہ: شعر ۱۳ (۱) بِاَنَّ کی با زائد ہے (۲) تَاهَ ای عَجَزَ وَ تَحَیَّرَ (۳) اِتْیَانِهٖ ای عَنِ الْاِتْیَانِ بِمِثْلِهٖ (۴) ظُهَرًا۔ ظَهِیْرٌ کی جمع ہے جو نَصِیْرٌ کے معنی میں ہے اور یہ اَلْبَرِیَّةُ سے حال ہے۔ شعر ۱۴ (۱) مَنْ مع صلہ مبتدا ہے جو شرط کے معنی پر مشتمل ہے اور اسی لیے اس کی خبر فَلَمْ یَسْتَنْصِرُ الخ میں فا آئی ہے (۲) صَرْفَتُهُمْ۔ وَجْهُ اِعْجَازِ الْقُرْآنِ کی خبر ہے (۳) مَعْ صَرْفَتُهُمْ کا ظرف ہے۔ (۴) حَثَّ آمادہ کرنے کے معنی میں ہے اور یہ مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے (۵) وَفْرُ الدَّوَاعِیْ میں صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہے اور یہ حَثِّ کا فاعل ہے ای مَعْ حَثِّ الدَّوَاعِیِ الْوَافِرَةِ نُصْرَتَهُمْ (۶) نُصَرًا۔ نَصِیْرٌ کی جمع ہے اور چونکہ مدد دلیل سے بھی ملتی ہے اور عالم سے بھی اس بناء پر اس سے دلائل بھی مراد لے سکتے ہیں اور علماء بھی۔ شعر ۱۵ (۱) کَمْ خبریہ ہے کہ جو تکثیر کے لیے ہے (۲) مِنْ بَدَآئِعَ میں مِنْ زائد ہے اور یہ کَمْ کی تمیز ہے اور موصوف ہے (۳) دوسرے کَمْ کی تمیز محذوف ہے ای وَکَمْ مَرَّاتٍ (۴) طُوْلَ الزَّمَانِ۔ تُرٰی کا مفعول فیہ ہے اور کَمْ اپنی تمیز سے مل کر اسی کا مفعول مطلق ہے۔ شعر ۱۶ (۱) بَا۔ فِیْ کے معنی میں ہے ای فِی الْاِخْبَارِ عَنِ الْعُلُوْمِ الْغَیْبِیَّةِ (۲) مُعْجِزَةٌ میں اسم فاعل مصدر کے معنی میں ہے اور یہ بِعُلُوْمِ الْغَیْبِ کا مبتدا موخر ہے

اور اسمیہ مقولہ ہے (۲) فَلَمْ تَرٰی میں، موسیٰ جار اللہ کی شرح میں اور اتحاف البررہ کے مجموعہ میں جو رائیہ ہے اس میں الف بشکل یا لکھا ہوا ہے اور جازم کے باوجود الف کا حذف نہ کرنا غالباً وزن کی بناء پر ہے اور افضل الدرر میں اس کو الف کے بغیر لکھا ہے (۳) دوسرے عَیْنًا سے کامل انسان مراد ہے (۴) وَلَا اَثَرًا ای وَلَا اَثَرَ اللّٰعَیْنِ شعر ۱۷۔ بَا اور عَلٰی دونوں جَارِیَۃٌ کے متعلق ہیں اور مَدَی الزَّمَانِ بھی اسی کا مفعول فیہ ہے اور سُوَرًا بھی اسی کا معمول ہے اور یہ اصل میں فِیْ سُوَرٍ تھا۔ پس یہ منصوب بہ نزع خافض ہے شعر ۱۸ (۱) لَمْ یَحُلْ ای لَمْ یَسْتَنفِدْ۔ مَنْ موصولہ کی خبر ہے (۲) فِیْ ۔ وِرْدًا کے متعلق ہے اور اسکی تقدیر ذَا وِرْدٍ ہے اور اس سے مراد وہ عالم ہے جو ابھی پڑھ کر فارغ ہوا ہو۔ (۳) صَدَرَ ۔ صَادِر کے معنی میں ہے یعنی لوٹنے والا اور اس سے مراد ماہر عالم ہے کیونکہ وہ بھی افادہ کے لیے لوگوں کی طرف رجوع کرتا ہے پس اس کا الف تنوین سے بدلا ہوا ہے اور ترجمہ میں جو دوسرے معنی لکھے گئے ہیں وہ جار اللہ کی شرح سے ہیں اور اس تقدیر پر صَدَرًا ماضی کا صیغہ ہے شعر ۱۹ (۱) جَائِز ای جَوَاز اور وُقُوع دونوں تَعَیِّین پر معطوف ہیں اور معطوفین کا مجموعہ فِیْ کا مجرور ہے اور فِیْ۔ ثَابِتَۃٌ مقدر کے متعلق ہو کر عَضِلَۃَ الْبُصَرَا کی خبر مقدم ہے اور جملہ اسمیہ مَالَا یُطَاقُ کی خبر ہے (۲) عُضْلَۃ۔ کَاھِیَۃٌ یعنی مصیبت اور مشکل کے معنی میں ہے (۳) بُصَرَا۔ بَصِیْر کی جمع ہے اور اس سے مراد ماہر علماء ہیں یہ ترکیب تو ان اعرابوں کی رو سے ہے جو موسیٰ جار اللہ کی شرح اور اتحاف البررہ کی رائیہ میں درج ہیں اور دوسرا ترجمہ افضل الدرر کی رو سے ہے اس صورت میں فِیْ۔ ثَابِتٌ کے متعلق ہو کر ھٰذَا الْقَوْلُ مقدر کی اور جملہ اسمیہ مَالَا یُطَاقُ کی خبر ہے اور جَائِزٌ کی تقدیر وَالتَّکْلِیْفُ بِمَا لَا یُطَاقُ جَائِزٌ عَلٰی ھٰذَا الْقَوْلِ ہے پس یہ دوسرا اسمیہ ہے اور وُقُوْعُ عُضْلَۃِ الْبُصَرَا میں وُقُوْعُ عین کے رفع سے عُضْلَۃِ کی طرف مضاف ہے اور اس کی خبر مقدر ہے ای یَلْزِمُ ھٰذَا الْقَوْلَ یہ تیسرا اسمیہ ہے۔ شعر ۲۰ (۱) مُعْجِزِہٖ کی ھا قرآن کے لیے ہے اور مُعْجِز یہاں بھی اعجاز کے معنی میں ہے اور الاِنْتِصَار اسی پر معطوف ہے اور معطوفین کا مجموع تَالِیْفٌ کا مضاف الیہ ہے اور یہ مرکب اضافی مبتدا ہے اور لَہٗ ۔ ثَابِت کے متعلق ہو کر اس کی خبر ہے اور جملہ اسمیہ اَلَّذِیْ کا صلہ ہے اور عائد لَہٗ کی ھا ہے اور جملہ فعلیہ مستانفہ ہے یا صلہ پر معطوف ہے (۲) غُرَر۔ غُرَّۃٌ کی جمع ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پہلی بار قرآن کے ایک جگہ جمع کیے جانے کا واقعہ اور اس کے لکھنے اور جمع کرنے کی وجہ

21 وَلَمْ یَزَلْ حِفْظُہٗ بَیْنَ الصَّحَابَۃِ فِیْ ۔۔۔ عُلَا حَیَاۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ مُبْتَدِرَا

ترجمہ : نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے بلند ترین زمانہ میں اس (قرآن) کے حفظ کا شوق صحابہ میں

برابر (جاری) رہا- حالانکہ ان میں سے ہر ایک (حفظ کی کوشش میں ایک دوسرے سے) بڑھنے والا (اور جلدی کرنے والا) تھا (اور ہر ایک یہ چاہتا تھا کہ سب سے پہلے میں یاد کر لوں)

شرح: یعنی آپ کے زمانہ میں قرآن صحابہ کے سینوں میں محفوظ تھا بہت سے حضرات کو تو پورا قرآن حفظ تھا اور بعض ایسے تھے جن کو کچھ کچھ حصہ یاد تھا اور اس زمانہ میں جتنا حصہ نازل ہوتا تھا اس کا حفظ کر لینا اور یاد رکھنا سب سے بڑا فرض تھا اور افضل ترین عبادت تھی اس لیے یہ گمان غلط ہے کہ جب قرآن کافی عرصہ کے بعد عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں لکھا گیا ہے تو اس میں بہت سی غلطیاں ہو گئی ہوں گی۔ بات یہ ہے کہ اصل اعتماد تو حفظ ہی پر تھا اور صحابہ کے حافظہ بھی ہم سے کروڑہا درجہ قوی تھے اور نبوت کے علوم کے ناپیدا کنار سمندران کے سینوں میں محفوظ تھے اور یہ سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض کا اثر تھا لیکن مزید حفاظت کے لیے قرآن کے لکھنے کا دستور بھی آپ کے زمانہ ہی سے جاری تھا چنانچہ زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ وحی کے کاتب تھے جب قرآن کی کچھ آیات نازل ہوتی تھیں تو آپؐ ان کو بلا کر لکھوا دیتے تھے لیکن چونکہ اس وقت کاغذ آسانی سے میسر نہیں آتا تھا اس لیے متفرق چیزوں پر لکھتے تھے یعنی کچھ حصہ کھجور کی لکڑیوں پر اور کچھ ہڈی پر کچھ پتھر کے ٹکڑوں اور کچھ کاغذوں پر لکھا ہوا تھا اور یہ سب حصہ مختلف حضرات کے پاس تھے یکجا نہیں تھے پھر ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں زید بن ثابت سے لکھوایا گیا اور صحیفوں کی شکل میں یکجا ہو گیا لیکن ایک جلد میں اس وقت بھی نہیں ہوا تھا پھر عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایک جلد میں ہو گیا۔ پس یہ قرآن مجید کے لکھنے کا تیسرا دور تھا نہ کہ پہلا۔

22 وَكُلَّ عَامٍ عَلٰى جِبْرِيْلَ يَعْرِضُهٗ   وَقِيْلَ اٰخِرَ عَامٍ عَرْضَتَيْنِ قَرَا

ترجمہ: اور آپؐ ہر سال اس (قرآن) کو جبریل علیہ السلام کے سامنے پیش کرتے تھے (یعنی دور فرماتے تھے) اور بعض (ناقلین) نے کہا ہے کہ آپؐ نے آخری سال (جبرئیل علیہ السلام) کے روبرو دو مرتبہ پڑھا تھا۔

شرح: یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہا درجہ کی حفاظت تھی کہ بھول سے محفوظ ہونے کے باوجود بھی قرآن کے اس حصہ کا جو اس سال میں نازل ہوتا تھا جبریل علیہ السلام سے دور فرماتے تھے تاکہ امت کو سبق ملے اور وہ اس کی حفاظت پر ہمیشہ کمربستہ رہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ فاطمہ اور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتی ہیں کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جبریل علیہ السلام مجھ سے ہر سال ایک بار قرآن کا دور کرتے تھے اور اس سال دوبار دور کیا ہے اور مجھے اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ میری وفات کا وقت آپہنچا ہے چنانچہ آپ اسی سال اپنے رفیق اعلیٰ سے واصل ہو گئے۔

23 اِنَّ الْيَمَامَةَ اَهْوَا هَا مُسَيْلِمَةُ الْ   كَذَّابُ فِيْ زَمَنِ الصِّدِّيْقِ اِذْ خَسِرَا

ترجمہ: (شہر) یمامہ (والے) جو تھے ان کو (ابوبکر) صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے زمانہ میں بہت جھوٹ

بولنے والے مسیلمہ نے ہلاک اور گمراہ کر دیا تھا جبکہ وہ (مسیلمہ نبوت کے جھوٹے دعوے کے سبب خود بھی) تباہ (و برباد) ہو گیا تھا۔

شرح: مسیلمہ نے نبوت کا دعویٰ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں کیا تھا لیکن اس وقت مشہور نہیں ہو سکا تھا اس نے ایک وفد بھیجا اور اس کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اس مضمون کا ایک خط بھی روانہ کیا کہ مسیلمہ رسول کی طرف سے محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام۔ میں نبوت میں آپ کا شریک ہوں آدھی زمین میری ہے اور آدھی قریش کی۔ آپؐ نے اس کے جواب میں یہ لکھوا بھیجا یہ خط محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے جو ہدایت کی پیروی کریں ان پر سلامتی ہو پھر یہ آیت تھی: اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ یعنی زمین اللہ کی ہے وہ اس کو اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے دے دیتا ہے اور انجام کی بہتری ڈرنے والوں کے لیے ہے مسیلمہ نے آپ کا یہ خط تو چھپا لیا اور اس کے بجائے اپنا گھڑا ہوا خط سنا دیا جس میں شرکت کا اظہار تھا۔ سننے والوں میں ثمامہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے انہوں نے مسیلمہ سے کہا کہ ہٹ' مکاری نہ کر تو حضورؐ کا شریک نہیں ہے جھوٹا ہے تو احمق ہے تیرے لیے نہ آسمان میں جگہ ہے کہ اڑ جائے اور نہ زمین میں کوئی ٹھکانہ ہے کہ اس میں گھس جائے۔ ایک بار یہ خود بھی بنی حنیفہ کے وفد میں حضورؐ کے پاس آیا تھا اور کہا تھا کہ مجھے اپنے بعد اپنا نائب بنا دیں تو میں بھی پیروی کر لوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرما دیا تھا۔ یہ اسی وفد کے ساتھ لوٹ گیا اور اپنی جگہ پہنچ کر فتنہ پردازی شروع کر دی۔ پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں اس کے پیرو بہت ہو گئے اس لیے اس سے جنگ ہوئی۔ آپ نے خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماتحتی میں ایک لشکر بھیجا اور ایسی سخت جنگ ہوئی کہ اس سے پہلے مسلمانوں کو کبھی بھی ایسا موقع پیش نہیں آیا تھا جس میں بارہ سو مسلمان شہید ہوئے اور باقی حضرات زخمی ہو گئے آخر میں حضرت براء بن مالکؓ نے سختی سے حملہ کیا مسلمان ان کے ساتھ شامل رہے جب یہ حضرات پہنچے تو انہوں نے دروازہ بند کر لیا لیکن ان حضرات نے ایسی ترکیب سے حملہ کیا جس سے دروازہ کھل گیا اور مسلمان اندر داخل ہو گئے اور مسیلمہ اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا۔

مسیلمہ نے اپنے آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں چھوڑ رکھے تھے پس جو قرآن آپ پر نازل ہوتا یہ لوگ اس کو پہنچا دیتے تھے۔ مسیلمہ قرآن سنا کر کہہ دیتا کہ یہ مجھ پر نازل ہوا ہے اور جبریل میرے پاس وحی لائے ہیں۔ جب اسلام کی شہرت ہو گئی اور قرآن خوب پھیل گیا تو اس کا دعویٰ نہ چل سکا اس لیے پھر خود گھڑ کر سنانا شروع کر دیا جیسے وَالنَّازِعَاتِ نَزْعًا- وَالزَّارِعَاتِ زَرْعًا- وَالْحَاصِدَاتِ حَصْدًا- وَالطَّاحِنَاتِ طَحْنًا- اَلْخَابِزَاتِ خُبْزًا- اَلثَّارِدَاتِ ثَرْدًا- ضِفْدَعُ بِنْتَ ضِفْدَعَيْنِ- اِلٰى كَمْ تَنْقِيْنَ- لَا الْمَآءَ تُكَدِّرِيْنَ- وَلَا الشَّرَابَ تَمْنَعِيْنَ۔

فائدہ: یمامہ ایک آبادی تھی جو حجاز کی شرقی جانب میں نجد و بحرین کے درمیان تھی لیکن اب اس کے

حدود مٹ مٹا کر آبادی بے نام و نشان ہو گئی یہ پورا واقعہ المعانی الجلیلہ سے لیا گیا ہے۔

24 وَبَعْدَ بَأْسٍ شَدِيدٍ حَانَ مَصْرَعُهُ وَكَانَ بَأْسًا عَلَى الْقُرَّآءِ مُسْتَعِرَا

ترجمہ : اور سخت جنگ کے بعد اس (مسیلمہ) کے پچھڑنے (اور ہلاک ہونے) کا وقت آپہنچا (اور وہ جہنم رسید ہو گیا) اور یہ (جنگ) ایسی جنگ تھی جو قراء کے حق میں بھڑکنے والی (اور نہایت سخت) تھی (چنانچہ اس میں افضل الدرر کی رو سے ستر اور شرح موسیٰ جار اللہ کے اعتبار سے سات سو کے قریب قراء شہید ہو گئے تھے اسی لیے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فکر ہوئی کہ ایسا نہ ہو کہ آئندہ جنگوں میں قرآن کے باقی حفاظ بھی شہید ہو جائیں اور پھر اس دولت سے امت محروم رہ جائے جس سے ان کی دنیوی اور اخروی دونوں ہی زندگیاں تباہ ہو جائیں اس لیے قرآن کے سب حصوں کو لکھ کر ایک جگہ جمع کرانے کے لیے پوری کوشش کی جیسا کہ آگے فرماتے ہیں)

25 نَادٰى اَبَابَكْرٍ الْفَارُوْقُ خِفْتُ عَلَى الْ قُرَّآءِ فَادْرِكِ الْقُرْاٰنَ مُسْتَطَرَا

ترجمہ : (عمر) فاروق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے (خلیفہ وقت) ابوبکر (صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو پکارا (اور یہ عرض کیا کہ) میں قراء کے حق میں اندیشہ کرتا ہوں (کہ کہیں دوسری جنگوں میں قرآن کے باقی حفاظ بھی شہید نہ ہو جائیں) اس لیے آپ قرآن (کی حفاظت) کا علاج کیجئے حالانکہ آپ (اس کو) لکھنے والے ہوں (یعنی حکم فرما دیجئے تاکہ صحابہ اس کو لکھ کر ایک جگہ جمع کر دیں اور اس سے قرآن کے محفوظ رہنے کی صورت نکل آئے۔ دانی ” فرماتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے جواب میں یہ فرمایا کہ میں وہ کام کس طرح کروں جس کو نہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اور نہ اس کے لیے کوئی حکم دیا۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اصرار کرتے رہے اور یہ کہتے رہے کہ وَاللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ خدا کی قسم یہ بہتر ہے یعنی اس کو بدعت سمجھ کر اندیشہ نہ کیجئے قرآن پر تو دین کا مدار ہے اس کی حفاظت عین دین کی حفاظت ہے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ بھی اسی کے لیے کھول دیا جس کے لیے عمرؓ کا سینہ کھولا تھا یعنی میرے دل میں بھی یہ آگیا کہ یہ کام ضروری ہے اس لیے کاتب وحی زید بن ثابت کو بلایا اور ان کو قرآن کے جمع کرنے کا حکم دیا انہوں نے بھی وہی بات کہی جو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمائی تھی کہ تم دونوں وہ کام کیوں کرتے ہو جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو خود کیا اور نہ اس کے لیے حکم فرمایا ان کے ساتھ بھی بار بار اصرار ہوتا رہا حتیٰ کہ فرماتے ہیں کہ میرا سینہ بھی حق تعالیٰ نے اسی کے لیے کھول دیا جس کے لئے شیخینؓ کا سینہ کھولا تھا غرض جمع کرنے کا کام ان کے سپرد کر دیا گیا اور چونکہ یہ کام بہت بڑی ذمہ داری کا تھا اس لیے زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ فرمایا کہ خدا کی قسم اگر مجھے کسی پہاڑ کے اس کی جگہ سے ہٹانے کا حکم دیتے تو وہ میرے لیے اس سے آسان ہوتا جس اہم کام کا انہوں

نے مجھے حکم دیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔)

26 فَأَجْمَعُوْا جَمْعَهُ فِي الصُّحُفِ وَاعْتَمَدُوْا زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ الْعَدْلَ الرِّضٰى نَظَرًا

ترجمہ: غرض یہ سب (حضرات) اس (قرآن) کے صحیفوں (چھوٹے چھوٹے حصوں) میں جمع کرنے پر متفق (اور ایک رائے) ہو گئے اور (اس بارہ میں) ان سب (صحابہ) نے زید بن ثابت پر اعتماد کیا جو (روایت میں) عادل (اور معتبر اور) نظر (اور فکر) کے لحاظ سے پسندیدہ تھے۔ (زیدؓ دس سال سے وحی کے کاتب تھے موسیٰ جار اللہ فرماتے ہیں کہ یہ قرآن جمع کرنے کے کام کے لیے لائق تر اور اس کے اہل تھے۔ اور اس وقت ان کی عمر بیس سال کی تھی اور صحابہ میں بڑے درجہ کے فقہاء میں سے تھے اور میرا خیال یہ ہے کہ صحابہ میں سے فضل و کمال میں کوئی بھی ان کا مساوی نہیں تھا اور دلیل یہ ہے کہ افضل ترین صحابہ نے بھی ایک رائے ہو کر قرآن جمع کرنے کا اعلیٰ ترین کام انہی کے سپرد کیا اور افضل الدرر میں ہے کہ حضرت زید نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس آخری دور میں بھی حاضر تھے جو آپ نے جبریل علیہ السلام کے ساتھ فرمایا تھا انتہی اور اس سے نکل آیا کہ ان کو ان تمام وجوہ اور آیات کا پورا علم تھا جو اس آخری دور میں بھی باقی رہیں اور منسوخ نہیں کی گئی تھیں)

27 فَقَامَ فِيهِ بِعَوْنِ اللهِ يَجْمَعُهُ بِالنُّصْحِ وَالْجِدِّ وَ الْحَزْمِ الَّذِيْ بَهَرَا

28 مِنْ كُلِّ اَوْجُهِهٖ حَتّٰى اسْتَتَمَّ لَهٗ بِالْاَحْرُفِ السَّبْعَةِ الْعُلْيَا كَمَا اشْتَهَرَا

ترجمہ: سو وہ (حضرت زیدؓ) اس (کام) کے لیے کھڑے (اور مستعد) ہو گئے حالانکہ آپ اس (قرآن) کو اس کی تمام وجوہ سمیت خالص نیتی (خیر خواہی) اور (پوری) کوشش اور اس احتیاط سے جمع کر رہے تھے جن میں سے ہر ایک غالب تھی (یعنی کوشش اور خلوص اور احتیاط کا کوئی دقیقہ بھی باقی نہیں چھوڑا) یہاں تک کہ وہ (قرآن) ان (زید) کے لیے ان سات حروف کے ساتھ پورا ہو گیا جو بلند ہیں (یعنی جن کا ذکر حدیث میں آیا ہے پس سات حروف سے قراء سبعہ کی قراءتیں مراد نہیں ہیں کیونکہ وہ تو ان کا ایک جزو ہیں) جیسا کہ وہ (سات حروف کا ذکر حدیث کی رو سے) مشہور ہو گیا ہے (یعنی مشہور حدیث میں آیا ہے کہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے اور اس بارہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ سات حروف سے مراد کیا ہے پس بعض کی رائے پر معانی اور جمہور کی رائے پر لغات مراد ہیں اور بعض کے قول پر الفاظ کے ادائی اختلاف کے طرق مراد ہیں جو حرکات اور سکنات اور تقدیم و تاخیر وغیرہ کے قبیل سے ہیں اور سات حروف کی تفصیل شرح شاطبیہ کے مقدمہ میں ص ۲۶ تا ۳۸ پر درج ہے جو شرح سبعہ اور نشر سے منقول ہے اور شرح سبعہ میں یہ بحث نہایت دلچسپ پیرایہ میں درج ہے)

شرح: یعنی حضرت زیدؓ نے پوری کوشش اور محنت سے قرآن کو جمع کیا اور ایسے طریق سے کیا کہ جن

سات حروف پر قرآن نازل ہوا ہے وہ سب کے سب اس میں آگئے۔ موسیٰ جار اللہ فرماتے ہیں کہ احرف سبعہ کے ساتھ عُلْیا کی قید یہ بتانے کے لیے لگائی ہے کہ یہاں اس سے سات مشہور قراء تیں جو سات اماموں کی طرف منسوب ہیں مراد نہیں ہیں اور حروف سبعہ میں علماء کا اختلاف ہے اور میرے خیال میں حق اسی میں منحصر ہے کہ ان سے عرب کے لغات کی ادائی وجوہ مراد ہیں اور حدیث میں سات کا عدد سَبْعَۃ اَبْحُرٍ (لقمٰن ع ۳) کی طرح حصر کے لیے نہیں ہے (بلکہ کثرت کے معنی میں ہے) اور اس سے نتیجہ کے طور پر یہ چار باتیں نکلتی ہیں: (۱) سات حروف کے اختلاف سے نظم یا رسم میں اختلاف نہیں ہوتا (یعنی ایسی تبدیلی نہیں ہوتی جس کو مخالفت کہا جا سکے) (۲) قرآن کے کلمات معین اور گنے چنے ہیں ان کے شمار اور مادوں میں بھی حروف سبعہ کے اختلاف سے کوئی اختلاف نہیں ہوتا (۳) جو مصحف حضرت زیدؓ نے حضرت صدیقؓ کے ارشاد سے لکھا تھا۔ نظم و عبارت قرآنی کی رو سے اس میں اور ان مصاحف میں کوئی اختلاف نہیں تھا جو انہی حضرت زیدؓ نے عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے لکھے تھے (۴) یہ جو مشہور ہے کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مصحف میں تو ساتوں حروف تھے اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مصاحف میں ان میں سے صرف ایک حرف تھا اور باقی چھ صحابہ کے اجماع یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دور جبریلی سے منسوخ ہو گئے تھے یہ قول بالکل بے اصل ہے اور کسی دلیل سے بھی اس کی تائید نہیں ہوتی۔

29 فَاَمْسَكَ الصُّحُفَ الصِّدِّيْقُ ثُمَّ اِلَى ‏ ‏ الْفَارُوْقِ اَسْلَمَهَا لَمَّا قَضَى الْعُمُرَا

ترجمہ: سو صدیق (اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے ان صحیفوں کو (اپنے پاس) محفوظ رکھا (جن سے عام مسلمان بھی ضرورت کے وقت کام لیتے رہتے تھے) پھر جب آپ نے (اپنی) عمر پوری کر لی (اس وقت یعنی وفات کے وقت) ان (صحیفوں) کو (حضرت) فاروق کے سپرد کر دیا۔

30 وَعِنْدَ حَفْصَةَ كَانَتْ بَعْدُ فَاخْتَلَفَ الْ ‏ ‏ قُرَّآءُ فَاعْتَزَلُوْا فِيْ اَحْرُفٍ زُمَرَا

ترجمہ: اور (عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے) بعد یہ (صحیفے) حفصہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس رہے (جو آپ کی صاحبزادی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک بیوی تھیں) پھر (قرآن کے) پڑھنے والے (نہ کہ ماہر قراء) چند حروف میں اختلاف کرنے لگے اور گروہ گروہ ہو کر جدا ہو گئے (جس کی صورت یہ ہوئی کہ جو الفاظ تفسیر کے طور پر تھے اور وہ بھی انہوں نے اپنے قرآنوں میں لکھ لئے تھے اور جو وجوہ متواتر طریق سے نہیں پہنچی تھیں وہ بھی شامل تھیں ان کو پڑھتے تھے اور ایک دوسرے سے یہ کہتے تھے کہ میری قراءۃ تمہاری قراءۃ سے عمدہ ہے)

31 وَكَانَ فِيْ بَعْضِ مَغْزَاهُمْ مُشَاهِدَ هُمْ ‏ ‏ حُذَيْفَةُ فَرَاٰى فِيْ خُلْفِهِمْ عِبَرَا

ترجمہ: اور ان کی کسی جنگ میں (یعنی جنگ آرمینیہ میں) ان (اختلاف کرنے والوں) کے ساتھ

(حضرت) حذیفہؓ بھی حاضر تھے پس آپ نے ان کے اختلاف میں عبرتیں دیکھیں (یعنی اختلاف کرتے ہوئے دیکھ کر ان کو یہ خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ لوگ توریت اور انجیل کی طرح قرآن کے الفاظ میں بھی تبدیلیاں کر دیں اس لیے اس کا کچھ انتظام ہو جائے تو بہتر ہو)

32 فَجَآءَ عُثْمَانَ مَذْعُوْرًا فَقَالَ لَهٗ   اَخَافُ اَنْ يَّخْلِطُوْا فَاَدْرِكِ الْبَشَرَا

ترجمہ: سو وہ (حذیفہؓ) گھبرائے ہوئے (اور پریشان) ہونے کی حالت میں عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے پاس آئے اور آپ سے یہ کہا کہ میں اندیشہ کرتا ہوں کہ یہ (لوگ غیر قرآن کو قرآن سے) مخلوط کر دیں۔ (اور ملا جلا دیں) اس لیے آپ مخلوق کا علاج کر دیجئے (اور ایسا انتظام کیجئے کہ اس کی نوبت نہ آئے۔)

فائدہ: موسیٰ جار اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے علماء کی وہ بات پسند نہیں جو انہوں نے مصاحف کے لکھے جانے کی وجہ کے بارہ میں بیان کی ہے (یعنی قرآن کے الفاظ میں اختلاف کرنے کی نسبت صحابہ کی طرف کرنا مناسب نہیں) کیونکہ صحابہ میں سے جو قراء تھے ان کی یہ شان نہیں تھی کہ قرآن کے متواتر الفاظ میں اختلاف کرتے یہاں تک کہ ہر ایک دوسرے کی قراءۃ کا انکار کرتا اور وہ متواتر حروف سے ایسے ناواقف نہ تھے کہ ان میں دوسری وجوہ کو ملا دیتے۔ کیونکہ عصر اول میں امت کو قرآن کی حفاظت کا اہتمام بھی پورا تھا اور قرن اول کے قراء کے لیے قرآن کے حروف متواتر بھی تھے پس اس اہتمام اور تواتر کے پیش نظر یہ کہنا مناسب تر ہے کہ قرآنی الفاظ اور دین کے باقی امور میں اختلاف دین کے دشمنوں کی کوشش کا نتیجہ تھا جو دل سے چاہتے تھے کہ دین میں اختلاف کا فتنہ برپا ہو جائے تاکہ مسلمانوں کی ہمتیں ضروری امور سے ہٹ کر ان جھگڑوں میں مشغول ہو جائیں۔ اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں مصاحف کا لکھا جانا ان فتنوں کے اندیشہ سے نہ تھا کیونکہ قرآن کی شان اس سے بلند تر ہے اس لیے ان کی تدبیریں قرآن کے الفاظ کے مضبوط پہاڑوں کو ان کی جگہ سے نہیں ہٹا سکتیں بلکہ اس لیے لکھوائے تھے کہ معتبر مصاحف زیادہ ہو جائیں اور ان کو اسلامی شہروں کے اطراف میں پھیلا دیا جائے جن کی تعداد لگاتار فتوحات کے سبب بڑھتی جاتی تھی۔

33 فَاسْتَحْضَرَ الصُّحُفَ الْاُوْلَى الَّتِىْ جُمِعَتْ   وَخَصَّ زَيْدًا وَّمِنْ قُرَيْشِهٖ نَفَرَا

ترجمہ: پس ان (عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے (حضرت حفصہؓ کے یہاں سے) وہ پہلے صحیفے (دربار خلافت میں) حاضر کرائے (اور منگوائے) جو (صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں) جمع کئے گئے تھے اور (قرآن کو ایک جلد میں جمع کرنے کے لیے آپ نے بھی حضرت) زیدؓ (ہی) کو اور اپنے قریش میں سے ایک جماعت کو خاص کر دیا (اور وہ حضرات یہ تھے عبداللہ بن عباس، ابی بن کعب، عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہم) (صحیح بخاری کی روایت کے مطابق حضرت زید بن ثابتؓ کی ہمراہی میں عبداللہ بن زبیرؓ، سعید ابن العاصؓ اور عبدالرحمٰن

بن حارث بن ہشامؓ پر مشتمل جماعت نے کام کیا: قاری نجم الصبیح تھانوی)

34 عَلٰی لِسَانِ قُرَیْشٍ فَاکْتُبُوْهُ کَمَا   عَلَی الرَّسُوْلِ بِهٖ اِنْزَالُهٗ انْتَشَرَا

ترجمہ: (اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھنے والوں سے یہ فرمایا کہ) اس (قرآن) کو قریش کے لغت کے موافق لکھو جیسا کہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اسی (لغت) میں اس (قرآن) کا نازل ہونا مشہور ہو گیا ہے (یعنی یہ فرمایا کہ جب کسی لفظ کی کتابت میں آپ حضرات کا اختلاف ہو تو اس کو قریش کے لغت کے موافق لکھنا کیونکہ قرآن اسی لغت میں نازل ہوا ہے چنانچہ اَلتَّابُوْتِ کی تا میں اختلاف ہوا اور معاملہ آپ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا کہ اس کو لمبی تا سے لکھو کیونکہ قریش کے لغت میں یہ تا ہی سے ہے)

فائدہ: موسیٰ جار اللہ فرماتے ہیں کہ اس شعر سے ناظمؒ کا مقصد یہ ہے کہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سات حروف میں سے ایک پر لکھنے کا حکم فرمایا اور باقی چھ کو حذف کرا دیا اور لوگوں کو ان کے پڑھنے سے روک دیا اور اس بارہ میں تقریباً بارہ ہزار صحابہ اور تابعین نے آپ کی موافقت کی۔ اور یہیں سے یہ بات مشہور ہو گئی کہ سات میں سے چھ حروف صحابہ اور تابعین کے اجماع سے منسوخ ہو گئے اور امت پر یہ واجب نہیں کہ ساتوں حروف کو حفظ کرے بلکہ اجازت ہے کہ ان میں سے جس ایک کو چاہے اختیار کرے اور قرن اول میں عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شفقت اور خیر خواہی کے پیش نظر خود اپنے اور لوگوں کے حال پر مہربانی فرماتے ہوئے ایک ہی حرف کو اختیار کر لیا اور باقی چھ کی قراءۃ متروک ہو گئی حتی کہ امت میں ان کا علم بھی باقی نہیں رہا اور ان کے آثار بھی مٹ گئے۔ اور چونکہ وہ حروف پرانے اور ختم ہو گئے ہیں اور کافی زمانہ سے مسلمانوں نے ان کو چھوڑ دیا ہے گو ان کے صحیح ہونے کا انکار کسی نے بھی نہیں کیا نہ کل کا نہ بعض کا اس بناء پر آج کسی کے لیے یہ ممکن نہیں کہ ان کو پڑھ سکے یہ اور لوگوں کی رائے ہے اور میں اپنی رائے پہلے پیش کر چکا ہوں اور وہ یہ ہے کہ آج بھی ساتوں حروف باقی ہیں امید ہے کہ حق تعالیٰ مجھے صحیح راہ کی ہدایت کرے۔

35 فَجَرَّدُوْهُ کَمَا یَهْوٰی کِتَابَتَهٗ   مَافِیْهِ شَکْلٌ وَّلَا نَقْطٌ فَیَحْتَجِرَا

ترجمہ: پس ان (لکھنے والوں) نے اس (قرآن) کو (تفسیری الفاظ اور حرکات اور نقطوں سے اسی طرح) خالی رکھا جس طرح وہ (عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اس (قرآن) کی کتابت کی خواہش رکھتے تھے (کہ) نہ اس (مصحف) میں حرکت تھی اور نہ نقطہ تاکہ یہ دونوں (چیزیں حرکات اور نقطے قراآت کے اختلاف کو) روک دیں (اور دوسری قراءۃ ظاہر نہ ہونے دیں یعنی حرکات نقطہ اس لیے نہیں لگائے تھے کہ اگر یہ دونوں چیزیں ہوتیں تو ان سے صرف ایک ہی قراءۃ ظاہر ہوتی رہی دوسری قراءۃ سو اس کے لیے یہ دونوں چیزیں رکاوٹ بن جاتیں مثلاً یُقْبَلُ میں یا کے نیچے نقطے لکھتے تو اس سے تا والی قراءۃ ظاہر نہ ہوتی اور اسی طرح قَدَرُهٗ میں دال پر زبر لکھتے تو جزم والی قراءۃ

کی گنجائش نہ رہتی اور نقطہ اور حرکات نہ ہونے کی صورت میں یُقْبَلُ اور تُقْبَلُ اور قَدْرُہٗ اور قَدَرُہٗ دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ پس عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد کے موافق کاتبین کا قرآن میں نقطے اور حرکات نہ لگانا اس لیے تھا کہ کتابت میں وسعت اور گنجائش رہے اور ایک ہی کتابت سے تمام قراءتیں نکل سکیں۔ ان حضرات کی عالی شان فہم کے قربان جایئے اور یہ حضرات چونکہ اہل علم تھے اس لیے نقطوں اور اعرابوں کے بغیر بھی عبارت کو بالکل صحیح پڑھتے تھے پھر جب قرآن دور و دراز کے ملکوں میں پھیلا اور علم کی بھی کمی ہو گئی اور اندیشہ ہوا کہ لوگ قرآن کو غلط نہ کر دیں تب نقطے اور حرکتیں لگائی گئیں)

فائدہ ۱: قتادہ تابعی سے منقول ہے کہ نقطہ اور حرکات اور خموس اور اعشار (آیتوں کے پانچ اور دس ہونے) کی علامتیں صحابہ اور تابعین بھی لگاتے تھے۔ دانیؒ فرماتے ہیں کہ لوگ تمام شہروں میں تابعین کے عہد سے ہمارے اس زمانہ تک نقطے اور حرکات لگانے کی اجازت دیتے چلے آئے ہیں جو قرآن اصل الاصول تھے ان میں بھی اور انکے علاوہ دوسرے قرآنوں میں بھی اور سورتوں کے شروع کی اور ان کی آیات کے شمار کی اور اسی طرح خموس و اعشار کے موقعوں میں علامت لگانے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے انتہی اور قرن اول میں ائمہ نے مصاحف کو علامات اور حرکات سے اسی لیے خالی رکھا تھا کہ تمام قراءات کے نکل آنے کی گنجائش رہے اور کچھ عرصہ تک یہی حالت رہی حتی کہ لوگوں میں ایسی صورتیں رونما ہوئیں جن کے سبب نقطہ اور حرکات لگانا ضروری ہو گیا اور سب سے پہلے یہ کام ابو الاسود ظالم بن عمرو بن سفیان نے کیا سو انہوں نے تنوین اور حرکات دو ہی چیزیں مقرر کیں پھر خلیل بن احمد نے تشدید اور ہمزہ اور روم و اشمام کی علامت یہ تین چیزیں جاری کیں اور موسیٰ جار اللہ کی روایت پر یہ کام سب سے پہلے نصر بن عاصم لیثی نے شروع کیا اور ابن سیرین کے پاس ایک قرآن تھا جس میں یحییٰ بن یعمر نے نقطے لگائے تھے اور نقطوں کا طریق پہلے انہیں نے جاری کیا ہے اور یہ تینوں بصرہ کے جلیل القدر تابعین میں سے ہیں۔

فائدہ ۲: اس میں اختلاف ہے کہ ابوبکر اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے جمع کرائے ہوئے قرآن یکساں تھے یا ان میں کچھ فرق تھا اس میں تین قول ہیں (۱) دونوں یکساں تھے اور عثمانی دور میں صرف تعداد بڑھانے کے لیے لکھوائے گئے تھے (۲) پہلے میں آیتیں اور سورتیں مرتب نہیں تھیں اس لیے دوسری بار ترتیب سے لکھی گئیں (۳) پہلے میں ساتوں حروف تھے اور دوسرے میں ان میں سے ایک ہی رکھا گیا اور اس وقت جتنی بھی قراءات امت کے پاس ہیں، جن میں سے دس صحیح ہیں اور چار شاذ ہیں اس قول پر وہ سب ایک ہی حرف میں سے ہیں۔ اور حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو جنگ آرمینیہ وغیرہ میں جدا جدا قراءتیں سنی تھیں۔ غالبًا ان کی وجہ یہ ہوگی کہ جن آیتوں کی تلاوت منسوخ ہو چکی تھی بعض کو ان کی اطلاع نہیں ہوئی تھی اس لیے انہوں نے وہ بھی شامل کر رکھی تھیں اور اسی لیے ایک دوسرے سے مناظرہ کرتے تھے اور اپنی قراءۃ کو دوسرے کی قراءۃ سے افضل بتاتے تھے۔

فائدہ ۳: عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک قول پر پانچ اور دوسرے قول کی رو سے آٹھ قرآن لکھوائے تھے جن کا ذکر ابھی شعر ۳۶ و ۳۷ میں آئے گا اور یہ مصاحف بڑے بڑے کئی شہروں میں تقسیم کرا دیئے تھے اور باقی مصاحف جن جن کے پاس تھے دین کے انتظام کی مصلحت سے ان کے متعلق یہ حکم دے دیا تھا کہ وہ سب جلا دیئے جائیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اس میں اختلاف ہے کہ کیا دور صدیقی کے صحیفہ بھی ان کے ساتھ جلا دیئے گئے تھے سو اس میں دو قول ہیں (۱) ہاں ان کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا گیا تھا (۲) ان کو نہیں جلایا گیا تھا کیونکہ وہ بالکل عثمانی دور والے مصاحف کے موافق تھے اس لیے صرف وہی قرآن ختم کرائے گئے تھے جو ان کے موافق نہ تھے جیسے عبداللہ بن مسعود اور ابی رضی اللہ عنہما کے اور دوسرے حضرات کے وہ قرآن جن میں شاذ قراء تیں اور منسوخ آیتیں بھی درج تھیں۔

36 وَسَارَ فِيْ نُسَخٍ مِّنْهَا مَعَ الْمَدَنِيْ　　كُوْفٍ وَّشَامٍ وَّ بَصْرٍ تَمْلَأُ الْبَصَرَا

ترجمہ: وہ (صدیقی دور کا قرآن کئی) نسخوں میں (ہو کر عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے کئی شہروں کی طرف) روانہ ہو گیا ان (نسخوں) میں سے مدنی (مصحف) سمیت (وہ) شامی اور کوفی اور بصری (مصحف بھی) تھے جو نظر کو (رونق سے) بھر دیتے تھے (یعنی آنکھوں کو خوشنما اور عمدہ معلوم ہوتے تھے اور ان کے دیکھنے سے قرآن کے سچے عاشقوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی تھیں اور مقصد یہ ہے کہ کل پانچ قرآن تیار کئے گئے ایک عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے لیے رکھا اور دوسرا تمام مدینہ والوں کے لیے اور تیسرا شام میں اور چوتھا کوفہ اور پانچواں بصرہ میں بھیج دیا اس تعداد پر تو سب کا اتفاق ہے اور باقی تین جو آئندہ شعر میں آتے ہیں ان میں اختلاف ہے)

37 وَقِيْلَ مَكَّةُ وَالْبَحْرَيْنُ مَعْ يَمَنٍ　　ضَاعَتْ بِهَا نُسَخٌ فِيْ نَشْرِهَا قُطُرَا

ترجمہ: اور بعض نے کہا ہے کہ یمن سمیت مکہ اور بحرین جو ہیں ان (تینوں) میں (بھی قرآنوں کے تین) نسخہ اپنے مشہور ہونے سمیت پھیل گئے تھے حالانکہ وہ (نسخہ خوشبو میں) عود (سے تشبیہ دیئے گئے) تھے (یعنی دوسرے قول پر ایک ایک مصحف ان تینوں شہروں میں بھی بھیجا گیا تھا اور یہ سب مصاحف خوب مشہور اور نہایت عمدہ تھے خلاصہ یہ کہ کل مصاحف ایک قول پر پانچ اور دوسرے کی رو سے چھ اور تیسرے قول پر آٹھ تھے بعض کہتے ہیں کہ مکی مصحف سے تو اماموں نے الفاظ کی رسم نقل کی ہے اس لیے اس سے نکل آتا ہے کہ کل قرآن پانچ تھے اور یمن اور بحرین کے مصحف سے کسی نے بھی کچھ نقل نہیں کیا اس لیے یہ قول ضعیف ہے کہ کل قرآن سات تھے۔ اور موسیٰ جار اللہ کی رائے پر اس سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں کیونکہ ان مصاحف سے رسم کے منقول نہ ہونے کی دو وجوہ ہو سکتی ہیں (۱) ناقلین کو ان کا پتہ ہی نہ چلا ہو کہ کس کے قبضہ میں ہیں (۲) یا پتہ مل گیا ہو لیکن کسی ایسے شخص کے قبضہ میں ہوں جس سے ان کو دستیاب نہ ہو سکے ہوں اور دونوں صورتوں

میں یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ یہ مصاحف روانہ ہی نہیں کئے گئے تھے اور فرماتے ہیں کہ میرے دل کا میلان اس طرف ہے کہ یہ تینوں قرآن بھی موجود ہوں گے کیونکہ صحابہ کا اس پر اجماع ہو جانا بعید ہے کہ ان اطراف کو معتبر مصحف سے محروم رکھا جائے۔)

رسم کے متعلق امام مالکؒ کا ارشاد

38 وَقَالَ مَالِكٌ الْقُرْاٰنُ يُكْتَبُ بِالْ   كِتَابِ الْاَوَّلِ لَامُسْتَحْدِثًا سُطِرَا

ترجمہ: اور (امام) مالک (رحمہ اللہ) نے فرمایا ہے کہ قرآن پہلی ہی کتابت کے موافق لکھا جائے (جس کے مطابق صدیقی اور عثمانی دور میں لکھا گیا تھا) نہ کہ (اس) نئی ظاہر ہونے والی (کتابت) کے موافق جس پر وہ (قرآن اس زمانہ میں) لکھا گیا ہے (یعنی آپ سے دریافت کیا گیا کہ جن الفاظ کی رسم ظاہرا ان کے تلفظ کے خلاف ہے ان کو اسی رسم سے لکھنا ضروری ہے یا قیاسی رسم کے لحاظ سے اس کے تلفظ کے موافق بھی لکھنا درست ہے مثلاً اَنَا کو پہلی رسم میں الف سے لکھا ہے اور وصلاً" اس کو الف کے بغیر پڑھتے ہیں تو کیا اس کو الف ہی سے لکھنا ضروری ہے یا اس کی قراءۃ کے موافق الف کے بغیر بھی لکھ سکتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ قرآن کو پہلی ہی رسم کے موافق لکھنا چاہیے ہاں وہ چھوٹے صحیفہ (سپارہ) اور تختیاں جن میں بچے پڑھتے ہیں ان کو جدید کتابت کے اعتبار سے ان کے تلفظ کے موافق لکھ لینے میں مجھے کوئی تنگی نظر نہیں آتی)

فائدہ: (۱) محققین کی رائے پر قرآن کی رسم توقیفی ہے جس میں رائے کو دخل نہیں اس لیے احتمالی ہو جو تمام قراآت کو شامل ہونے کے لیے ہے خواہ اصطلاحی بعینہ وہی رسم باقی رہنی چاہیے اس میں کسی قسم کی تبدیلی درست نہیں اور گو موسیٰ جار اللہ کی رائے پر اصطلاحی میں تبدیلی کر سکتے ہیں لیکن احقر کے خیال میں احتیاط یہی ہے کہ محققین کی رائے پر عمل کرتے ہوئے اصطلاحی کو بھی بعینہ قائم رکھا جائے کیونکہ یہ زمانہ علمی تنزل کا ہے اگر اصطلاحی میں تبدیلی کی اجازت ہو جائے گی تو دونوں میں تمیز نہ کرنے کے سبب بے علم کاتب احتمالی کو بھی بدل ڈالیں گے۔ (۲) قرآن کا رسم عثمانی ہی کے موافق لکھنا اس لیے واجب ہے کہ اس سے صحابہ والی رسم محفوظ رہتی ہے اور پچھلے لوگوں کو اس کا علم ہو سکتا ہے اور اس کے خلاف لکھنے سے امت کو صحابہ کی رسم سے ناواقف رکھنا لازم آتا ہے (۳) موسیٰ جار اللہ فرماتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ صحابہ کی قائم کی ہوئی رسم کی دو صورتیں ہیں (۱) احتمالی (جو شمول قراآت کے لیے ہو) جیسے مٰلِكِ (فاتحہ) اور وَمَا يُخٰدِعُوْنَ اور فَاَزَلَّهُمَا (بقرہ ع ۲ و ع ۴) اور لِلْكُتُبِ (انبیاء ع ۷) میں الف کا حذف تاکہ مَلِكِ۔ يَخْدَعُوْنَ۔ فَاَزٰلَهُمَا اور لِلْكِتٰبِ والی قراءۃ کی طرف بھی اشارہ ہو جائے اور اسی طرح وہ تمام الفاظ جن میں قراءۃ کا اختلاف نکل سکے اس قسم میں تو رسم کی

پیروی واجب ہے تاکہ رسم ہر اس تلاوت کو شامل رہے جو ثابت ہو چکی ہے (۲) رسم اصطلاحی جس کی علمی وجہ ہم پر ظاہر نہ ہوئی ہو جیسے سَمٰوٰت میں دونوں الفوں کا حذف اور لِشَاْیْئٍ (کہف ع ۴) میں الف کی زیادتی اور شُرَکٰٓؤُا اور اَنْبٰٓؤُا میں ہمزہ سے پہلے الف کا حذف اور ہمزہ کا واؤ کی صورت میں ہونا اور اس کے بعد ایک الف زائد ہونا اور اسی طرح کے اور تمام الفاظ اس قسم میں صحابہ کی رسم کی پیروی واجب نہیں یہ میری رائے ہے اور یہ مسئلہ نہایت شاندار ہے میں حق تعالیٰ سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے اس موضوع پر کتاب لکھنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

اور عز بن عبدالسلام کہتے ہیں کہ رسم کی پابندی صدر اول میں ضروری تھی جبکہ علم ترو تازہ اور زندہ تھا لیکن اس زمانہ میں قرآنوں کا پہلی رسم کے موافق لکھنا جائز نہیں شبہ کے اندیشہ سے بھی اور اس لیے بھی کہ ناواقف لوگ قرآن میں تبدیلی پیدا نہ کر دیں اور جس تفصیل کو ہم نے اختیار کیا ہے وہ خوب تر ہے کیونکہ احتمالی رسم کی پابندی بلا شبہ واجب ہے اور اصطلاحی کی نہیں اور اس تقریر سے ابن خلدون کے اس اعتراض کا جواب نکل آیا کہ عرب صنعت کے سلیقہ اور ملکہ سے بعید (اور محروم) ہیں اور وہ جواب یہ ہے کہ رسم ایک اصطلاحی چیز ہے پس ان کو اختیار ہے کہ اپنی اصطلاح کے موافق جس طرح چاہیں لکھیں اور کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ اپنی اصطلاح کے اعتبار سے ان پر اعتراض کرے گو اس کے لیے اس کی گنجائش ہے کہ اپنے لیے کوئی اور اصطلاح مقرر کر کے اس پر عامل ہو جائے (لیکن اصطلاح میں اعتراض کا کوئی حق نہیں ہے) اور میں یہ دعویٰ تو نہیں کرتا کہ عربوں کو ایسی طبعیتیں حاصل ہیں جن سے وہ ہر صنعت میں ملکہ اور مہارت پیدا کر سکتے ہیں لیکن اس امام کے حال پر تعجب ضرورت کرتا ہوں جو تاریخ کے علم سے بحث کرے اور اس ماہر انسان کی فضیلت کو نظر انداز کر دے جس نے کئی قرآن لکھے ہوں اور ان سب میں ایک ہی قسم کے صحیح اور درست اصول پر عامل رہا ہو اور ان سے ذرا بھی نہ ہٹا ہو اور اپنے اسی بلند ترین دستور پر طویل مدتوں تک جما رہا ہو اور مناسب موقعوں میں مفید اور دقیق نکتوں کی رعایت سے بھی غفلت نہ کرتا ہو اور اس کا پورا اہتمام رکھا ہو اور اس کام سے فارغ ہونے تک بڑی بڑی سختیاں بھی اس پر غالب نہ آسکی ہوں سبحان اللہ! اگر ایسی ہستی بھی علم میں ماہر نہ ہو تو کیا دنیا میں کوئی ماہر باقی رہے گا۔

39 وَقَالَ مُصْحَفُ عُثْمَانٍ تَغَيَّبَ لَمْ ۝ نَجِدْ لَهُ بَيْنَ اَشْيَاخِ الْهُدٰى خَبَرَا

ترجمہ: اور ان (امام مالکؒ) نے (یہ بھی) فرمایا ہے کہ عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا قرآن غائب ہو گیا ہے ہم ہدایت کے شیوخ میں اس کی کوئی خبر نہیں پاتے (یہ وہ قرآن ہے جو آپ کی شہادت کے وقت آپ کی گود میں تھا اور اس پر خون کے چھینٹے بھی لگ گئے تھے چنانچہ محقق جزری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے اس کی زیارت کی ہے اور اس میں خون کا اثر بھی دیکھا ہے یہ قرآن آپ کے بعد آپ کے صاحبزادہ خالد کے پاس رہا پھر ان کی اولاد

میں بھی رہا اور یہ آٹھواں قرآن ہے جو مدنی قرآن کے علاوہ ہے کیونکہ ائمہ رسم کو مدنی اور عثمانی دونوں قرآنوں سے نقل کرتے ہیں نیز ناظمؒ بعض جگہ مدنی مصحف کا بھی نام لیتے ہیں اور اس کے ساتھ امام کا بھی اور یہ دلیل ہے اس پر کہ یہ دو ہیں اور عثمانی مصحف کو امام کہتے ہیں لیکن موسیٰ جار اللہ کی رائے اس کے خلاف ہے وہ مدنی کو امام کہتے ہیں اور اس کی دو وجوہ بتائی ہیں (ا) عثمانی مصحف عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات کے ساتھ مخصوص تھا پھر امام کیونکر ہو سکتا ہے وہ تو عام ہونا چاہیے (۲) امام مدینہ میں اب بھی بلاشک موجود ہے اور عثمانی مصحف کے بارہ میں خلاف ہے کہ وہ ہے یا نہیں)

فائدہ: اس بیان سے جو شعر۲۶ تا ۳۹ میں مذکور ہے ثابت ہو گیا کہ زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن کے جمع کرنے کا اہتمام فرمایا اور موصوف نے امت کے لیے نو قرآن لکھے ایک صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے اور آٹھ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان سے پس یہ وہ بلند ترین انسان ہیں جن کے ذریعہ حق تعالیٰ نے اس امت پر احسان فرمایا ہے اور انہیں نے اپنی علمی خدمت اور کوشش کے ذریعہ اس امت کو سب سے زیادہ نفع پہنچایا۔ چنانچہ امت کے لیے اس کی کتاب کو محفوظ کر دیا اور ان سب کی طرف سے ان کا اہم ترین فرض ادا کیا۔ لیکن امت نے ان کی اس خدمت کی قدر کا حق ادا نہیں کیا اور ان مصاحف کے محفوظ رکھنے کی کوشش نہیں کی اس لیے وہ ضائع ہو گئے اور ان میں جو کچھ تھا امت اسے بھول گئی (جار اللہ)

40 اَبُوْعُبَيْدٍ اُوْلُوْا بَعْضِ الْخَزَائِنِ لِيْ ۔۔۔ اِسْتَخْرَجُوْهُ فَاَبْصَرْتُ الدِّمَآ اَثَرَا

ترجمہ: ابو عبید (قاسم بن سلام نے فرمایا) کہ (کتب کے) ذخیرہ والوں میں سے بعض نے اس (عثمانی مصحف) کو میرے (دیکھنے کے) لیے (کتب خانہ میں سے) نکالا تو میں نے (اس میں) خونوں کا اثر دیکھا (یعنی ایک کتب خانہ میں مجھے وہ قرآن مل گیا تھا تو میں نے اس میں بہت سے مقامات میں خون لگا ہوا دیکھا اور سورۂ نجم میں زیادہ دیکھا یہ خون آپ کی شہادت کے وقت جسم اطہر سے نکلا تھا کیونکہ جب باغیوں نے آپ کو شہید کیا تھا اس وقت آپ تلاوت فرما رہے تھے لیکن یہ پتہ نہیں چلا کہ ان کتب خانہ والے صاحب کا نام کیا تھا اور یہ کس شہر میں تھے نہ یہ کہ ابو عبید رحمہ اللہ نے اس قرآن کو ایک مرتبہ دیکھا یا کئی مرتبہ یا آزادی سے جب چاہتے تھے تب ہی دیکھ لیتے تھے اگر یہ ثابت ہو جائے کہ موصوف نے ایک بار یا کئی بار اس کا مطالعہ فرمایا تھا تو علماء کا ابو عبید کی اس روایت کا انکار کرنا درست نہ ہوگا کہ موصوف نے عثمانی مصحف میں وَلَا تَحِيْنَ میں تا کو حِيْنَ سے متصل دیکھا ہے کیونکہ ان حضرات نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ہم نے مصحف کی زیارت کی ہے اور تا کو منفصل دیکھا ہے اگر یہ صورت ہوتی تو ان کا یہ انکار رسم کا مشاہدہ کر لینے کی بناء پر صحیح ہو سکتا تھا (جار اللہ)

41 وَرَدَّهٗ وَلَدُ النَّحَّاسِ مُعْتَمِدًا ۔۔۔ مَاقَبْلَهٗ وَاَبَاهُ مُنْصِفٌ نَّظَرَا

ترجمہ: اور نحاس کے صاحبزادے (ابو جعفر) نے (ابو عبید کے) اس (قول) کا (کہ انہوں نے مصحف عثمانی کی

زیارت کی ہے) رد کیا ہے حالانکہ وہ (ابو جعفر اس رد کے بارہ میں امام مالک کے) اس (قول) پر اعتماد کرنے والے ہیں جو (ابو عبید کے) اس (قول) سے پہلے ہے (اور شعر ۳۹ میں گذر چکا ہے یعنی ابو جعفر جنہوں نے مفید مفید کتابیں لکھی ہیں فرماتے ہیں کہ ابو عبید کا یہ دعویٰ صحیح نہیں کہ انہوں نے عثمانی مصحف کو دیکھا ہے اور دلیل یہ ہے کہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ وہ غائب ہو گیا ہے اور ہمیں اس کا کوئی پتہ نہیں ملا۔ اگر یہ قول صحیح ہے اور یقیناً صحیح ہے تو پھر ابو عبید نے کہاں سے دیکھ لیا) اور نظر (اور فکر) کی رو سے انصاف کرنے والے (عالم) نے (ابو جعفر کے) اس (رد) کا انکار کیا ہے (یعنی غور سے کام لینے والے محقق نے یہ فرمایا ہے کہ امام مالک کے قول کو دلیل بنا کر ابو جعفر کا ابو عبید کے قول کو رد کر دینا صحیح نہیں کیونکہ امام مالک رحمہ اللہ نے یہی تو فرمایا ہے کہ ہمیں اس کا پتہ نہیں لگا نہ یہ کہ وہ ضائع ہو گیا ہے پھر اس سے یہ کیسے لازم آگیا کہ اب وہ مصحف کسی کو مل ہی نہیں سکتا چنانچہ آئندہ شعر میں اسی دلیل کو بیان فرماتے ہیں)

42 اِذْلَمْ یَقُلْ مَالِکٌ لَآ حَتْ مَهَالِکُهٗ مَالَایَفُوْتُ فَیُرْجٰی طَالَ اَوْ قَصُرَا

ترجمہ: (اس مصنف نے ابو جعفر کے رد کا انکار) اس لیے (کیا ہے) کہ (امام) مالکؒ نے یہ نہیں فرمایا کہ اس (عثمانی قرآن) کے ضائع ہونے کے اسباب ظاہر ہو چکے ہیں (پس جب ضائع نہیں ہوا تو) جو چیز ضائع نہ ہو اس (کے ظاہر ہونے) کی امید کی جاتی ہے (عام ہے کہ اس کو غائب ہوئے) زیادہ زمانہ گزر جائے یا کم گزرے (پس امام مالکؒ اور ابو عبید دونوں ہی کے قول صحیح ہیں اور ایک کو صحیح قرار دے کر دوسرے کو غلط ٹھہرانا بے دلیل ہے)

فائدہ: ابو جعفر احمد بن محمد النحاس النحوی المصری متوفی ۳۳۸ھ ہیں کسی نے ان کے متعلق یہ سنا کہ دریائے نیل کے کنارہ پر بال کاٹ رہے ہیں اس نے یہ خیال کر لیا کہ یہ نیل پر جادو کر رہے ہیں تاکہ اس کا پانی خشک ہو جائے اس لیے اس نے آپ کو دریا میں گرا دیا سو نیل ان کو بہا کر لے گیا پھر کوئی خبر نہیں ملی۔

43 وَبَیْنَ نَافِعِهِمْ فِیْ رَسْمِهِمْ وَ اَبِیْ عُبَیْدِ اِلْخُلْفُ فِیْ بَعْضِ الَّذِیْ اَثَرَا

ترجمہ: اور ان (اہل رسم) میں کے نافع کے اور ابو عبید کے درمیان ان کی رسم میں (یعنی) اس کے بعض حصہ میں (ان دونوں کا) خلاف (بھی) ہے (جس کو) ان دونوں نے نقل کیا ہے (یعنی بعض موقع ایسے بھی ہیں جن کی رسم ابو عبید نے ایک طرح اور امام نافع نے دوسری طرح بتائی ہے اور دونوں صحیح ہیں پس ایسا نہ کرنا کہ ان میں سے ایک کے قول کو صحیح مان کر دوسرے کے قول کو رد کر دو جیسا کہ آئندہ شعر میں فرماتے ہیں)

44 وَلَا تَعَارُضَ مَعْ حُسْنِ الظُّنُوْنِ فَطِبْ صَدْرًا رَّحِیْبًا بِمَا عَنْ کُلِّهِمْ صَدَرَا

ترجمہ: اور حسن ظن (عمدہ گمان) کے ساتھ کوئی اختلاف نہیں (رہتا یعنی اگر کسی کو بدگمانی کا مرض نہ ہو تو

وہ علماء کے اقوال کو اختلاف اور جھگڑے پر محمول نہیں کر سکتا بلکہ حسن ظن کے سبب یہ سمجھ لے گا کہ ایک عالم کو اس طرح اور دوسرے کو دوسری طرح روایت پہنچی ہوگی) پس تو کشادہ سینہ کے اعتبار سے اس (رسم) پر خوش ہو جا جو ان (اماموں) میں کے ہر ایک سے ظاہر ہوئی ہے (اور تمام اقوال کو درست اور صحیح سمجھ لے)

شرح: امام نافع رسم کو مدنی مصحف سے نقل کرتے ہیں اور ابو عبید عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قرآن سے پس چونکہ ان دونوں میں بعض جگہ فرق بھی ہے اس لیے دونوں کی روایتوں میں اختلاف بھی ہو جاتا ہے اور یہ واضح رہے کہ اہل رسم میں سے ہر ایک میں تمام کے تمام مصاحف کے مطالعہ کے بعد رسم کو نقل نہیں کیا ہے بلکہ جس کو جو مصحف ملا اس نے اسی میں سے نقل کر دیا اور بعض جگہ سب روایتیں متفق بھی ہوتی ہیں اور اس بارہ میں ناظم کی اصطلاح یہ ہے کہ جس جگہ رسم کی نسبت نافع' ابو عبید' نصیر وغیرہ کسی امام کی طرف کرتے ہیں وہاں تو مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس مقام میں روایت اسی امام سے آئی ہے دوسرے اس بارہ میں خاموش ہیں اسلیے ان کو بھی انہی کے ساتھ متفق سمجھنا چاہیے اور جس جگہ کسی مصحف کی طرف نسبت کرتے ہیں وہاں مطلب یہ ہوتا ہے کہ دوسرے قرآنوں میں اس کے خلاف دوسری طرح ہے مثلاً وَبِالزُّبُرِ شامی میں با سے ہے پس نکل آیا کہ باقی مصاحف میں وَالزُّبُرِ ہے با کے بغیر۔

فائدہ: نافع قراء سبعہ میں سے پہلے امام ہیں آپ نے ۱۶۹ھ میں مدینہ میں وفات پائی باقی حالات شرح سبعہ اور شرح شاطبیہ میں درج ہیں۔ ابو عبید قاسم بن سلام تمام اسلامی علوم میں بڑے درجہ کے امام تھے انہوں نے قراءۃ میں سب سے پہلے کتاب لکھی اور غریب احادیث کی تفسیر کی۔ اسحاق بن راہو یہ کہتے ہیں کہ علم میں ہم سب پر فائق تھے اور سب سے زیادہ ادیب اور علوم کے جامع تھے ہم سب علوم میں ان کے محتاج تھے اور ان کو ہماری حاجت نہ تھی ثعلب کہتے ہیں کہ اگر یہ بنی اسرائیل میں ہوتے تو حبر ہوتے۔ ابراہیم حربی کہتے ہیں کہ گویا آپ ایک پہاڑ تھے جس میں روح پھونک دی گئی تھی۔ ہیبت اور وقار والے تھے اور امین تھے روایات کے بارہ میں معتبر تھے دین کے امور میں کسی نے کبھی بھی ان پر اعتراض نہیں کیا ۱۵۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۲۴ھ میں ستر سال کی عمر میں مکہ یا مدینہ میں وفات پائی رحمہ اللہ۔

45 وَهَاكَ نَظْمَ الَّذِيْ فِيْ مُقْنِعٍ عَنْ اَبِيْ عَمْرٍو وَّفِيْهِ زِيَادَاتٌ فَطِبْ عُمُرَا

ترجمہ: اور تو اس (مضمون) کی نظم کو لے لے جو مقنع میں ابو عمرو (دانیؒ) سے ہے (یعنی میں نے اس قصیدہ میں دانیؒ کی مقنع کے مسائل کو نظم کیا ہے) اور اس (نظم) میں زیادات بھی ہیں (جو مقنع میں نہیں ہیں اور چونکہ لفظ زیادات میں عمر کی زیادتی کی طرف بھی اشارہ ہو گیا اس لیے فرماتے ہیں کہ جب اس میں زیادات بھی ہیں) تو تو عمر کے لحاظ سے خوش ہو جا (یعنی اللہ کرے تیری عمر نہایت خوشی اور شادمانی اور علمی لذتوں سے مالا مال ہونے کی حالت میں گزرے)

شرح: مقنع رسم میں ہے اور دانیؒ کی تصنیف ہے نیز آپنے نقاط المصحف کے علم پر ایک بڑی کتاب لکھی ہے جس کا نام محکم ہے اور ناظمؒ کے اکثر قصیدے دانیؒ ہی کی کتابوں سے ماخوذ ہیں۔

النحو و العربیہ: شعر ۲۱ (۱) عُلًا مصدر ہے جو صفت کے معنی میں ہے اور اس میں صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہے اَیِ الْحَیَاۃِ الْعُلْیَا (۲) مُبْتَدِرًا۔ اَلصَّحَابَۃ سے حال ہے۔ ای حَالَ کَوْنِ کُلِّ وَاحِدٍ مِّنْھُمْ یَسْبِقُ الْاٰخَرَ اِلَی الْحِفْظِ شعر ۲۲ عَرْضَتَیْنِ۔ قُرْاٰ کا مفعول مطلق ہے کیونکہ یہ قِرْاٰتَیْنِ کے معنی میں ہے اور قُرَا میں ہمزہ کو وقفا" ساکن کر کے الف سے بدل لیا ہے شعر ۲۳ اِذْ زَمَنٍ سے بدل البعض ہے شعر ۲۶ فَاَجْمَعُوا جَمْعَہٗ ای فَعَزَمُوْا عَلٰی جَمْعِہٖ شعر ۳۶ فَیَحْتَجِرَا تثنیہ ہے اور چونکہ یہ نفی کا جواب ہے اور اس پر فا بھی ہے اس لیے اَنْ مقدرہ کے سبب اس کا نون حذف ہو گیا اور اِحْتَجَرْتُ الْاَرْضَ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی اپنی زمین پر منارہ بنا کر دوسروں کو اس میں آنے سے روک دے شعر ۳۷ قُطْرًا عو کے معنی میں ہے اور نَشْرِھَا کی ھَا سے حال ہے اور طا کے ضمہ سے اطراف کے معنی میں بھی آتا ہے لیکن چونکہ یہاں طا کا فتحہ ہے اس لیے دوسرے معنی میں نہیں لے سکتے شعر ۳۸ لَا مُسْتَحْدِثًا سُطِرًا ای لَا یُکْتَبُ کَتْبًا مُسْتَحْدِثًا مَسْطُوْرًا فِیْ ھٰذَا الزَّمَانِ عَلٰی وَفْقِ التَّلَفُّظِ پس مُسْتَحْدِثًا مفعول مطلق کَتْبًا مقدر کی پہلی اور سُطِرًا دوسری صفت ہے شعر ۴۰ (۱) اَبُوْ عُبَیْدٍ قَالَ مقدر کا فاعل ہے (۲) اُوْلُوْا بَعْضِ الْخَزَائِنِ کی اصل بَعْضُ اُوْلِی الْخَزَائِنِ ہے (۳) اَثْرًا۔ اَلذِّمَا سے تمیز ہے شعر ۴۱ مَاقَبْلَہٗ سے پہلے عَلٰی مقدر ہے اور باقی تمام اشعار کی ترکیب ترجمہ میں غور کرنے سے سمجھ میں آ سکتی ہے۔

بَابُ الْاِثْبَاتِ وَالْحَذْفِ وَغَیْرِھَا مُرَتَّبًا عَلَی السُّوَرِ

پہلا باب اثبات اور حذف وغیرہ کے بیان میں جو سورتوں کی ترتیب سے ہے

شرح: یعنی اس باب میں قرآنی الفاظ کو سورتوں کی ترتیب سے لائیں گے کہ پہلے فاتحہ کے پھر بقرہ کے الفاظ میں حذف و اثبات بتائیں گے اور قرآن کے آخر تک اسی طرح کریں گے اور اس باب کے چار حصہ ہیں اور یہ فرش الحروف کے مرتبہ میں ہے کیونکہ اس میں وہی حذف و اثبات بیان کیا ہے جس کے لیے قاعدہ کلیہ نہیں بنایا جا سکتا۔ پس یہاں ناظمؒ نے شاطبیہ کا عکس کیا ہے کہ فرش کو اصول سے پہلے لائے ہیں۔

فائدہ: اسم کا ہمزہ وصلی صرف بسم اللہ میں کتابت سے محذوف ہوتا ہے اور یہ قاعدہ سورتوں کے شروع کی بسم اللہ کو بھی شامل ہے اور اس بسم اللہ کو بھی جو ہود (ع ۴) اور نمل (ع ۲) میں ہے اسی لیے بِاسْمِ رَبِّکَ، بِئْسَ الْاِسْمُ، سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ میں ہمزہ ثابت ہے اور اللہ اور اَلرَّحْمٰن کا الف اختصار کے سبب کسی جگہ بھی

لکھا جاتا۔

مِنْ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ اِلٰى سُوْرَةِ الْاَعْرَافِ

پہلا حصہ سورۂ بقرہ سے اعراف (کے شروع یعنی انعام کے ختم) تک

(اس میں تیئس شعر ہیں)

46\1 بِالصَّادِ كُلٌّ صِرَاطٍ وَّالصِّرَاطِ وَقُلْ بِالْحَذْفِ مُلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ مُقْتَصِرًا

ترجمہ: صِرَاطٍ اور اَلصِّرَاطَ کے تمام (الفاظ یعنی عام ہے کہ صِرَاط پر آلْ ہو یا نہ ہو) صاد سے (لکھے جاتے) ہیں (اور یہ لفظ اصل لغت میں تو سین ہی سے ہے رہا صاد سے ابدال سو وہ اس لیے ہے کہ بعض لغات میں خاء طاء غین کے قریب ہونے کی صورت میں سین کو صاد سے بدل لیتے ہیں اور صِرَاطَ کو صاد سے لکھنا اس مصلحت سے ہے کہ اصل کے خلاف رسم کو دیکھ کر ذہن اس طرح منتقل ہو جائے کہ اس میں دوسری قراءۃ اصل کے موافق سین سے بھی ہوگی اور اگر سین سے لکھتے تو چونکہ وہ اصل کے موافق ہوتا اس لیے اس سے صاد والی قراءۃ کی طرف ذہن منتقل نہ ہوتا اور یہ ایسی باریک بات ہے جو ہر ایک کاتب کی سمجھ میں نہیں آسکتی یہ صحابہ ہی کی شان تھی کہ انہوں نے رسم میں ایسی باریکیوں کی رعایت رکھی ہے پس صاد والی قراءۃ رسم کے اور سین والی اصل کے موافق ہے اور اشمام میں رسم و اصل دونوں کی رعایت ہے) اور تو کہہ دے کہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (میم کے بعد والے الف کے) حذف سے (لکھا ہوا) ہے حالانکہ یہ (حذف مٰلِكِ کے اسی مقام پر) کوتاہ (اور ختم) ہو جانے والا ہے (یعنی مٰلِكِ میں الف کا حذف یقینی طور پر اور بالاجماع تو صرف فاتحہ والے میں ہے اور یوں دانیؒ نے مٰلِكَ الْمُلْكِ (آل عمران ع ۳) میں بھی اور ایک روایت پر مٰلِكِ میں تمام قرآن میں الف کا حذف بتایا ہے لیکن یہ اجماعی نہیں ہے (اور فاعل کے وزن والا لفظ اگر عَلَم ہو جیسے صٰلِح تو اس میں ہر جگہ الف محذوف ہے اور اگر عَلَم نہ ہو تو اس میں سے صرف مٰلِكِ فاتحہ اور آل عمران میں اور ان خاص الفاظ میں حذف ہے جن میں سے بعض کو فروش میں اور بعض کو اصول میں بیان کریں گے اور فاتحہ کے مٰلِكِ میں حذف شمول قراءۃ کے لیے ہے تاکہ اشارہ ہو جائے کہ اس میں دوسری قراءۃ الف کے حذف سے بھی ہے اور آل عمران والے میں صرف اختصار کی بناء پر ہے اور گو مقنع میں آل عمران والے کا ذکر بھی ہے لیکن ناظمؒ نے اس کو یا تو سہو کی بناء پر بیان نہیں کیا یا اس لیے کہ اس میں حذف قطعی نہیں ہے اور اس بات کو ہر جگہ یاد رکھنا چاہیے کہ جس لفظ میں حذف بیان کیا جائے اگر اس میں دوسری قراءۃ حذف سے بھی ہو تو یہ حذف شمول قراءۃ کے لیے ہوگا ورنہ اختصار کی بناء پر ہوگا اس کا فیصلہ ناظرین کو خود کرنا چاہیے بار بار بیان نہیں کیا جائے گا)

بقرہ

47\2 وَاحْذِفْهُمَا بَعْدُ فِي ادّٰارَأْ تُمْ وَمَسَا   كِيْنَ هُنَا وَ مَعًا يُخٰدِعُوْنَ جَرٰى

ترجمہ : اور تو فَادّٰرَءْ تُمْ (بقرہ ع ۹) میں (اس کے پہلے الف کے) بعد (جو فا سے متصل ہے اور ہمزۂ وصلی کی صورت ہے) ان دونوں (الفوں) کو حذف کر دے (جن میں سے پہلا دال کے بعد ہے اور تفاعل کا الف ہے اور دوسرا را کے بعد ہے اور ہمزہ کی صورت ہے کیونکہ ہمزۂ ساکنہ اپنے سے پہلے حرف کی حرکت کے موافق حرف علت کی صورت میں لکھا جاتا ہے اور چونکہ یہ زبر کے بعد ہے اس لیے اگر لکھا جاتا تو الف کی صورت میں ہوتا) اور یہاں (بقرہ ع ۲۳ میں) مَسٰكِيْنَ (کے الف کو بھی حذف کر دے) اور (بقرہ ع ۲ میں) يُخٰدِعُوْنَ (بھی) دونوں جگہ (قرآنوں میں الف کے حذف ہی سے) جاری (اور مستعمل) ہوا ہے (پس فَادّٰرَءْ تُمْ میں فا کے بعد والا الف جو ہمزہ وصلی کے بجائے ہے وہ تو ثابت ہے کیونکہ یہ تلفظ سے محذوف ہے اس بناء پر اس پر دلالت کرنے کے لیے رسم میں باقی رکھا گیا اور باقی دونوں الف اصطلاح کے طور پر یعنی اختصار کے سبب محذوف ہیں اور مَسٰكِيْنَ ہر جگہ الف کے بغیر ہی ہے جیسا کہ آئندہ باب کے شعر ۴ میں آئے گا اور یہ کلیہ ہے کہ جو جمع مفاعل یا مفاعیل کے وزن پر ہو اس کا الف محذوف ہوتا ہے لیکن بقرہ ع ۲۳ کے مَسٰكِيْنَ میں حذف شمول کے لیے ہے اور اسی لیے اس کو یہاں بیان کیا ہے اور مائدہ ع ۱۳ میں دونوں وجہوں کے جمع کرنے کی غرض سے یہی مَسٰكِيْنَ بعض قرآنوں میں حذف سے ہے اور بعض میں اثبات سے اور عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مائدہ ع ۱۲ میں اجماعاً محذوف ہے اس بناء پر کہ عَشَرَةِ کی تمیز جمع ہی آتی ہے اس لیے یہاں شبہ کا اندیشہ نہیں تھا اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ بڑے درجہ کے فقیہ اور نہایت بیدار مغز تھے اور باقی مقامات کے مَسٰكِيْنُ میں حذف اصطلاحی ہے اور يُخٰدِعُوْنَ تین جگہ ہے (۱ و ۲) بقرہ ع ۲ میں (۳) نساء ع ۲۱ میں اور تینوں ہی الف کے بغیر ہیں درمیانی میں حذف شمول کے لیے ہے اور واجب ہے اور باقی دو میں اختصار کی بناء پر ہے اور ناظمؒ نے نساء والے کو سہواً ترک کر دیا ہے)

48\3 وَقٰتِلُوْهُمْ وَافْعَالُ الْقِتَالِ بِهَا   ثَلَاثَةٌ قَبْلَهٗ تَبْدُوْ لِمَنْ نَظَرَا

ترجمہ : اور وَقٰتِلُوْهُمْ (بقرہ ع ۲۴) اور (اسی سورۃ اور اسی رکوع میں) قِتَال (کے مصدر) کے صیغہ بھی (الف کے حذف ہی سے ہیں اور یہ صیغہ) تین ہیں جو اس (وَقٰتِلُوْهُمْ) سے پہلے اس (شخص) کے لیے ظاہر ہو جاتے ہیں جو (قرآن میں) نظر کرے (اور دیکھے یعنی بقرہ ع ۲۴ میں وَقٰتِلُوْهُمْ اور اس سے پہلے تین صیغہ (وَلَا

تُقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ) چاروں الف کے بغیر ہیں اور ان میں سے وَقٰتِلُوْهُمْ میں حذف اختصار کی اور باقی تین میں شمول کی بناء پر ہے اور قتال کے صیغہ کہہ کر وَاقْتُلُوْهُمْ اور فَاقْتُلُوْهُمْ کو نکال دیا جو اسی آیت کے شروع اور آخر میں ہیں جس میں وہ تین صیغہ ہیں کیونکہ یہ دونوں قتل سے ہیں نیز الف کا حذف اس کے وجود کی فرع ہے جب ان دونوں کلمات میں اصل سے الف ہے ہی نہیں تو پھر حذف کے کیا معنی)

49\4 هُنَا وَيَبْصُطُ مَعْ مُصَيْطِرٍ كَذَا الْـ ـمُصَيْطِرُوْنَ بِصَادٍ مُّبْدَلٍ سُطِرَا

ترجمہ : یہاں (بقرہ ع ۳۲ میں) وَيَبْصُطُ جو بِمُصَيْطِرٍ (غاشیہ) سمیت ہے اور اسی طرح اَلْمُصَيْطِرُوْنَ (طور ع ۲ تینوں سین سے) بدلے ہوئے صاد سے ہیں یہ (تینوں میں سے ہر ایک قرآنوں میں صاد ہی سے) لکھا گیا ہے (اور هُنَا کی قید سے يَبْسُطُ الرِّزْقَ نکل گیا کیونکہ وہ اجماعاً سین سے ہے اور یہ تینوں صِرَاطَ کی طرح ہیں کہ ان میں صاد والی قراءۃ رسم سے اور سین والی اصل سے نکلتی ہے اور اشمام جو آخری دو میں ہے اس میں دونوں کی رعایت ہے اور اسی طرح بَصْطَةً (اعراف ع ۹) بھی صاد ہی سے ہے جیسا کہ آگے آئے گا اور ان میں صاد سے ابدال پر حرف یعنی طا کے قریب ہونے کی بناء پر ہے)

50\5 وَفِي الْاِمَامِ اهْبِطُوْا مِصْرًا بِهِ اَلِفٌ وَقُلْ وَمِيْكَالَ فِيْهِ حَذْفُهَا ظَهَرَا

ترجمہ : اور اِهْبِطُوْا مِصْرًا (بقرہ ع ۷ جو ہے) اس میں (مصحف) امام میں (اور اسی طرح باقی قرآنوں میں را کے بعد) الف ہے (جو نصب کی تنوین کی صورت ہے کیونکہ یہ تمام متواتر اور صحیح قراتوں کی رو سے منصرف ہے اس بناء پر کہ اس سے غیر معین شہر گاؤں کا مقابل مراد ہے صرف حسن اور اعمش اور ابان بن ثعلب کی شاذ قراءۃ پر غیر منصرف ہے کیونکہ ان کی رائے پر اس سے خاص شہر یعنی فرعون کا مصر مراد ہے اور اس کے علاوہ باقی چاروں جگہ مِصْرَ اجماعاً الف کے بغیر ہے اور غیر منصرف ہے) اور تو کہہ دے کہ وَمِيْكٰلَ (بقرہ ع ۱۲ جو ہے) اس (امام) میں اس (کے الف) کا (بھی) حذف (ہی) ظاہر ہوا ہے (یعنی ابو عبید کی روایت کی رو سے عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مصحف میں مِصْرًا میں الف ثابت ہے اور باقی قرآنوں میں بھی الف ہی سے ہے پس یہاں امام کی قید احتراز کے لیے نہیں ہے اور وَمِيْكٰلَ باقی مصاحف کی طرح امام میں بھی الف کے بغیر ہے پس اس میں کاف سے پہلے اور اس کے بعد یا لکھی ہوئی ہے یعنی وَمِيْكٰيِلَ ہے اور جو یہ چاہے کہ ایک ہی رسم سے اس کی تینوں قراءتیں نکل آئیں اس کے لیے اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ اس کو اسی شکل میں لکھے پس وَمِيْكٰلَ والی قراءۃ پر کاف کے بعد والی یا الف کی صورت ہے اور وَمِيْكٰئِلَ والی پر الف محذوف ہے اور یا ہمزہ کی صورت ہے اور وَمِيْكٰئِيْلَ والی قراءۃ پر الف اختصار کی اور ایک یا تماثل کی بناء پر محذوف ہے اور جو یا باقی ہے وہ یا تو ہمزہ کی صورت ہے یا خود یا کی اور ثانی اولیٰ ہے۔)

5116 وَنَافِعٌ حَيْثُ وَاعَدْنَا خَطِيْئَتُهُ وَالصّٰعِقَةُ الرِّيْحِ تَفْدُوْهُمْ هُنَا اعْتَبَرَا

ترجمہ: اور نافع نے (بھی اس شعر کے پانچوں کلمات میں الف کے حذف کا) اعتبار کیا ہے (اور اس کو روایت کیا ہے) (۱) وٰعَدْنَا (میں) جس جگہ (بھی آئے جو بقرہ ع ٦ و اعراف ع ١٧ و طٰہٰ ع ۴ میں ہے) (۲) خَطِيْئٰتُهُ (بقرہ ع ۹ میں جمع والی قراءۃ پر اس میں طا اور ھا کے درمیان دو شوشہ ہیں جن میں سے پہلا یا کا ہے اور دوسرا تا کا اور ہمزہ ساکن کے بعد ہونے کی بناء پر اور الف شمول کی غرض سے محذوف ہے اور خَطٰيٰكُمْ بقرہ (ع ٦) میں دوسرا الف تو اجماعاً" محذوف ہے کیونکہ اگر اس کو لکھتے تو یا سے بدلا ہوا ہونے کے سبب یا کی صورت میں لکھتے اور تماثل کے سبب پھر بھی حذف ہی کرنا پڑتا رہا پہلا الف سو وہ اکثر مصاحف میں محذوف ہے اور ابو عبید کی روایت پر امام میں دونوں الفوں کے بغیر ہے پس اس میں طا اور کاف کے درمیان صرف ایک شوشہ ہے جو پہلی یا کا ہے اور خَطٰيٰنَا اور خَطٰيٰهُمْ اور خَطٰيٰكُمْ کا بھی یہی حکم ہے) (۳) اور اَلصّٰعِقَةُ (۴) (وَتَصْرِيْفِ) الرِّيٰحِ (دونوں میں) یہاں (بقرہ ع ٦ و ع ۲۰ میں اور گو ان دونوں میں الف کا حذف کلیہ کے طور پر ہے اور ہر جگہ ہے لیکن بقرہ کے اَلصّٰعِقَةُ اور الرِّيٰحِ میں یہ خصوصیت ہے کہ ان میں حذف نافع کی صریح روایت سے بھی آیا ہے اور ان دونوں کے ساتھ هُنَا کی قید اسی خصوصیت کی وجہ سے ہے پس اَلصّٰعِقَةُ میں تو چاروں جگہ حذف ہے یعنی بقرہ ع ٦ میں بھی اور نساء ع ۲۲ اور ذاریات فصلت ع ۲ میں بھی اور اَلرِّيٰحَ میں حجر ع ۲ و کہف ع ٦ و فرقان ع ۵ ان تین میں تو اثبات و حذف دونوں ہیں اور باقی آٹھ میں صرف حذف ہے اور واضح رہے کہ جن الفاظ میں نافع کی روایت سے کسی خاص سورت میں حذف بیان کیا ہے اس سے مقصد یہ ہے کہ ان موقعوں میں حذف نافع کی روایت سے بھی ہے جس سے مزید تائید ہو گئی اور یہ مقصد نہیں کہ دوسری سورتوں میں ان الفاظ میں نافع کی روایت سے اثبات ہے کیونکہ بعض صورتوں میں حذف کلیہ کے طور پر بھی ہے چنانچہ اصول میں آئے گا کہ دو لاموں کے درمیان والے الف کا اور مَفٰعِل اور مَفٰعِيْل کے اور جمع مذکر سالم اور جمع مونث سالم کے الف کا حذف کلیہ کے طور پر ہے اور اسی لیے ان الفاظ میں سے بعض میں نافع ہی کی روایت سے دوسری سورتوں میں بھی حذف بیان کرتے ہیں چنانچہ اَلرِّيٰحُ ابراہیم ع ۳ میں بھی ایسا ہی کیا ہے اور اس سے نکل آیا کہ یہاں هُنَا کی قید احتراز کے لیے نہیں ہے خوب سمجھ لو) (۵) تُفٰدُوْهُمْ (بقرہ ع ۱۰ میں اور ان پانچ میں سے نمبر دو میں حذف یا تو اختصار کے لیے ہے یا احتمال کی بناء پر ہے تاکہ ابن محیصن کی شاذ قراءۃ کو بھی شامل ہو جائے جو ناظمؒ کے تلفظ کی طرح ہے یعنی اَلصّٰعِقَةُ اور باقی چار میں حذف شمول کے لیے ہے اور اسی طرح تَظٰهَرُوْنَ اور اُسٰرٰی بقرہ ع ۹ اور وَالْيَتٰمٰی ہر جگہ یہ تینوں بھی الف کے بغیر ہیں اور اُسٰرٰی میں حذف شمول کی اور باقی دو میں اختصار کی بناء پر ہے)

5217 مَعًا دِفٰعُ رِهٰنٌ مَّعْ مُضٰعَفَةً وَعٰهَدُوْا وَهُنَا تَشٰبَهَ اخْتُصِرَا

ترجمہ: دِفٰعُ (اللّٰهِ) جو دو جگہ ہے (یعنی بقرہ ع ۳۳ و حج ع ٦ میں اور) فَرِهٰنٌ (بقرہ ع ۳۹ میں) مُضٰعَفَةً

(آل عمران ع ۱۴) سمیت اور عٰهَدُوْا (بقرہ ع ۱۲ و ع ۲۲ میں) اور تَشٰبَهَ یہاں (بقرہ ع ۸ میں نہ کہ آل عمران ع اوالے میں کیونکہ اس میں اجماعاً اثبات ہے ان پانچ کلمات کے الف میں بھی نافع کی روایت سے) اختصار واقع کیا گیا ہے (اور دوسرے ناقلین بھی ان کے موافق ہیں اسی لیے وہ خاموش ہیں اور موسیٰ جار اللہ کے بیان پر تَشٰبَهَ میں حذف اصطلاح کی اور باقی چار میں شمول کی بناء پر ہے جو پہلے تین میں تو ظاہر ہے اور عٰهَدُوْا میں پہلے موقع میں حسن کی قراءۃ عُوْهِدُوْا ہے اور دوسرے میں بھی شاید کوئی شاذ قراءۃ ہو پس الف کے حذف سے اس کی طرف اشارہ ہو گیا۔)

53\8 يُضَاعِفُ الْخُلْفُ فِيْهِ كَيْفَ جَاوَ رِكِتَا　　　بِهٖ وَ نَافِعٌ فِي التَّحْرِيْمِ ذَاكَ أَرٰى

ترجمہ: يُضٰعِفُ جو ہے (وہ) جس کیفیت پر بھی ہو (کر آئے یعنی اس کے عین پر کسرہ ہو یا فتحہ اور اس کے بعد ضمیر ہو یا نہ ہو) اس میں (اور) وَكِتٰبِهٖ (بقرہ ع ۴۰) میں (دونوں میں) خُلْف ہے (یعنی بعض قرآنوں میں الف ہے اور بعض میں نہیں ہے) اور نافع نے تحریم (ع ۲ کے وَكِتٰبِهٖ) میں (بھی) یہی (الف کا حذف) دکھایا (اور ظاہر کیا) ہے (اور دوسرے ناقلین بھی ان کے موافق ہیں پس تحریم والے میں اجماعاً حذف ہے اور بقرہ والے میں دونوں وجوہ ہیں اور یہ حذف بھی شمول کے لیے ہے اور اصول میں آئے گا کہ لفظ کتاب میں چار جگہ الف کا اثبات ہے یعنی رعد ع ٦ کے پہلے میں اور حجر ع ا کہف ع ۴ کے دوسرے میں اور نمل ع ا کے پہلے میں اور باقی میں حذف ہے نتیجہ یہ کہ بقرہ ع ۴۰ میں حذف و اثبات دونوں اور ان چار موقعوں میں صرف اثبات اور باقی میں فقط حذف ہے اور ناظمؒ نے سہو کی بناء پر يُضٰعِفُ میں ہر جگہ خُلْف بیان کر دیا ہے اور مقنع اور وسیلہ میں یہ ہے کہ بقرہ ع ۳۲ و حدید ع ۲ کے پہلے يُضٰعِفُ ان دونوں میں تو دونوں وجوہ ہیں اور باقی میں صرف حذف ہے)

54\9 وَالْحَذْفُ فِيْ يَاءِ اِبْرَاهِيْمَ قِيْلَ هُنَا　　　شَامٍ عِرَاقٍ وَّنِعْمَ الْعِرْقُ مَا انْتَشَرَا

ترجمہ: اور کہا گیا ہے کہ یہاں (بقرہ ع ۱۵ و ع ۱۶ و ع ۳۵ میں) اِبْرٰهٖمَ کی یا میں حذف شامی (اور) عراقی (کوفی اور بصری قرآنوں کی رسم) ہے۔ اور (گھاس کی) رگ (بیل) اچھی ہے جب وہ (گھاس) پھیل جائے (یعنی چونکہ ان میں حذف والی رسم خوب مشہور ہے۔ اس لیے نہایت قوی اور عمدہ ہے اِبْرٰهِيْمَ کا الف تو اختصار کی بناء پر ہر جگہ محذوف ہے رہی یا سو وہ صرف بقرہ کے پندرہ موقعوں میں شامی اور عراقی قرآنوں میں محذوف ہے تاکہ ھا کے بعد الف والی قراءۃ کو بھی شامل ہو جائے اور اس میں یا اور الف کا اختلاف تینتیس موقعوں میں ہے اور مدنی اور مکی قرآنوں میں بقرہ والوں میں بھی یا ثابت ہے)

55\10 اَوْصٰى الْإِمَامُ مَعَ الشَّامِيِّ وَ الْمَدَنِيْ　　　شَامٍ وَّقَالُوا بِحَذْفِ الْوَاوِ قَبْلَ يُرٰى

ترجمہ: (وَ) اَوْصٰى (بقرہ ع ۱۶ کے واوَ سے پہلے الف کا اثبات) شامی اور مدنی (قرآنوں) سمیت (امام کی

رسم) ہے (یعنی تینوں میں واو سے پہلے الف لکھا ہوا ہے اور وجہ ظاہر ہے اور بقیہ میں وَوَصّٰی ہے الف کے بغیر) (اور) شامی (قرآن) جو ہے (اس میں) وَقَالُوا (اتَّخَذَ اللّٰہُ بقرہ ع ۱۴) اس واوَ کے حذف سے دیکھا جاتا ہے جو (قاف سے) پہلے ہے (پس شامی میں ابن عامر کی قراءۃ کے موافق قَالُوا ہے اور باقی میں اوروں کی قراءۃ کے موافق وَقَالُوا ہے)

فائدہ: سخاوی سند کے ذریعہ روایت کرتے ہیں کہ امام اور مدنی مصحف میں ان بارہ کلمات کی رسم میں اختلاف ہے یعنی امام میں یہ کلمات اس طرح ہیں (۱) وَاَوْصٰی کے بجائے وَوَصّٰی واو سے پہلے الف کے حذف سے (۲) سَارِعُوْا (آل عمران ع ۱۵) (۳) یَقُوْلُ الَّذِیْنَ (مائدہ ع ۸) کے بجائے وَسَارِعُوْا اور وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ واوَ کے اثبات سے (۴) مَنْ یَّرْتَدِدْ (مائدہ ع ۸) کے بجائے مَنْ یَّرْتَدَّ (۵) اَلَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا (توبہ ع ۱۳) کے بجائے وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا واوَ کے اثبات سے (۶) خَیْرًا مِّنْهُمَا (کہف ۵) کے بجائے خَیْرًا مِّنْهَا ھا کے بعد والے میم کے حذف سے (۷) فَتَوَکَّلْ (شعراء ع ۱۱) کے بجائے وَتَوَکَّلْ فا کے بجائے واوَ سے (۸) دِیْنَکُمْ وَاَنْ (غافر ع ۳) کے بجائے دِیْنَکُمْ اَوْاَنْ واوَ سے پہلے ہمزہ کے اثبات سے (۹) بِمَا کَسَبَتْ (شوریٰ ع ۴) کے بجائے فَبِمَا کَسَبَتْ فا کے اثبات سے (۱۰) تَشْتَهِیْهِ الْاَنْفُسُ (زخرف ع ۷) کے بجائے تَشْتَهِی الْاَنْفُسُ ضمیر کی ھا کے حذف سے (۱۱) فَاِنَّ اللّٰهَ الْغَنِیُّ (حدید ع ۳) کے بجائے فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِیُّ هُوَ کی زیادتی سے (۱۲) فَلَا یَخَافُ (شمس) کے بجائے وَلَا یَخَافُ واو سے لیکن قصیدہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اول کے چار میں دونوں متفق ہیں۔

آل عمران

56\11 یُقٰتِلُوْنَ الَّذِیْنَ الْحَذْفُ مُخْتَلَفٌ	فِیْهِ مَعًا طَآئِرًا عَنْ نَّافِعٍ وَّ قَرَا

نساء

57\12 وَقَاتِلُوْا وَ ثُلَاثَ مَعَ رُبَعَ رَكَنَا	بَ اللّٰهِ مَعْهُ ضِعَافًا عَاقَدَتْ حَصَرَا
58\13 مُرٰغَمًا قَاتَلُوْا لَا مَسْتُمْ بِهِمَا	حَرْفَا السَّلَامِ رِسَالَتِهٖ مَعًا اَثَرَا

مائدہ

59\14 وَبَالِغَ الْكَعْبَةِ احْفَظْهُ وَقُلْ قِيَمًا   وَالْاَوْلَيْنِ وَاَكَّالُوْنَ قَدْ ذَكَرَا

ترجمہ: شعر ۱۱ (وَ) يُقٰتِلُوْنَ الَّذِيْنَ (آل عمران ع ۳ کے الف) کا حذف جو ہے اس میں اختلاف کیا گیا ہے (یعنی نصیر کی روایت سے اس میں حذف و اثبات دونوں ہیں اور) طٰئِرًا جو دو جگہ ہے (یعنی آل عمران ع ۵ و مائدہ ع ۱۵ میں) نافع سے (الف کے حذف کے ساتھ) وقار (اور استقلال) والا ہو گیا ہے (یعنی حذف نہایت معتبر ہے) شعر ۱۲ اور (وَ) قٰتَلُوْا (آل عمران ع ۲۰) اور ثُلُثَ جو رُبُعَ سمیت ہے (اور) كِتٰبَ اللّٰهِ (ع ۴) اور اس کے ساتھ ضِعٰفًا (ع ۱ اور) عٰقَدَتْ (ع ۵ ان چھ کلمات) کو (بھی) ان (نافع) ہی نے گھیر لیا ہے (یعنی الف کے حذف والے الفاظ میں شمار کر لیا ہے اور قٰتَلُوْا کے سوا باقی پانچ کلمات نساء کے ہیں) شعر ۱۳ (اور) مُرٰغَمًا (ع ۱۴ اور) فَلَقٰتَلُوْكُمْ (ع ۱۲ اور) لٰمَسْتُمُ (النِّسَآءَ) ان دونوں (سورتوں نساء ع ۷ و مائدہ ع ۲) میں (اور) اَلسَّلٰمِ کے دونوں لفظ (یعنی سُبُلَ السَّلٰمِ مائدہ ع ۳ اور دَارَ السَّلٰمِ انعام ع ۱۵ اور) رِسٰلٰتِهٖ جو دو جگہ ہے (یعنی مائدہ ع ۱۰ و انعام ع ۱۵ میں ان پانچ کلمات کو بھی) ان (نافع) ہی نے (الف کے حذف سے) نقل کیا ہے (اور جن الفاظ کے ساتھ سورة کا حوالہ نہیں ہے وہ سب نساء کے ہیں) شعر ۱۴ اور بٰلِغَ الْكَعْبَةِ (مائدہ ع ۱۳) جو ہے تو اس کو بھی (الف کے حذف ہی سے) محفوظ کر لے اور تو کہہ دے کہ قِيٰمًا (دونوں جگہ یعنی نساء ع ۱ و مائدہ ع ۱۳) اور الْاَوْلٰيٰنِ (مائدہ ع ۱۴) اور اَكّٰلُوْنَ (مائدہ ع ۶ ان چار کلمات) کو (بھی) ان (نافع) ہی نے (الف کے حذف کے ساتھ) بیان کیا ہے (ان چار شعروں میں بائیس کلمات ہیں جن میں سے يُقٰتِلُوْنَ میں حذف نصیر سے ہے اور باقی اکیس میں نافع سے ہے اور دوسرے اہل رسم بھی ان کے ساتھ متفق ہیں پس یہ حذف اجماعی ہے)

فائدہ: (۱) يُقٰتِلُوْنَ کے ساتھ الَّذِيْنَ کی قید وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ کو نکالنے کے لیے ہے کیونکہ اس میں اجماعا" حذف ہے (۲) ان بائیس میں سے نمبر ایک تا چار اور نمبر نو اور نمبر بارہ و تیرہ اور نمبر سولہ و سترہ اور نمبر انیس تا اکیس ان بارہ میں حذف شمول کی اور باقی دس میں اختصار کی بناء پر ہے (۳) وَقٰتَلُوْا (آل عمران ع ۲۰) میں دونوں قراءتوں پر الف کا حذف ہے جو حمزہ اور کسائی کی قراءۃ پر ثانی میں اور باقی پانچ کی قراءۃ پر اول میں مانا جائے گا (۴) نظم میں فَلَقٰتَلُوْكُمْ کی تعیین اس سے پہلے اور بعد کے کلمات سے ہوئی ہے کہ اس سے وہ مراد ہے جو تلاوت میں ان دونوں کے درمیان ہے (۵) اَلسَّلٰمِ میں انہی دونوں موقعوں کا مراد ہونا لٰمَسْتُمْ سے معلوم ہوا ہے کیونکہ یہ دونوں موقع تلاوت میں لٰمَسْتُمْ کے بعد ہیں اور یہاں ان کا ذکر نافع کی روایت کی بناء پر ہے ورنہ اس لفظ میں حذف کلیہ کے طور پر ہے جیسا کہ اصول میں آئے گا رہا اَلسَّلٰمَ لَسْتَ جو نساء (ع ۱۳)

میں ہے سو حذف تو اس میں بھی ہے لیکن کلیہ میں شامل ہونے کی بناء پر ہے نہ کہ نافع کی روایت سے اور چونکہ یہ لَمَسْتُمُ سے پہلے ہے اس لیے حَرْفَ السَّلَمِ میں شامل نہیں ہے (٦) یُقٰتِلُوْنَ میں جو اختلاف ہے اس سے مراد یہ ہے کہ بعض قرآنوں میں الف سے ہے اور بعض میں حذف سے اور اختلاف سے ہر جگہ یہی سمجھ لینا چاہیے۔

60\15 وَقُلْ مَسَاكِيْنَ عَنْ خُلْفٍ وَهُوْدٍ بِهَا ... وَذِيْ وَ يُوْنُسِ الْأُوْلٰى سَاحِرٍ خُبِرَا

ترجمہ : اور تو کہہ دے کہ (طَعَامُ) مَسٰكِيْنَ (مائدہ ع ۱۳ کے الف کا حذف) خُلف سے ہے (یعنی بعض میں حذف اور بعض میں اثبات ہے اور یہ نصیر کی روایت ہے اور نافع سے صرف حذف ہے اور مَسٰكِيْنَ کے اس مقام کی تعیین سٰحِرٌ سے ہوئی ہے جو تلاوت میں اس کے قریب ہی آرہا ہے رہا عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ (مائدہ ع ۱۲) سو اس میں اجماعاً" حذف ہے) اور (سورۃ) ہود جو ہے اس (کے ع ۱) میں اور اس (سورۃ مائدہ کے ع ۱۵) میں (اِلَّا سٰحِرٌ) اور یونس میں پہلا (لَسٰحِرٌ بھی الف کے حذف ہی سے) جانا (اور معلوم کیا) گیا ہے (پس مَسٰكِيْنَ مائدہ ع ۱۳ میں نصیر سے حذف و اثبات دونوں اور نافع سے صرف حذف ہے اور سٰحِرٌ میں تینوں جگہ یعنی مائدہ ع ۱۵ و یونس و ہود ع ۱ میں نصیر سے حذف و اثبات دونوں ہیں اور نافع سے کوئی بھی روایت نہیں آئی اور مَسٰكِيْنَ میں حذف اختصار کی اور سٰحِرٌ میں شمول کی بناء پر ہے اور یونس کا پہلا کہہ کر لَسٰحِرٌ کو نکال دیا جو اسی کے ع ۸ میں ہے اس لیے کہ اس میں اجماعاً" حذف ہے کیونکہ اس کو سب سِحْرٌ ہی پڑھتے ہیں اور سٰحِرٌ کے باقی موقعوں کی تفسیر دوسرے باب کے شعر ۱۸ میں آئے گی۔)

61\16 وَسَارِعُوا الْوَاوُ مَكِّيٌّ عِرَاقِيَةٌ ... وَبَا وَبِالزُّبُرِ الشَّامِيْ فَشَا خَبَرَا

62\17 وَبِالْكِتٰبِ وَقَدْ جَآءَ الْخِلَافُ بِهٖ ... وَرَسْمُ شَامٍ قَلِيْلًا مِّنْهُمْ كَثُرَا

ترجمہ : (اور) وَسَارِعُوْا (آل عمران ع ۱۵) جو ہے (اس میں عطف کے) واو (کا اثبات) مکی (اور) کوفی اور بصری (قرآنوں کی رسم) ہے (یعنی ان تینوں میں وَسَارِعُوْا ہے ان مقامات کے پانچوں اماموں کی قراءۃ کے موافق اور مدنی اور شامی میں سَارِعُوْا ہے نافع اور ابن عامر کی قراءۃ کی طرح) اور (بِالْبَيِّنٰتِ) وَبِالزُّبُرِ (آل عمران ع ۱۹) کی با (کا اثبات) شامی (قرآن کی رسم) ہے یہ (با کے اثبات والی رسم) خبر کے اعتبار سے مشہور ہو گئی ہے (کیونکہ اس میں تمام ناقلین کی روایت سے با زائدہ لکھی ہوئی ہے اور) وَبِالْكِتٰبِ (کی با کا اثبات بھی شامی ہی کی رسم ہے) اور اس (لفظ) میں خلاف (بھی) آیا ہے (یعنی شامی مصحف میں وَبِالزُّبُرِ تو بالاتفاق با کی زیادتی سے ہے اور وَبِالْكِتٰبِ میں بعض کی روایت پر با ہے اور بعض کے قول پر نہیں اور اسی لیے ان دونوں میں

قراءۃ کی رو سے بھی اختلاف ہے کہ ہشام دونوں کو اور ابن ذکوان صرف اول کو با کی زیادتی سے پڑھتے ہیں) اور شامی کا (اِلَّا) قَلِیْلًا مِّنْھُمْ کو (الف سے) لکھنا غالب (اور مشہور) ہو گیا ہے۔
(یعنی شامی میں ابن عامر کی قراءۃ کے موافق قَلِیْلًا مِّنْھُمْ ہے الف سے اور باقی میں قَلِیْلٌ مِّنْھُمْ ہے الف کے بغیر غیر شامی کی قراءۃ کے موافق)

63\18 وَرَسْمُ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی بِطَآئِفَةٍ مِنَ الْعِرَاقِ عَنِ الْفَرَّاءِ قَدْ نَدَرَا

ترجمہ: اور وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی (نساء ع ۶) کی (ذال کے بعد یا کے بجائے الف والی) وہ رسم جو عراقی (قرآنوں) کی ایک جماعت میں ہے جو فراء سے (منقول) ہے نادر (و شاذ) ہو گئی ہے (یعنی فراء نے بیان کیا ہے کہ کوفی قرآنوں میں وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی ذال کے بعد الف سے لکھا ہوا ہے یعنی ذَا الْقُرْبٰی ہے لیکن ان کا یہ قول شاذ ہے کیونکہ یہاں ذِیْ کا نصب نہ کسی صحیح قراءۃ میں آیا ہے اور نہ شاذ میں)

64\19 مَعَ الْاِمَامِ وَشَامٍ یَّرْتَدِدْ مَدَنِیٌ وَقَبْلَهٗ وَیَقُوْلُ بِالْعِرَاقِ یُرٰی

ترجمہ: (مَنْ) یَّرْتَدِدْ (مائدہ ع ۸ جو ہے اس میں دو دالیں) مدنی اور شامی اور امام (کی رسم) ہے (یعنی ان تینوں میں دو دالوں سے ہے نافع اور ابن عامر اور ابو جعفر کی قراءۃ کے موافق اور باقی میں مَنْ یَّرْتَدَّ ہے ایک دال سے باقی سات کی قراءۃ کی طرح رہا بقرہ ع ۲۷ والا یَرْتَدِدْ سو وہ سب میں دو ہی دالوں سے ہے) اور اس (یَرْتَدِدْ) سے پہلے (مائدہ ع ۸ ہی میں) وَیَقُوْلُ (الَّذِیْنَ) کوفی اور بصری (قرآنوں) میں (واو کے اثبات سے) دیکھا (اور پایا) جاتا ہے (پس کوفی اور بصری میں وَیَقُوْلُ اور باقی میں یَقُوْلُ ہے اور یہ حذف و اثبات بھی قراءۃ کے اختلاف ہی کی بناء پر ہے)

انعام

65\20 وَبِالْغَدٰوةِ مَعًا بِالْوَاوِ کُلُّهُمُ وَقُلْ مَعًا فٰرَقُوْا بِالْحَذْفِ قَدْ عُمِرَا

ترجمہ: اور بِالْغَدٰوةِ جو دو جگہ (انعام ع ۶ و کہف ع ۴ میں) ہے (اس میں) تمام (قرآنوں) کی رسم واو سے ہے (یعنی دونوں جگہ دال کے بعد واو لکھا ہوا ہے جو شمول کے لیے ہے) اور تو کہہ دے کہ فٰرَقُوْا دونوں جگہ (انعام ع ۲۰ و روم ع ۴ میں شمول ہی کی بناء پر الف کے) حذف سے ثابت کیا گیا (اور عمر دیا گیا) ہے (یعنی طویل مدتوں تک باقی رہے گا)

66\21 وَقُلْ وَلَا طَٰئِرٍ بِالْحَذْفِ نَافِعُهُمْ   وَمَعْ اَكْبِرَ ذُرِّيّٰتِهِمْ نَشَرَا

ترجمہ: اور تو کہہ دے کہ وَلَا طَٰئِرٍ (انعام ع ۴) کو (الف کے) حذف سے ان میں کے نافع نے (روایت کیا ہے) اور اَکٰبِرَ (ع ۱۵) سمیت (وَ) ذُرِّیّٰتِهِمْ (ع ۱۰ کے الف کے حذف) کو (بھی) ان (نافع ہی) نے پھیلایا (اور مشہور کیا) ہے (یعنی تینوں میں حذف نافع سے ہے اور باقی بھی ان کے ساتھ متفق ہیں)

تنبیہہ: جو رسم بیان کی جائے اس کو ہر لفظ میں خود سوچ لیں کہ یہ شمول کے لیے ہے یا تخفیف کی بناء پر۔

67\22 وَفٰلِقُ الْحَبِّ عَنْ خُلْفٍ وَّ جٰعِلُ وَالْ   كُوْفِيُّ اَنْجٰيْتَنَا فِيْ تَآئِهِ اخْتَصَرَا

ترجمہ: اور (نصیر کی روایت پر) فٰلِقُ الْحَبِّ (اور) وَجٰعِلُ (الَّيْلِ دونوں) خُلْف سے ہیں (یعنی بعض میں الف سے ہیں اور بعض میں حذف سے اول میں حذف اختصار کی بناء پر ہے اور غیر قیاسی ہے اور چونکہ حسن کی شاذ قراءۃ پر فَلَقَ الْحَبَّ بھی ہے اس بناء پر شمول کے لیے بھی کہہ سکتے ہیں اور ثانی میں حذف شمول ہی کے لیے ہے) اور (لَئِنْ اَنْجٰيْتَنَا (انعام ع ۸) جو ہے کوفی (مصحف) نے اس کی تا میں اختصار (وحذف واقع) کیا ہے (یعنی کوفی میں اَنْجٰنَا ہے جیم اور آخری الف کے درمیان دو شوشوں سے جن میں سے پہلا یا سے بدلے ہوئے الف کا ہے اور دوسرا نون کا اور باقی قرآنوں میں جیم اور الف کے درمیان تین شوشہ ہیں جن میں سے پہلا یا کا ہے اور دوسرا تا کا اور تیسرا نون کا اور اس میں دو قراء تیں ہیں جو مشہور ہیں)

68\23 لَدَارُ شَامٍ وَّقُلْ اَوْلَادَهُمْ شُرَكَا   ئِهِمْ بِيَآءٍ بِهٖ مَرْسُوْمُهٗ نَصَرَا

ترجمہ: (انعام ع ۴ میں وَ) لَدَارُ (الْاٰخِرَةِ فتحہ والے ایک لام سے) شامی (قرآن کی رسم) ہے (یعنی دوسرا لام جو تعریف کا ہے لکھا ہوا نہیں ہے اس بناء پر کہ ابن عامر اس کو اسی طرح ایک لام سے پڑھتے ہیں اور باقی قرآنوں میں وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ ہے دو لاموں سے جن میں سے پہلا ابتدائیہ ہے اور دوسرا تعریف کا اور دونوں کے درمیان کا ہمزۂ وصلی محذوف ہے) اور تو کہہ دے کہ اَوْلَادَهُمْ شُرَكَآئِهِمْ (انعام ع ۱۶ کا الف کے بعد والا ہمزہ) اسی (شامی قرآن) میں یا سے (لکھا ہوا) ہے (کیونکہ ابن عامر کی قراءۃ یہاں قَتْلُ اَوْلَادَهُمْ شُرَكَآئِهِمْ ہے پس قَتْلُ مصدر ہے اور شُرَكَآئِهِمْ اس کا مضاف الیہ ہے اور چونکہ یہ جری حالت میں ہے اس لیے اس کا ہمزہ یا کی صورت میں ہے اور اَوْلَادَهُمْ مصدر کا مفعول ہے جو مضاف اور مضاف الیہ میں فاصل ہے اور) اس (شامی قرآن) کی رسم نے (ابن عامر کی قراءۃ کی) مدد (اور تائید) کی ہے (اور ہمزہ کا کسرہ پڑھنے کی وجہ ظاہری کر دی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ ہمزہ یا کی صورت میں ہے اس لیے وہ اس کا کسرہ پڑھتے ہیں یا اس لفظ کی رسم مؤید ہے اس

صورت میں نُصِرَا مجہول ہوگا اور باقی قرآنوں میں شُرَکَآؤُھُمْ کا ہمزہ واؤ کی صورت میں ہے کیونکہ اوروں کی قراءۃ پر یہ لفظ زَیَّنَ کا فاعل ہونے کے سبب مرفوع ہے)

النحو و العربیہ: ۴۷/۲ بَعْدُ کی تقدیر شرح جار اللہ اور افضل الدرر کی رو سے بَعْدَ ھَمْزَۃِ الْوَصْلِ الَّذِیْ ھُوَ قَبْلَ دَالِ فَادّٰرَءْتُمْ ہے اور احقر کے خیال میں بَعْدَ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ بھی درست ہے۔ ۴۹/۴ سُطِرَا مستانفہ موکدہ ہے۔ ۵۰/۵ بِہٖ کی ھا مِصْرًا کے لیے ہے ۵۱/۶ ترجمہ سے ظاہر ہے کہ نَافِعٌ مبتدا اور اِعْتَبَرَ خبر ہے اور وٰعَدْنَا اپنے معطوفات سے مل کر بتقدیر فِیْ ای فِیْ وٰعَدْنَا الخ اِعْتَبَرَا کے متعلق ہے یا اس کا مفعول فیہ ہے اور حَیْثُ بتقدیر حَیْثَ جَآءَ وٰاعَدْنَا کے لیے اور ھُنَا۔ اَلصّٰعِقَۃُ اور الرِّیْحُ کے لیے قید ہے۔ ۵۲/۷ اُخْتُصِرَا بتقدیر اُخْتُصِرَ فِیْھَا دِفْعٌ اور اس کے معطوفات کی خبر ہے ۵۳/۸ (ا) وَنَافِعٌ میں تنوین کا حذف ضرورت کی بناء پر ہے (۲) مُضٰعَفَۃً کا نصب حکائی ہے۔ ۵۵/۱۰ قَبْلُ کی تقدیر قَبْلَ قَافِ وَقَالُوْا ہے اور جار اللہ کی رائے پر قَبْلَ وَ اَوْصٰی ہے ۵۷/۱۲ اس شعر کو اسمیہ بھی قرار دے سکتے ہیں اور فعلیہ بھی ۵۸/۱۳ چونکہ اس میں حَرْفَا التَّسْلِیْمِ مرفوع ہے اس لیے اس شعر کو اسمیہ ہی کہہ سکتے ہیں۔ پس اَثَرَ کے بعد ان کلمات کی ضمیر مقدر ہے ای اَثَرَھَا ۶۰/۱۵ ذِیْ۔ ھٰذِہٖ کی طرح اسم اشارہ مونث ہے اور یہ بِھَا کی ھا پر معطوف ہے اور بِھَا معطوفین سے مل کر خُبِرَا کے متعلق ہے اور وہ سٰحِرٌ کی اور جملہ اسمیہ ھُوْدٌ کی خبر ہے ۶۲/۱۷ کَثَرَ۔ غَلَبَ کے معنی میں ہے اور کَاثَرَ کا مطاوع ہے اور بعض نسخوں میں وَرَسْمُ شَامٍ کے بجائے وَنَصْبُ شَامٍ ہے ۶۵/۲۰ (ا) کُلُّھُمْ ای رَسْمُ جَمِیْعِ الْمَصَاحِفِ فِیْہِ مبتدا اور بِالْوَاوِ ثَابِتٌ کے متعلق ہو کر خبر ہے اور جملہ اسمیہ بِالْغَدٰوۃِ کی خبر ہے۔ ۶۶/۲۱ مَعْ کو کَآئِنٌ یا کَائِنًا کا ظرف قرار دے کر ذُرِّیّٰتِھِمْ کی صفت بھی کہہ سکتے ہیں اور اس کا حال بھی اور مَعْ اور مَعًا میں عام طور پر یہی دو ترکیبیں جاری ہیں۔ ۶۷/۲۲ ترجمہ میں اَنْجَیْتَنَا کو پہلا اور اَلْکُوْفِیُّ کو دوسرا مبتدا قرار دیا ہے۔ ۶۸/۲۳ اس شعر میں تین اسمیہ ہیں۔

وَمِنْ سُوْرَۃِ الْاَعْرَافِ اِلٰی سُوْرَۃِ مَرْیَمَ عَلَیْھَا السَّلَامُ

باب کا دوسرا حصہ سورۂ اعراف سے سورۂ مریم (کے شروع یعنی کہف کے ختم) تک

(اس میں بائیس شعر ہیں)

69\1 وَنَافِعٌ بُطِلُ مَعًا وَّطَٓئِرُھُمْ — بِالْحَذْفِ مَعْ کَلِمٰتِہٖ مَتٰی ظَھَرَا

70\2 مَعًا خَطِیْٓئٰتِ وَالْیَا ثَابِتٌ بِھِمَا — عَنْہُ الْخَبٰٓئِثُ حَرْفَاہُ وَلَا کَدَرَا

ترجمہ: (ا) اور نافع نے (وَ) بُطِلُ (مَّا) کو دونوں جگہ (اعراف ع ۱۴ و ہود ع ۲ میں) اور طٰٓئِرُھُمْ (اعراف

ع ۱۶) کو کَلِمٰتِہٖ سمیت حالانکہ یہ جس وقت بھی ظاہر ہو (یعنی جہاں بھی آئے تینوں کو الف کے) حذف سے (روایت کیا ہے) (۲) (اور) خَطِیْٓئٰتُ (کو بھی) دونوں جگہ (یعنی خَطِیْٓئٰتِکُمْ اعراف ع ۲۰ اور خَطِیْٓئٰتِھِمْ نوح ع ۲ میں ان نافع ہی نے الف کے حذف سے روایت کیا ہے) اور (طا کے بعد) یا ان دونوں میں ثابت ہے (اور) اَلْخَبٰٓئِثُ (یعنی) اس کے دونوں موقع (جو اعراف ع ۱۹ اور انبیاء ع ۵ میں ہیں) ان (نافع ہی) سے (الف کے حذف کے ساتھ) ہیں اور (اس حذف میں ذرا بھی) کدورت (و غبار) نہیں ہے (یعنی صحیح نقل سے ثابت ہونے کے سبب اعتراضات سے پاک ہے پس ان دونوں شعروں کے آٹھوں کلمات میں نافع سے الف کا حذف ہے اور چونکہ کوئی روایت ان کے خلاف نہیں ہے۔ اس لیے یہ حذف اجماعی ہے)

فائدہ: پہلے تین کلمات میں حذف اختصار کی بناء پر ہے اور قیاس کے خلاف ہے کیونکہ یہ فاعل کے وزن پر ہیں اور عَلَمْ نہیں ہیں لیکن طُٰئِرُھُمْ حسن کی قراءۃ پر طَیْرُھُمْ ہے اس لیے اس حذف کو شمول کی بناء پر بھی کہہ سکتے ہیں اور ممکن ہے کہ بٰطِلٌ بھی کسی قراءۃ پر بَطَلٌ ہو جو ہمارے علم میں نہ آئی ہو یہ ہے صحابہ کا کمال کہ رسم میں تمام امور کی رعایت رکھی ہے اگر صدر اول کی تمام قرآت محفوظ ہوتیں تو جن الفاظ کی رسم کے اسرار ہمیں معلوم نہیں ہیں ان کے اسرار بھی ہمارے علم میں آجاتے اور کَلِمٰتِہٖ چونکہ جمع مونث سالم ہے اس لیے اس میں حذف کلیہ کے طور پر ہے اور یہاں اس کا ذکر نافع کی روایت کی بناء پر ہے اور خَطِیْٓئٰتِ میں الف کا حذف جمع مونث سالم والی قراءۃ پر ہے اور ہمزہ کی صورت بھی رسم میں نہیں ہے کیونکہ یہ ساکن کے بعد ہے اور واحد والی قراءۃ صراحتہ" رسم کے موافق ہے کیونکہ طا اور تا کے درمیان ایک حرف لکھا ہوا ہے اور وہ یا کی صورت ہے اور ہمزہ قیاس کی رو سے محذوف ہے اور جو جمع تکسیر کے صیغہ سے خَطٰیَا پڑھتے ہیں وہ یہ مانتے ہیں کہ طا کے بعد والا الف اختصار کی اور یا کے بعد والا تماثل کی بناء پر محذوف ہے او ریا خود اپنی صورت ہے اور خَطِیْٓئٰتِ کے لکھنے کی صورت یہ ہے کہ اس میں طا کے بعد دو حرف ہیں جن میں سے پہلا اجماعا" یا ہے اور دوسرا جمع مونث سالم کا اور واحد والی قراءۃ پر تا ہے اور جمع تکسیر والی پر الف کی صورت ہے اور اَلْخَبٰٓئِثِ میں بھی حذف اختصار کی بناء پر ہے۔

7\13 ھُنَا وَفِیْ یُوْنُسٍ بِکُلِّ سٰحِرٍ اِلتّ   تَاخِیْرُ فِیْ اَلِفٍ بِہٖ الْخِلَافُ یُرٰی

ترجمہ: یہاں (اعراف ع ۱۴) اور یونس (ع ۸) میں کُلِّ سٰحِرٍ میں (یعنی اس کے) الف میں تاخیر ہے (کیونکہ حا کے بعد لکھا ہوا ہے لیکن) اس (تاخیر) میں خلاف دیکھا (اور پایا) جاتا ہے (یعنی بعض میں تاخیر ہے اور بعض میں تقدیم حاصل یہ کہ کُلِّ سٰحِرٍ میں ان دونوں موقعوں میں نصیر کی روایت پر الف ثابت تو ضرور ہے لیکن بعض قرآنوں میں سین کے بعد ہے اور کلمہ کا دوسرا حرف ہے اور بعض میں حا کے بعد ہے اور تیسرا حرف ہے اور وجہ ظاہر ہے کہ اس میں اسی طرح دو قراء تیں ہیں اور سورتوں کے نام لینے سے سَحّٰارٍ شعرا (ع ۳)

والا نکل گیا کیونکہ اس میں تمام قرآنوں میں الف حا کے بعد ہے)

72\4 وَيَاوَرِيْشًا بِخُلْفٍ بَعْدَهُ الِفٌ　　وَطَاءُ طٰئِفٌ اَيْضًا فَازِكْ مُخْتَبِرَا

ترجمہ: اور وَرِيْشًا (اعراف ع ۳) کی یا جو ہے اس کے بعد الف ہے حالانکہ یہ (الف) خلاف کے ساتھ ہے (یعنی صرف بعض قرآنوں میں ہے تاکہ حسن کی وَرِيْشًا والی قراءۃ بھی نکل آئے) اور (مَسَّهُمْ) طٰئِفٌ (اعراف ع ۲۴) کی طا بھی (اسی طرح ہے کہ اس کے بعد بھی بعض قرآنوں میں الف ہے اور بعض میں نہیں اور اس میں دو قراء تیں ہیں طَيْفٌ اور طَائِفٌ اور اس طَيْفٌ والی آیت میں جو مضمون مذکور ہے کہ اہل تقویٰ کے دلوں میں جب کوئی شیطانی خیال آجاتا ہے تو وہ اللہ کو یاد کرنے لگ جاتے ہیں جس سے فوراً ان کے دل کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور شیطانی وسوسہ سے محفوظ رہتے ہیں) پس تو (بھی حق تعالیٰ کی یاد کے ذریعہ رسم اور دوسرے تمام امور کے بارہ میں شیطانی وسوسہ سے) پاک ہو جا حالانکہ تو (رسم کی اور دوسرے حقائق کی) جانچ پڑتال (اور تحقیق) کرنے والا ہو۔

73\5 وَبَصْطَةً بِاتِّفَاقٍ مُفْسِدِيْنَ وَقَا　　لَ الْوَاوُ شَامِيَةٌ مَشْهُوْرَةٌ اَثَرَا

ترجمہ: اور بَصْطَةً (اعراف ع ۹) بالاتفاق (تمام قرآنوں میں سین کے بجائے صاد سے) ہے۔(تاکہ اصل کے خلاف دیکھنے سے ذہن سین والی قراءۃ کی طرف منتقل ہو جائے اور اس میں طا کے سبب سین کو صاد سے بدل لیا ہے اور فِی الْاَرْضِ) مُفْسِدِيْنَ وَقَالَ (الْمَلَاُ ع ۱۰) جو ہے (اس میں قاف سے پہلے عطف کا) واو شامی (مصاحف والا) ہے (اور یہ واو) نقل کی رو سے مشہور ہے (یعنی شامی قرآن میں ابن عامر کی قراءۃ کے موافق وَقَالَ الْمَلَاُ ہے اور دوسرے تمام قرآنوں میں باقین کی قراءۃ کے موافق قَالَ الْمَلَاُ ہے واو کے بغیر)

74\6 وَحَذْفُ وَاوِ وَمَا كُنَّا وَمَايَتَذَكْ　　كَرُوْنَ يَاهُ وَاَنْجٰكُمْ لَهُمْ زُبُرَا

ترجمہ: اور وَمَا كُنَّا (لِنَهْتَدِيَ ع ۵) کے واو کا حذف اور (قَلِيْلًا) مَّا يَتَذَكَّرُوْنَ (ع ۱ الیعنی) اس کی (تا سے پہلے غیبت کی) یا اور (وَاِذْ) اَنْجٰكُمْ (ع ۱۶ جیم اور کاف کے درمیان ایک شوشہ سے جو یا سے بدلے ہوئے الف کی شکل ہے ان تینوں کلمات میں) یہ (سب جو بیان ہوا) ان (اہل شام) ہی کے لیے (قرآنوں میں) لکھا گیا ہے (یعنی شامی قرآنوں میں وَمَا كُنَّا کے بجائے مَا كُنَّا ہے واو کے حذف سے اور قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ کے بجائے قَلِيْلًا مَّا يَتَذَكَّرُوْنَ ہے یا کی زیادتی سے اور وَاِذْ اَنْجٰكُمْ ہے جیم اور کاف کے درمیان ایک شوشہ سے جو الف کی صورت ہے اور نون و الف محذوف ہے اور ان تینوں میں ابن عامر کی قراءۃ بھی اسی طرح ہے اور دوسرے تمام قرآنوں میں باقین کی قراءۃ کے موافق وَمَا كُنَّا اور قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ اور وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ ہے

جیم اور کاف کے درمیان دو شوشوں سے جن میں سے پہلا لام کلمہ کی یا کا ہے اور دوسرا نون کا اور نون کے بعد والا الف رسم سے محذوف ہے)

تنبیہہ : کلیہ قاعدہ ہے کہ چند الفاظ کے سوایا سے بدلا ہوا الف یا کی صورت میں لکھا جاتا ہے جیسا کہ آٹھویں باب میں آئے گا نیز فَعَلْنَا کا الف اگر کلمہ کے درمیان ہو تو ہر جگہ رسم سے محذوف ہوتا ہے جیسا کہ دوسرے باب میں آئے گا اور پہلے قاعدہ سے نکل آیا کہ دانیؒ نے جو ایک موقع پر مقنع میں اور سخاوی نے وسیلہ میں یہ فرمایا ہے کہ شامی قرآن میں اَنۡجٰکُمۡ جیم اور کاف کے درمیان الف سے لکھا ہوا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ جیم اور کاف کے درمیان ایک حرف ہے جو یا سے بدلے ہوئے الف کی صورت ہے چنانچہ اتحاف میں ہے کہ شامی میں اَنۡجٰکُمۡ جیم اور کاف کے درمیان یا سے ہے اور خود دانی نے بھی مقنع ہی میں دوسرے موقع پر فرمایا ہے کہ شامی قرآن میں اَنۡجٰکُمۡ یا سے ہے نون کے بغیر پس اس الف کو یا سے تعبیر کرنا مناسب تر ہے اور دوسرے قاعدہ سے نکل آیا کہ اتحاف اور وسیلہ میں جو فرمایا ہے کہ اَنۡجَیۡنٰکُمۡ غیر شامی میں الف سے پہلے یا اور نون سے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لفظی الف سے پہلے یا اور نون ہیں نہ کہ رسمی الف سے پہلے کیونکہ رسماً تو جمع کے نون کے بعد والا الف دوسرے کلیہ کی بناء پر محذوف ہے چنانچہ مقنع میں ہے کہ غیر شامی میں اَنۡجَیۡنٰکُمۡ جیم اور کاف کے درمیان یا اور نون سے ہے الف کے بغیر۔

انفال و توبہ

7\75 وَمَعۡ قَدۡ اَفۡلَحَ فِیۡ قَصۡرِ اٰمَنۡتِ مَعۡ   مَسٰجِدَ اللّٰہِ الۡاُوۡلٰی نَافِعٌ اَثَرَا

8\76 وَمَعۡ خِلۡفِ وَزَادَ اللَّامَ لِفُ اَلِفًا   لَا اَوۡضَعُوۡا جُلُّھُمۡ وَاَجۡمَعُوۡا زُمَرَا

9\77 لَا اَذۡبَحَنَّ وَعَنۡ خُلۡفٍ مَّعًا لَّآ اِلَی   مِنۡ تَحۡتِھَا اُخۡرًا مَّکَّیُّھُمۡ زَبَرَا

ترجمہ : (۷) نافع نے (بھی) اٰمَنۡتُمۡ (انفال ع ۳) کو قَدۡ اَفۡلَحَ (الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ع ۱ والے لِاَمٰنٰتِھِمۡ)

سمیت (نیز توبہ ع ۳ کے) پہلے مَسٰجِدَ اللّٰہِ سمیت ۸ اور (اسی سورۃ کے ع ۱۱ کے) خِلٰفَ (رَسُوْلِ اللّٰہِ) سمیت قصر میں (ہونے کی حالت میں) نقل کیا ہے (یعنی چاروں میں باقی اہل رسم کی طرح نافع سے بھی الف کا حذف ہے اور یہاں ان کو نافع کی روایت ہی کی وجہ سے بیان کیا ہے اور اٰمَنٰتِ میں سب جگہ دونوں الفوں کا حذف ہے پس میم اور نون دونوں پر کھڑا زبر لکھا جاتا ہے اور یہ حذف کلیہ کے طور پر ہے چنانچہ دوسرے باب کے شعر ۲۴ میں آئے گا کہ جس جمع مونث میں دو الف ہوں اس کے دونوں الف رسم سے محذوف ہوتے ہیں اور لام کے بعد والے الف کا حذف بھی اکثری ہے اس لیے خِلٰفَ بھی اکثری قاعدہ میں شامل ہے اور مَسٰجِدُ اللّٰہِ میں بھی ہر جگہ حذف کلیہ کے طور پر ہے کیونکہ یہ جمع ہے جو مَفَاعِلُ کے وزن پر ہے پس پہلے مَسٰجِدُ کی تخصیص بھی نافع کی روایت کے اعتبار سے ہے ورنہ قاعدہ کی رو سے تو حذف دوسرے مَسٰجِدُ میں بھی ہے) اور (وَ) لَا اَوْضَعُوْا (توبہ ع ۷) میں جلیل القدر کَاتِبِیْن (یا مصاحف) نے (اس کے) لام الف میں (ایک) الف زیادہ کیا ہے (یعنی چونکہ لام الف میں الف لکھا جاتا ہے اس لیے کلمہ میں ایک الف زیادہ ہو گیا اور یہ فراء اور ابو العباس احمد وغیرہ کا مذہب ہے جو یہ کہتے ہیں کہ وَلَا اَوْضَعُوْا میں پہلا الف زائد ہے اور دوسرا ہمزہ کی صورت ہے۔ پس اس قول پر شعر میں لام الف سے پہلے فِیْ مقدر ہوگا یا وَلَا اَوْضَعُوْا میں اکثر کاتبین نے لام الف کے بعد ایک الف زیادہ کیا ہے یہ قرآنوں کے کاتبین کا مذہب ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اس میں دوسرا الف زائد ہے اور پہلا ہمزہ کی صورت ہے اور اس قول پر لام الف سے پہلے بَعْدَ کا لفظ مقدر ہو گا) اور لَا اَذْبَحَنَّهٗ (نمل ع ۲) میں (الف کے زیادہ کرنے پر) وہ سب (قرآن یا کاتبین) گروہ در گروہ ہونے کی حالت میں متفق ہو گئے ہیں (یعنی وَلَا اَوْضَعُوْا میں تو اکثر حضرات نے الف زیادہ کیا ہے اور بعض نے اس کو الف کے بغیر لکھا ہے لیکن لَا اَذْبَحَنَّهٗ میں بالاتفاق الف زائد ہے) اور لَا اِلَی دونوں جگہ (یعنی لَا اِلَی اللّٰہِ آل عمران ع ۱۷ اور لَا اِلَی الْجَحِیْمِ صفت ع ۲) خُلْف سے (الف زائد کے ساتھ) ہے (یعنی ان دونوں میں بعض قرآنوں میں لام کے بعد الف ہے اور بعض میں نہیں اور) ان میں کے مکی نے (تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ کے بجائے مِنْ زیادہ کر کے توبہ کے) آخر (یعنی ع ۱۳) میں مِنْ تَحْتِهَا (الْاَنْهٰرُ) لکھا ہے (پس مکی مصحف میں مِنْ تَحْتِهَا ہے اور باقی میں تَحْتَهَا ہے اور آخر میں کہنے سے توبہ ع ۹ و ع ۱۱ والے نکل گئے جو اجماعاً مِنْ تَحْتِهَا ہیں)

فائدہ: (۱) لام الف کو دو اسموں سے مرکب کر کے لَا کا نام قرار دیا ہے (۲) مِنْ تَحْتِهَا میں مکی کی قراءۃ بھی اسی طرح مِنْ کی زیادتی سے ہے۔

78\10 وَدُوْنَ وَاوِ الَّذِیْنَ الشَّامِ وَالْمَدَنِیْ وَحَرْفُ یَنْشُرُكُمْ بِالشَّامِ قَدْ نُشِرَا

ترجمہ: اور الَّذِیْنَ (اتَّخَذُوْا توبہ ع ۱۳ عطف کے) واو کے بغیر شامی اور مدنی (قرآن کی رسم) ہے (یعنی

ان دونوں میں اَلَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا اور باقی میں وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا ہے واو کے اثبات سے اور وجہ ظاہر ہے سورۂ یونس علیہ السلام) اور شامی (قرآن کی رسم) میں (یُسَیِّرُکُمْ یونس ع ۳ کے بجائے) یَنْشُرُکُمْ کا لفظ مشہور کیا گیا ہے (یعنی شامی میں یا کے بعد نون پھر شین پھر را ہے اور باقی قرآنوں میں یا کے بعد سین پھر یا پھر را ہے یا شامی میں یَنْشُرُکُمْ کا دوسرا حرف پھیلایا گیا ہے اور قدرے طویل لکھا گیا ہے یعنی اس کلمہ میں جو حرف سین بھی بن سکتا ہے اور شین بھی اس سے پہلے شامی میں دو شوشہ تھے جن میں سے پہلا چھوٹا اور دوسرا قدرے بڑا تھا اس لیے ناقلین نے یہ فیصلہ کر دیا کہ پہلا یا کا ہے اور دوسرا نون کا اور غیر شامی میں ایک شوشہ تو سین سے پہلے تھا اور ایک سین اور را کے درمیان اس لیے یہ مان لیا کہ دونوں یا کے شوشہ ہیں)

79\11 وَفِیْ لِنَنْظُرَ حَذْفُ النُّوْنِ رُدَّوَ فِیْ ۔۔۔ اِنَّا لَنَنْصُرُ عَنْ مَنْصُوْرِ اِنْتَصَرَا

ترجمہ: اور لِنَنْظُرَ (کَیْفَ یونس ع ۲) میں اور اِنَّا لَنَنْصُرُ (غافر ع ۶) میں (دونوں میں ایک) نون کا حذف اس مدد (اور تائید) کیے ہوئے (عالم کی جانب) سے رد کر دیا گیا ہے جو (دلائل کے اعتبار سے مخالفین پر) غالب ہو گیا ہے (یعنی بعض نے نقل کیا ہے کہ یہ دونوں کلمات قرآنوں میں ایک نون سے لکھے ہوئے ہیں اور دوسرا نون اخفا پر تنبیہہ کرنے کی غرض سے محذوف ہے لیکن معتبر علماء نے اس روایت کو تسلیم نہیں کیا اس لیے صحیح اور معتبر یہ ہے کہ ان میں دونوں نون ثابت ہیں)

فائدہ: ایک نون کے حذف کی روایت ابو حفص حراز سے ہے وہ کہتے ہیں کہ اول میں لام اور ظا کے اور ثانی میں لام اور صاد کے درمیان ایک نون لکھا ہوا ہے لیکن ناظمؒ فرماتے ہیں کہ یہ نصیر کی روایت کی بناء پر تسلیم کرنے کے لائق نہیں۔

سورۂ یوسف

80\12 غَیٰبَتِ نَافِعٌ وَّاٰیٰتٌ مَعَهٗ وَعَنْ ۔۔۔ هُ بَیِّنٰتٍ فِیْ فَاطِرِ قُصِرَا

81\13 وَفِیْهِ خُلْفٌ وَاٰیٰتٌ بِهٖ اَلِفُ الْ ۔۔۔ اِمَامِ حَاشَ بِحَذْفٍ صَحَّ مُشْتَهِرَا

ترجمہ: (۱۲) غَیٰبَتِ (الْجُبِّ ع ۲ میں دونوں جگہ) اور اٰیٰتٌ (لِلسَّآئِلِیْنَ ع ۲) جو اس (غَیٰبَتِ) کے ساتھ ہے (کیونکہ یہ بھی اسی سورۃ اور اسی رکوع میں ہے دونوں نے تا سے پہلے یعنی جمع کے الف کا حذف) نافع (کی روایت) ہے (اور دونوں میں پہلا الف اجماعاً" محذوف ہے) اور (عَلٰی) بَیِّنٰتٍ فاطر (ع ۵) میں ان (نافع)

ہی سے قصر (الف کے حذف) کے ساتھ لکھا گیا ہے (۱۳) اور اس (بَیِّنٰتٍ) میں خُلف (یعنی دوسری روایت سے الف اثبات بھی) ہے اور اٰیٰتٌ (لِلسَّآئِلِیْنَ) جو ہے اس میں (مصحف) امام کا الف ہے (نتیجہ یہ کہ غَیٰبَتِ میں صرف حذف ہے اور اٰیٰتٌ اور بَیِّنٰتٍ میں اثبات و حذف دونوں ہیں لیکن حذف اکثر ہے اور ابو عبید کی روایت سے امام میں)۔ حَاشَ (لِلّٰہِ دونوں جگہ جو ع ۴ اور ع ۷ میں ہے۔ شین کے بعد والے الف کے) حذف کے ساتھ صحیح ہو گیا ہے حالانکہ یہ (اپنی اسی رسم کے ساتھ خوب) مشہور ہے (پس ابو عمرو جو اس میں وصلاً" الف پڑھتے ہیں وہ شین کے زبر کے اشباع سے پیدا ہو جاتا ہے خلاصہ یہ کہ ان دو شعروں کے چاروں کلمات میں الف کا حذف ہے لیکن نمبر دو اور تین میں اثبات بھی ہے)

فائدہ: (۱) مقنع میں ہے کہ غَیٰبَتِ میں دونوں الف محذوف ہیں اور اس کی سند نافع تک پہنچائی ہے (۲) پہلے تین کلمات میں جمع اور توحید کا اختلاف بھی ہے۔

82\14 وَيَالَدٰى غَافِرٍ عَنْ بَعْضِهِمْ اَلِفٌ ‏ ‏ وَهٰهُنَا اَلِفٌ عَنْ كُلِّهِمْ بَهَرَا

ترجمہ: اور غافر (ع ۲) کے لَدَی (الْحَنَاجِرِ) کی یا ان میں کے بعض سے الف (کی شکل میں) ہے (اور دوسرے بعض قرآنوں میں یا ہی کی صورت میں ہے) اور یہاں (یوسف ع ۳ کے لَدَا الْبَابِ میں) سب سے الف (ہی کی شکل میں) ہے (اس کی) یہ (رسم) غالب (اور ثابت) ہو گئی ہے (پس لَدٰی یوسف والا تمام قرآنوں میں الف سے ہے اور غافر والا بعض میں الف سے ہے اور بعض میں یا سے اور یہ یا الف کی صورت ہے اور یا سے لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ ضمیر کی طرف مضاف ہونے کے وقت اس میں یا ظاہر ہو جاتی ہے جیسے لَدَیَّ اور لَدَیْهِمْ)

83\15 وَنُوْنَ نُنْجِیْ بِهَا وَالْاَنْبِيَآ حَذَفُوْا ‏ ‏ وَالْكُفِرُ الْحَذْفُ فِيْهِ فِيْ الْاِمَامِ جَرٰى

ترجمہ: اور ان (اہل رسم) نے اس (سورۂ یوسف ع ۱۲) اور انبیاء (ع ۶) میں (دونوں میں) نُنْجِیْ کے (دوسرے) نون کو حذف کر دیا ہے (یعنی ایک نون سے لکھا ہے اور یہ نصیر کی روایت ہے سورۂ رعد) اور (وَسَیَعْلَمُ) الْكُفِرُ (ع ۶) جو ہے اس میں (کاف کے بعد والے الف کا) حذف امام میں جاری ہوا ہے (اور یہ ابو عبید کی روایت ہے اور یہ حذف اس لیے ہے کہ فَنُجِّیَ اور نُجِّیَ الْمُؤْمِنِیْنَ اور الْكُفَّرُ والی قراءۃ کی طرف اشارہ ہو جائے اسی لیے نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ یونس ع ۱۰ بالا جماع دو نونوں سے ہے)

فائدہ: لَدٰی کی مذکورۂ بالا رسم نصیر سے ہے اور جس جگہ نافع اور ابو عبید میں سے کسی کا نام نہ آئے اس رسم کو ان ہی کی طرف منسوب سمجھیں۔

84\16 لَا تَايْئَسُوْا وَمَعًا يَّايْئَسِ بِهَا اَلِفٌ ‏ ‏ فِي اسْتَايْئَسَ اسْتَايْئَسُوْا حَذْفُ فَشَا خَبَرَا

ترجمہ: (اور وَ) لَا تَايْئَسُوْا (یوسف ع ۱۰) اور (وہ) يَايْئَسُ جو دو جگہ ہے (یعنی لَا يَايْئَسُ یوسف ع

۱۰ میں اور لَمۡ یَایۡئَسِ الَّذِیۡنَ رعد ع ۴ میں) ان (تینوں) میں (یا اور تا کے بعد سب قرآنوں میں) الف کا (لکھا ہوا) ہے (اور اذا) اسۡتَیۡئَسَ (الرُّسُلُ اور فَلَمَّا) اسۡتَیۡئَسُوۡا (یوسف ع ۱۲ و ع ۱۰) میں (اس الف کا ایسا) حذف ہے جو خبر کے (یا کتابوں اور تحریروں کے) اعتبار سے مشہور ہو گیا ہے (یعنی ہمزہ تو پانچوں میں قاعدہ کے موافق بے صورت ہے کیونکہ ساکن کے بعد ہے پھر اول کے تین میں تو سب قرآنوں میں تا اور یا کے بعد الف لکھا ہوا ہے اور باقی دو میں یہ الف اکثر قرآنوں میں محذوف ہے اور بعض میں ثابت ہے)

فائدہ: (۱) وَلَا تَایۡئَسُوۡا میں تا اور یا کے اور یَایۡئَسِ میں دونوں یاؤں کے درمیان الف لکھنے کی تین وجوہ ہیں (۱) بزی کی قراءۃ کی طرف اشارہ ہو جائے کیونکہ وہ یا اور تا کے بعد الف پڑھتے ہیں (۲) اس طرف اشارہ ہو جائے کہ یہ الفاظ اصل میں اَیِسَ کے مادہ سے ہیں پھر ان میں قلب ہو گیا ہے اور اس تقدیر پر بزی کی الف والی قراءۃ اصل کے موافق ہو گی (۳) تاکہ یَئِسَ اور یَئِسُوۡا میں اور تَایۡئَسُوۡا اور یَایۡئَسُ میں فرق ہو جائے کیونکہ اولاً قرآنوں میں نقطہ نہیں تھے چنانچہ مِائَۃٌ میں بھی اسی لیے الف زائد لکھا ہے کہ اس میں اور مِنۡہُ میں فرق ہو جائے اور یہ بات قابل لحاظ ہے کہ قیاسی رسم کی رو سے تو یہ پانچوں کلمات ایک ہی طرح لکھے جاتے لیکن اس پر بھی پہلے تین میں الف لکھا ہے کیونکہ شبہ انہی میں ہوتا تھا اور باقی دو میں نہیں لکھا اس بناء پر کہ اِسۡتَیۡئَسَ اور اِسۡتَیۡئَسُوۡا میں تا سے پہلے الف اور سین بھی ہے اس لیے ان میں یہ شبہ نہیں تھا کہ کوئی غلطی سے یَئِسَ اور یَئِسُوۡا پڑھ لے گا اور صرف انہی کلمات کی یہ رسم واضح دلیل ہے کہ حضرت زیدؓ زبردست عالم تھے کہ باریک نکتوں کی رعایت سے کسی جگہ بھی غافل نہیں رہے۔ سبحان اللہ علم میں کس قدر ماہر اور فن رسم میں کس درجہ کے تجربہ کار اور ہوشیار تھے فَلِلّٰہِ دَرُّہٗ (۲) یہ رسم بھی نصیر ہی کی روایت سے ہے۔

سورۃ ابراہیم

85\17 وَالرِّیۡحُ عَنۡ نَّافِعٍ وَّتَحۡتَهَا اخۡتَلَفُوۡا ... وَیَا بِاَیّٰمِ زَادَ الۡخُلۡفُ وَمُسۡتَطَرَا

ترجمہ: اور (بِهِ) الرِّیۡحُ (ابراہیم ع ۳ کے الف کا حذف) نافع سے (بھی) ہے (پس یہ حذف اجماعی ہے) اور اس (ابراہیم) کے نیچے (حجر ع ۲ کے اَلرِّیٰحَ میں) ان (اہل رسم) نے اختلاف کیا ہے (یعنی بعض قرآنوں میں الف ہے اور بعض میں نہیں) اور (قرآنوں کے) خُلف نے بِاَیّٰمِ (اللّٰہ ابراہیم ع ۱) کی یا کو زیادہ کر دیا ہے حالانکہ وہ (یا بعض قرآنوں میں) لکھی ہوئی ہے (یعنی اکثر قرآنوں میں تو بِاَیّٰمِ اللّٰہِ میں تشدید والی یا کے بعد الف ہے پس ان میں تو اس کلمہ میں ایک یا لکھی ہوئی ہے جو دو الفوں کے درمیان ہے اور بعض قرآنوں میں تشدید والی یا کے بعد الف کے بجائے بھی دوسری یا لکھی ہوئی ہے پس ان میں الف اور میم کے درمیان دو یائیں ہیں

اور جمع کا الف نہیں ہے اب بعض تو یہ کہتے ہیں کہ یہ وہی تشدید والی یا ہے جس کو جمع کے الف کے حذف کرنے کے بعد فک ادغام کے طریق پر تشدید کے اتصال کا اعتبار نہ کرتے ہوئے دو یاؤں سے لکھ دیا ہے کیونکہ مشدد حرف دو ہی آوازوں سے بنتا ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ دوسری یا جمع کے الف کے بجائے ہے جس کو ایک اصطلاح کی رو سے یا کی صورت میں لکھ دیا ہے اور دونوں میں سے کسی تقدیر پر بھی اس کلمہ میں یا زائد نہیں ہے گو شعر کی عبارت سے اس کا وہم ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ اس یا کو زائد قرار دینے کی وجہ یہ ہو کہ جب اس میں جمع کے الف کو یا کی صورت میں لکھتے ہیں تو کلمہ میں دو یائیں لگاتار جمع ہو جاتی ہیں اور اس صورت میں تماثل کے قاعدہ سے ایک یا حذف ہو جایا کرتی ہے لیکن اس میں دونوں ہی لکھی ہوئی ہیں پس یا کا زائد ہونا تماثل کے اس کلیہ کے اعتبار سے ہے یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس میں الف سے پہلے یا اس کے بعد ایک یا زائد ہے کیونکہ یہ تو اہل رسم میں سے کسی کے نزدیک بھی ثابت نہیں (جار اللہ وافضل الدرر))

سورۂ اسراء

86\18 بِالْحَذْفِ طَٰئِرَهٗ عَنْ نَّافِعٍ وَّبِيَاوَ   كِلَاهُمَا الْخُلْفُ وَالْيَا لَيْسَ فِيهِ تُرٰى

ترجمہ: طَٰئِرَهٗ (فِیْ عُنُقِهٖ اسراء ع ۲) نافع سے (بھی الف کے) حذف کے ساتھ ہے اور اَوْکِلَاهُمَا (اسراء ع ۳) میں خُلف ہے (کہ بعض میں الف سے ہے اور بعض میں الف کے بغیر) اور اس (کِلَاهُمَا) میں (الف کے بجائے) یا (کسی قرآن میں بھی) نہیں دیکھی جاتی ہے (یعنی جن قرآنوں میں الف نہیں ہے ان میں تو شبہ ہوتا ہی نہیں لیکن جن میں الف ثابت ہے ان میں بھی اپنی صورت میں ہے یا کی شکل میں نہیں رہا یہ کہ پھر اس میں حمزہ اور کسائی امالہ کس بناء پر کرتے ہیں سو اس کی تفصیل شرح شاطبیہ میں ملے گی)

87\19 سُبْحٰنَ فَاحْذِفْ وَخُلْفُ بَعْدَ قَالَ هُنَا   وَقَالَ مَكٍّ وَّشَامٍ قَبْلَهٗ خَبَرَا

ترجمہ: تو سُبْحٰنَ (کے الف) کو (ہر جگہ) حذف کر دے اور یہاں قُلْ کے بعد (والے سُبْحٰنَ میں) خُلف ہے (یعنی قُلْ سُبْحٰنَ رَبِّیْ ع ۱۰ بعض قرآنوں میں الف سے ہے اور بعض میں الف کے بغیر) اور اس (سُبْحٰنَ) سے پہلے (قُلْ کے بجائے) قَالَ مکی اور شامی (کی رسم) ہے (پس ان دونوں میں قَالَ سُبْحٰنَ ہے ماضی کے صیغہ سے اور باقی قرآنوں میں قُلْ سُبْحٰنَ ہے امر کے صیغہ سے) ان دونوں (مکی اور شامی) نے (قَالَ کے ذریعہ) خبر دی ہے (یعنی اس جملہ کو انشائیہ کے بجائے خبریہ بنا دیا ہے)

سورۃ الکھف

88\20 تَزَّوَرُ زَكِيَّةً مَّعَ لَتَّخَذْتَ بِحَذْ　　فِ نَافِعٍ كَلِمٰتُ رَبِّيْ اعْتَمِرَا

ترجمہ: تَزّٰوَرُ (ع ۲) اور زَكِيَّةً (اور) لَتَّخَذْتَ (ع ۱۰ اور) كَلِمٰتُ رَبِّيْ (جو ع ۱۱ میں دو جگہ ہے ان پانچوں کے الف) نافع کے حذف کے ساتھ ہیں یہ (ان پانچوں میں سے ہر ایک حذف ہی کے ساتھ) زیارت کیا گیا ہے (یا كَلِمٰتُ کے دونوں لفظ حذف ہی کے ساتھ زیارت کئے گئے ہیں یعنی نافع نے جب ان کلمات کو قرآن میں دیکھا تو سب کو حذف ہی سے پایا اس لیے انکو اسی طرح نقل کر دیا اور دوسرے اہل رسم بھی ان کے خلاف نہیں ہیں پس پانچوں میں حذف اجماعی ہے اور كَلِمٰتُ میں جمع مونث سالم کے کلیہ میں شامل ہونے کی بناء پر بھی ہے)

89\21 وَفِيْ خَرْجًا مَّعًا وَالرِّيْحُ خُلْفُهُمْ　　وَكُلُّهُمْ فَخَرْجُ فِي الثُّبُوْتِ قَرَا

ترجمہ: اور خَرْجًا میں دونوں جگہ (یعنی کہف ع ۱۱ اور مومنون ع ۴ میں) اور (تَذْرُوْهُ) الرِّيْحُ (کہف ع ۶ تینوں) میں ان (اہل رسم) کا خُلف ہے (یعنی تینوں بعض میں الف سے ہیں اور بعض میں الف کے بغیر اور یہ حذف شمول کے لیے ہے) اور فَخَرْجُ (رَبِّكَ مومنون ع ۴) کو ان میں سے ہر ایک نے (الف کے) ثبوت (ہی) کے ساتھ تلاش کیا ہے (یعنی قرآنوں میں دیکھا تو سب میں الف ہی سے پایا لیکن سخاویؒ فرماتے ہیں کہ میں نے شامی قرآن میں اس کو بھی حذف ہی سے دیکھا ہے اور شمول کا قاعدہ اس میں بھی حذف ہی کو چاہتا ہے)۔

90\22 كُلٌّ بِلَا يَآءِ اٰتُوْنِيْ وَ مَكَّنَنِيْ　　مَلْكٍ وَّمِنْهَا عِرَاقٍ بَعْدَ خَيْرًا اَرٰى

ترجمہ: (کہف ع ۱۱ میں) اٰتُوْنِيْ (کو دونوں جگہ) تمام (اہل رسم نے) یا کے بغیر (ایک الف سے لکھا) ہے (پس اٰتُوْنِيْ والی قراءۃ تو رسم کے موافق ہے کیونکہ ہمزہ الف کی شکل میں ہے اور دوسرا الف تماثل کی بناء پر محذوف ہے اور اِيْتُوْنِيْ والی قراءۃ پر اِلْفِهِمْ کی یا کی طرح وہ یا رسم سے محذوف ہے جو ہمزہ ساکنہ کی صورت تھی) اور مَكَّنَنِيْ (کہف ع ۱۱ ناظمؒ کے تلفظ کے مطابق دو نونوں سے) مکی (کی رسم) ہے (جو ابن کثیر کی قراءۃ کے موافق ہے اور باقی قرآنوں میں ادغام کے سبب مَكَّنِّيْ ہے تشدید والے ایک نون سے) اور کوفی اور بصری (قرآن) نے (کہف ع ۵ میں لَاَجِدَنَّ خَيْرًا کے بعد (مِنْهُمَا کے بجائے) مِنْهَا دکھایا ہے (یعنی عراقی قرآنوں میں خَيْرًا مِّنْهَا ہے پس ھا کے بعد میم نہیں ہے اور مکی۔ مدنی، شامی میں خَيْرًا مِّنْهُمَا ہے تثنیہ کی ضمیر سے اور وجہ ظاہر ہے)

وَمِنْ سُوْرَةِ مَرْيَمَ عَلَيْهَا السَّلَامِ اِلٰى سُوْرَةِ صٓ

باب کا تیسرا حصہ مریم علیہا السلام سے صٓ (کے شروع یعنی صُفّٰت کے ختم) تک

(اس میں پندرہ شعر ہیں)

9۱\۱ خَلَقْتُ وَاخْتَرْتُ حَذْفُ الْكُلِّ وَاخْتَلَفُوْا بِلَا تَخَفْ نَافِعٌ تَسّٰقَطْ اخْتَصَرَا

سورۂ انبیاء

92\2 يُسٰرِعُوْنَ جُذٰذًا عَنْهُ وَاتَّفَقُوْا عَلٰى حَرٰمٌ هُنَا وَلَيْسَ فِيْهِ مِرَآ

ترجمہ: (۱) خَلَقْتُكَ (مریم ع ۱) اور اِخْتَرْتُكَ (طہ ع ۱ دونوں میں خَلَقْنٰكَ اور اِخْتَرْنٰكَ والی قراءۃ پر) تمام (قرآنوں) کا حذف ہے (یعنی نون کے بعد الف کسی میں بھی نہیں ہے تاکہ متکلم کی تا والی قراءۃ کی طرف اشارہ ہو جائے نیز یہ حذف اس کلیہ کی رو سے بھی ہے کہ متکلم کے نون کے بعد والا الف کسی دوسری ضمیر کے سبب درمیان میں آجائے تو وہ رسم سے محذوف ہوتا ہے) اور لَا تَخٰفُ (دَرَكًا طہ ع ۴) میں (الف اور رفع والی قراءۃ پر الف کے حذف میں) ان (اہل رسم) نے اختلاف کیا ہے (یعنی بعض میں الف ہے اور بعض میں نہیں اور مناسب یہ تھا کہ اس کے ساتھ دَرَكًا لے آتے تاکہ لَا تَخٰفْ طہ ع ۱ و ع ۳ اور فَلَا يَخٰفُ طہ ع ۶ نکل جاتے کیونکہ ان دونوں میں اجماعاً" حذف ہے اور) تَسّٰقَطْ (مریم ع ۲) کو نافع نے (بھی الف کے حذف کے ذریعہ) مختصر کر دیا ہے (پس اس شعر کے چار کلمات میں سے نمبر تین میں حذف و اثبات دونوں ہیں اور باقی تین میں صرف حذف ہے جو نمبر ایک اور دو میں شمول کی اور نمبر چار میں اختصار کی بناء پر ہے) (۲) (اور) يُسٰرِعُوْنَ (انبیاء ع ۶ اور مومنون ع ۴ کے اور) جُذٰذًا (انبیاء ع ۵ کے پہلے الف کا حذف بھی) ان (نافع) ہی سے ہے (اور) یہاں (انبیاء ع ۷ میں وَ) حَرٰمٌ (کے الف کے حذف) پر وہ سب متفق ہو گئے ہیں (تاکہ رسم وَحِرْمٌ والی قراءۃ کو بھی شامل ہو جائے) اور اس (حذف) میں (ذرا بھی) شک نہیں ہے۔

فائدہ: ناظمؒ يُسٰرِعُوْنَ کو مطلق لائے ہیں جس سے یہ نکلتا ہے کہ مریم سے صٰفّٰت تک کی سورتوں میں اس لفظ میں سب جگہ حذف ہے اور اس حصہ میں یہ دو ہی جگہ آیا ہے یعنی انبیاء (ع ۶) اور مومنون (ع ۴) میں اور قرآنوں میں بھی دونوں جگہ الف کے بغیر ہی لکھا ہوا ہے اور غالباً صحیح بھی یہی ہے لیکن شرح جاراللہ اور

افضل الدرر و اتحاف میں صرف انبیاء والے میں حذف بتایا ہے مومنون والے کو ان حضرات نے بیان نہیں کیا۔

9313 وَقُلَ الاَوَّلُ كُوفِيٌّ وَّفِيْ اَوَلَمْ　　لَا وَاوَفِي الْمُصْحَفِ الْمَكِّيِّ مُسْتَطَرَا

ترجمہ : اور پہلا قٰلَ (جو قٰلَ رَبِّیْ انبیاء ع ا میں ہے) کوفی (کی رسم) ہے (یعنی کوفی قرآن میں الف سے لکھا ہوا ہے اور باقی قرآنوں میں قُلْ ہے الف کے بغیر اور قٰلَ رَبِّ احْکُمْ انبیاء ع ۷ اور قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ زخرف ع ۲ یہ دونوں تمام میں الف کے بغیر ہیں اور ناظمؒ نے ان کو بیان نہیں کیا اور مقنع میں ہے کہ ان دونوں میں کسی قرآن میں بھی الف لکھا ہوا نہیں ہے اور ہمیں اس کے خلاف کوئی خبر نہیں ملی اور یہ حذف شمول کے لیے ہے) اور اَوَلَمْ (یَرَ الَّذِیْنَ انبیاء ع ۳) میں مکی قرآن میں (وہ) واو نہیں ہے جو (اس میں ہمزہ کے بعد) لکھا ہوا ہو (یعنی مکی میں اَلَمْ ہے اور باقی میں اَوَلَمْ)

سورة الحج

9414 مُعٰجِزِيْنَ مَعًا يُقٰتِلُوْنَ لِنَا　　فِعٍ يُدٰفِعُ عَنْ خُلْفٍ وَّفِي نَفَرَا

ترجمہ : (وہ) مُعٰجِزِیْنَ جو دو جگہ ہے (یعنی حج ع ۷ و سبا ع ا و ع ۵ میں اور) يُقٰتِلُوْنَ (حج ع ٦ ان دونوں کے الف کا حذف) نافع کے لیے (بھی) ہے (اور) يُدٰفِعُ (حج ع ۵ کے الف کا حذف ایسے) خُلْف سے ہے جو جماعت کے اعتبار سے کامل (اور بہت) ہو گیا ہے (یعنی اس کے ناقلین بہت ہیں اور یہ حذف يُقٰتِلُوْنَ میں اختصار کی اور باقی دو میں شمول کی بناء پر ہے اور چونکہ مُعٰجِزِیْنَ تین جگہ ہے اس لیے مَعًا کے بجائے جَمِيْعًا اولیٰ تھا اور ممکن ہے کہ مَعًا لانے کی وجہ یہ ہو کہ یہ تینوں دو سورتوں میں ہیں)

سورۂ مومنون

9515 وَسٰمِرًا وَّعِظٰمًا وَّالْعِظٰمَ لِنَا　　فِعٍ وَّقُلْ كَمْ وَقُلْ اِنْ كَوْفِ اِبْتَدَرَا

ترجمہ : اور سٰمِرًا (ع ۴) اور عِظٰمًا اور اَلْعِظٰمَ (ع ا کے الف کا حذف) نافع کے لیے (بھی) ہے اور قُلْ كَمْ اور قُلْ اِنْ (لَّبِثْتُمْ ع ٦) جو ہیں کوفی (قرآن) نے (ان دونوں کے الف کے حذف کی طرف) جلدی کی ہے (یعنی کوفی میں قاف کے بعد الف نہیں ہے اور باقی میں ہے اور یہ بات عجیب ہے کہ قُلْ كَمْ میں ابن کثیر

بھی قُلْ پڑھتے ہیں حالانکہ یہ مکی قرآن میں الف سے ہے پس ممکن ہے کہ اس میں الف قَلْ والی قراءۃ کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ہو اور اس شعر کے پہلے کلمہ میں حذف اختصار کے لیے ہے اور باقی چار میں شمول کی بناء پر لیکن احقر کے خیال میں سٰمِرًا میں بھی شمول ہی کے لیے ہے کیونکہ یہ ابن محیصن مکی کی شاذ قراءۃ پر سُمَّرًا ہے)

9616 لِلّٰهِ فِي الْاٰخِرَيْنِ فِي الْاِمَامِ وَفِي الْ بَصْرِيْ قُلْ الْفُ يَزِيْدَهَا الْكُبَرَآ

ترجمہ : تو کہہ دے کہ لِلّٰهِ (ع ۵) جو ہے (اس کے تین موقعوں میں سے) آخری دو میں امام میں اور بصری (قرآن) میں (اَللّٰہ کے لام سے پہلے) الف (ہمزۂ وصلی) جو ہے اس کو بڑے درجہ کے حضرات زیادہ کرتے ہیں (یعنی ان دونوں میں لام جارہ کے بجائے الف خود صحابہ نے لکھا ہے پس یہ قول غلط ہے کہ ان دونوں میں یہ الف سب سے پہلے نصر بن عاصم لیثی اور عبیداللہ بن زیاد نے زیادہ کیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ مومنون ع ۵ میں سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ تین جگہ ہے پہلے موقع میں تو تمام قرآنوں میں لِلّٰهِ ہے دو لاموں سے جن میں سے پہلا جارہ ہے اور ہمزۂ وصلی محذوف ہے اور باقی دو میں امام اور بصری میں تو سَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ہے یعنی لام جارہ نہیں ہے بلکہ اس کے بجائے ہمزۂ وصلی لکھا ہوا ہے اور ان دونوں میں ابو عمرو و یعقوب کی قراءۃ بھی اسی طرح ہے اور حجازی' شامی' کوفی میں ان دو موقعوں میں بھی لِلّٰهِ ہے اور ان میں باقین کی قراءۃ بھی اسی طرح ہے پس ان کے لیے پہلا لام جارہ ہے اور ہمزۂ وصلی اس لیے محذوف ہے کہ اس کا پڑھنا کسی صورت میں بھی درست نہیں نہ ابتداء" نہ وصلا" کیونکہ لام جارہ بسیط حرف ہے جس کا مابعد سے جدا کرنا درست نہیں اور اَللّٰہ کا ایک لام تماثل کی بناء پر محذوف ہے)

سورۂ فرقان

9717 سِرٰجًا اِخْتَلَفُوْا وَ الرِّيْحَ مُخْتَلَفٌ ذُرِّيٰتُ نَافِعٌ مَّعْ كُلِّ مَا انْحَدَرَا

ترجمہ : (فِيْهَا) سِرٰجًا (ع ۶) جو ہے (نصیر کی روایت سے اس کے الف کے حذف میں) ان (اہل رسم) نے اختلاف کیا ہے (پس بعض میں الف ہے اور بعض میں نہیں) اور (اَرْسَلَ) الرِّيْحَ (جو ہے اس میں بھی) اختلاف کیا گیا ہے (چنانچہ نصیر کے قول پر اس میں تمام قرآنوں میں الف ہے اور نافع کی روایت پر کسی میں بھی نہیں اور) وَذُرِّيّٰتِنَا (فرقان ع ۶) میں نافع نے بھی (الف کو حذف کیا ہے) اس (ذُرِّيّٰتِ) کے ہر اس (لفظ)

سمیت جو (اس سورۃ کے) نیچے (یٰسٓ ع ۳ و غافر و طور ع ۱ میں) آیا ہے (یعنی نافع نے ذُرِّیّٰتٍ کے تمام کلمات میں الف کا حذف بتایا ہے اور دوسرے حضرات بھی ان کے موافق ہیں کیونکہ جمع مونث سالم میں الف کا حذف قیاسی اور کلی ہے اور اس شعر کے تینوں کلمات میں حذف شمول کے لیے ہے)

98\8 وَنُنْزِلُ النُّوْنُ مَكِّيٌّ وَّ حَاذِفُ فَا رِهِيْنَ عَنْ جُلِّهِمْ مَعْ حٰذِرُوْنَ سَرٰى

ترجمہ : اور (و) نُنْزِلُ (اَلْمَلٰٓئِكَةُ فرقان ع ۳) جو ہے (اس میں دوسرا) نون مکی (کی رسم) ہے (پس مکی میں تو اسی طرح ہے اور باقی میں وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ ہے ایک نون سے اور وجہ ظاہر ہے) اور حٰذِرُوْنَ (شعراء ع ۴) سمیت فٰرِهِيْنَ (شعراء ع ۸ کے الف) کا حذف ان میں کے اکثر (اور جلیل القدر حضرات) سے جاری (اور مشہور) ہوا ہے (یعنی دونوں میں حذف و اثبات دونوں ہیں اور دونوں مساوی ہیں لیکن چونکہ اثبات قیاس کے خلاف ہے اور حذف قیاسی بھی ہے اس بناء پر کہ جمع مذکر سالم کا الف کلیہ کے طور پر محذوف ہوتا ہے اور شمول بھی حذف ہی کو چاہتا ہے اس لیے ناظمؒ نے عَنْ جُلِّهِمْ فرما کر حذف کو راجح اور قوی بتایا ہے پس عَنْ جُلِّهِمْ کا یہ مطلب نہیں کہ حذف جلیل القدر لوگوں سے ہے اور اثبات ان سے کم درجہ کے حضرات سے ہے)

فائدہ : (۱) یہاں ناظمؒ کے شاگرد ابو الحسن سخاوی رحمہ اللہ کے نسخہ میں عَنْ جُلِّهِمْ کے بجائے عَنْ خُلْفِهِمْ ہے اور اس تقدیر پر دونوں وجوہ کی مساوات کسی تاویل کی محتاج نہیں (۲) یہاں حَاذِفُ حذف کے معنی میں ہے۔

99\9 وَالشَّامِ قُلْ فَتَوَكَّلْ وَالْمَدِيْنِ وَيَاْ تِيَنَّنِيْ النُّوْنُ مَكِّيٌّ بِهٖ جَهَرَا

ترجمہ : اور تو کہہ دے کہ (وَتَوَكَّلْ شعراء ع ۱۱ کے بجائے) فَتَوَكَّلْ (فا سے) شامی اور مدنی (کی رسم) ہے (پس ان دونوں میں فَتَوَكَّلْ اور باقی قرآنوں میں وَتَوَكَّلْ ہے واو سے) اور (اَوْ) لَيَاْتِيَنَّنِيْ (نمل ع ۲ یعنی اس کا دوسرا) نون جو ہے اس کو مکی (قرآن) نے ظاہر کیا ہے (پس مکی میں آخری یا سے پہلے چار شوشہ ہیں ایک تا کا اور دوسرا یا کا اور دو نونوں کے اور باقی میں تین ہیں کیونکہ ان میں نون ایک ہے موسیٰ جار اللہ فرماتے ہیں کہ وَالشَّامِ قُلْ فَتَوَكَّلْ کے بجائے وَالشَّامِ فَافْتَوَكَّلْ اولیٰ تھا)

سورۂ نمل

100\10 اٰيٰتُنَا نَافِعٌ بِالْحَذْفِ طٰٓئِرُكُمْ وَادّٰرَكَ الشَّامِ فِيْهَا اِنَّنَا سُطِرَا

ترجمہ : اٰيٰتُنَا (ع ۱ اور) طٰٓئِرُكُمْ (ع ۴) اور (بَلِ) ادّٰرَكَ (ع ۵ تینوں کو) نافع نے (بھی یا اور طا اور

دال کے بعد والے الف کے) حذف ہی سے (روایت کیا ہے اور) شامی (قرآن) جو ہے (جو صحیفہ کے معنی میں ہے) اس میں (وَاٰبَآؤُنَا اَئِنَّا ع ۶ کے بجائے) اِنَّنَا لکھا گیا ہے (یعنی اس میں تمام قرآنوں میں دونوں الفوں کے درمیان دو شوشہ لکھے ہوئے تھے لیکن چونکہ وہ دونوں شامی میں یکساں تھے اور باقی قرآنوں میں پہلا شوشہ چھوٹا اور دوسرا بڑا تھا اس لیے ناقلین نے یہ فیصلہ کر دیا کہ شامی میں تو یہ دونوں شوشہ ابن عامر کی قراءۃ کے موافق دو نونوں کے ہیں کیونکہ وہ اور کسائی اس میں اِنَّنَا پڑھتے ہیں اور باقی قرآنوں میں پہلا شوشہ یا کا ہے جو زیر والے ہمزہ کی صورت ہے اور دوسرا نون کا ہے اور یہ اس لیے کیا ہے کہ نون کا شوشہ یا کے شوشہ سے قدرے بڑا ہوا کرتا ہے اور ان قرآنوں میں بڑا تھا بھی اس لیے اس کو نون کی شکل قرار دے دیا چنانچہ اس میں شامی اور کسائی کے سوا اوروں کی قراءۃ بھی اَئِنَّا ہے ایک نون سے پس پہلا شوشہ یا کا ہے جو ہمزہ کی صورت ہے اور دوسرا نون کا اور یَنْشُرُکُمْ یونس ع ۳ میں بھی یہی صورت تھی کہ شامی میں فا کلمہ کا شوشہ بڑا تھا اور عین کلمہ کا چھوٹا اس لیے ناقلین نے اول کو نون کی اور ثانی کو شین کی صورت قرار دے دیا اور باقی قرآنوں میں فرق نہیں تھا اس لیے ان میں اول کو سین کی اور ثانی کو یا کی شکل سمجھ لیا پس یہاں اِنَّنَا سَطِرًا کا یہ مطلب نہیں کہ اس میں شامی میں دو شوشہ تھے اور باقی میں ایک تھا جیسا کہ ظاہر عبارت سے وہم ہوتا ہے کیونکہ شوشہ تو تمام قرآنوں میں دو ہی تھے فرق صرف یہ تھا کہ شامی میں دونوں یکساں تھے اور باقی میں پہلا شوشہ چھوٹا اور دوسرا بڑا تھا خوب سمجھ لو۔ پس رسم اِنَّنَا کی دونوں قراءتوں کو شامل ہے)

فائدہ: اَئِنَّا میں حذف کلیہ کی بناء پر ہے اور ظٰہِرِکُمْ میں اختصار یا شمول کی اور اِدّٰرَکَ میں صرف شمول کی بناء پر ہے پس موسیٰ جار اللہ کا تینوں میں احتمال کی بناء پر قرار دینا مناسب نہیں۔

101\11 مَعًا بِهٰدِیْ عَلٰی خُلْفٍ فَنٰظِرَةٌ سِحْرٰنِ قُلْ نَافِعٌ بِفٰرِغًا قَصَرَا

ترجمہ: بِهٰدِی (الْعُمْیِ) جو دو جگہ ہے (یعنی نمل ع ۶ و روم ع ۵ میں اور) فَنٰظِرَةٌ (نمل ع ۳ اور) سٰحِرٰنِ (قصص ع ۵ تینوں) خُلْف پر ہیں (یعنی بعض قرآنوں میں تو ھا اور نون اور سین کے بعد الف ہے اور بعض میں نہیں اور) تو کہہ دے کہ فٰرِغًا (قصص ع ۱ کے پہلے الف) میں نافع نے (بھی) قصر کیا ہے (یعنی الف کا حذف بتایا ہے اور اس شعر کے چار کلمات میں سے نمبر ایک اور تین میں حذف شمول کی اور نمبر دو و چار میں اختصار کی بناء پر ہے اور ان دونوں میں حذف غیر قیاسی ہے)

102\12 مَکِّیُّهُمْ قَالَ مُوْسٰی نَافِعٌ بِعَلَیِّ هِ اٰیٰتٌ وَّلَهٗ فِصْلُهٗ ظَهَرَا

ترجمہ: ان میں کے مکی نے (وَقَالَ مُوْسٰی قصص ع ۴ کے بجائے) قَالَ مُوْسٰی (روایت کیا ہے یعنی مکی میں واؤ کے بغیر ہے ابن کثیر کی قراءۃ کی طرح اور باقی میں واؤ سے ہے اور) عَلَیْهِ اٰیٰتٌ (عنکبوت ع ۵) میں (یا

کے بعد والے الف کا حذف) نافع (کی بھی روایت) ہے (اور چونکہ یہ جمع مونث سالم ہے اس لیے حذف قیاسی ہے) اور (وَ) فِصٰلُهٗ (لقمٰن ع ۲ کے الف کا حذف بھی) ان (نافع) ہی کے لیے ظاہر ہوا ہے (اور دوسرے حضرات بھی ان کے ساتھ متفق ہیں اور اسی طرح وَفِصٰلُهٗ احقاف ع ۲ میں بھی حذف ہے جو خلاصۃ الرسوم اور خزانۃ الرسوم اور بحر العلوم سے معلوم ہوا ہے گو ناظمؒ اور دانیؒ نے اس کو بیان نہیں کیا اور اس میں دونوں جگہ حذف شمول کے لیے ہے کیونکہ اول حسن کی شاذ قراءۃ پر اور ثانی یعقوب کی قراءۃ پر وَفَصْلُهٗ ہے)

103\13 تُصٰعِرِ اتَّفَقُوْا تُظٰهِرُوْنَ لَهٗ وَيَسْـَٔلُوْنَ بِخُلْفٍ عٰلِمُ اقْتَصَرَا

104\14 لِلْكُلِّ بٰعِدْ كَذَ اَوَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ عَنْ نَافِعٍ وَنُجٰزِيْ قٰدِرٍ ذُكِرَا

ترجمہ: (اور وَلَا) تُصٰعِرْ (لقمٰن ع ۲) جو ہے (اس میں) سب (الف کے حذف پر) متفق ہیں (اور) تُظٰهِرُوْنَ (احزاب ع ۱ کے الف کا حذف بھی) ان (نافع) ہی کے لیے ہے (باقی اہل رسم کی طرح) اور يَسْـَٔلُوْنَ (احزاب ع ۲ کے الف کا حذف) خُلف کے ساتھ ہے (یعنی بعض میں تو سین کے بعد الف ہے اور بعض میں نہیں اور اس میں الف کا اثبات یا تو رویس کی قراءۃ کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ہے جو يَسَّآءَلُوْنَ ہے یا اس لیے ہے کہ حمزہ جو وقفاً ہمزہ کا الف سے ابدال کرتے ہیں اس کی طرف اشارہ ہو جائے ورنہ صرفی قاعدہ تو اس میں حذف ہی کو چاہتا ہے اور) عٰلِمُ (الْغَيْبِ سبا ع ۱ میں بھی الف کے اجماعی حذف کے سبب) سب کے لیے کوتاہ (کم حروف والا) ہو گیا ہے (پس شعر ۱۴ کا لِلْكُلِّ۔ اِقْتَصَرَا کے متعلق ہے اور يَسْـَٔلُوْنَ کے سوا باقی تین میں حذف شمول کے لیے ہے اور گو عٰلِمُ میں حذف کلیہ کے طور پر ہے جیسا کہ دوسرے باب میں آئے گا لیکن یہاں اس کو دانیؒ اور ناظمؒ نے اس لیے بیان کیا ہے کہ یہ محمد بن عیسیٰ کی روایت سے ہے جس کو انہوں نے نصیر سے نقل کیا ہے اور) بٰعِدْ (بَيْنَ سبا ع ۲ بھی) اسی طرح ہے (یعنی عٰلِمُ کی طرح اس میں بھی با کے بعد والا الف اجماعاً محذوف ہے) اور مَسٰكِنِهِمْ (اٰيَةٌ سبا ع ۲) میں (الف کا حذف باقین کی طرح) نافع سے (بھی) ہے اور (وَهَلْ) نُجٰزِيْ (سبا ع ۲ اور) بِقٰدِرٍ (يٰسٓ ع ۵ و احقاف ع ۴) یہ دونوں بھی (ان نافع ہی کے لیے الف کے حذف سے) بیان کیے گئے ہیں (پس ان تینوں میں نافع کی روایت سے الف نہیں ہے اور باقین سے بھی اسی طرح ہے اور یہ حذف نُجٰزِيْ میں اختصار کی اور باقی میں شمول کی بناء پر ہے اور بِقٰدِرٍ يٰسٓ میں رویس کی اور احقاف والے میں یعقوب کی قراءۃ يَقْدِرُ ہے اور ناظمؒ نے احقاف والے کو اس کے موقع پر بیان کیا ہے)

105\15 كُوْفٍ وَّمَا عَمِلَتْ وَالْخُلْفُ فِيْ فٰكِهِيْـ ـنَ الْكُلِّ اٰثٰرِهِمْ عَنْ نَّافِعٍ اُثِرَا

ترجمہ: (اور) وَمَا عَمِلَتْ (يٰسٓ ع ۳ ھا کے حذف سے) کوفی (کی رسم) ہے (اور باقی قرآنوں میں وَمَا

عَمِلَتْهُ ہے ھا سے اور وجہ ظاہر ہے) اور فٰکِھِیْنَ میں (یعنی اس کے) تمام (الفاظ کے الف کے حذف میں) خلاف ہے (اور یہ چار جگہ ہے فٰکِھُوْنَ یٰسین عَ ۴ میں) اور فٰکِھِیْنَ دخان و طور ع او تطفیف میں چاروں میں بعض قرآنوں میں الف ہے اور بعض میں نہیں اور یہ حذف طور والے میں اختصار کی اور باقی میں شمول کی بناء پر ہے اور) اٰثٰرِھِمْ (صٰفّٰت ع ۲) نافع سے (ثا کے بعد والے الف کے حذف کے ساتھ) نقل کیا گیا ہے (اور چونکہ ناظمؒ نے اس میں صٰفّٰت کی قید نہیں لگائی اس سے یہ نکلتا ہے کہ یٰسین ع ا والے میں بھی حذف ہی ہے چنانچہ موسیٰ جار اللہ کی شرح میں اور المعانی الجلیلہ میں بھی دونوں ہی میں حذف بتایا ہے لیکن افضل الدرر اور اتحاف میں صٰفّٰت والے ہی میں حذف بیان کیا ہے اور قرآن میں بھی یٰسین میں الف سے اور صٰفّٰت میں الف کے بغیر لکھا ہوا ہے اور اہل نظر پر تحقیق لازم ہے)

وَمِنْ سُوْرَةِ صٓ اِلٰی اٰخِرِ الْقُرْاٰنِ

باب کا چوتھا حصہ سورۂ صٓ سے قرآن کے ختم تک

(اس میں تیئس شعر ہیں)

1\106 عَنْ نَّافِعٍ كُذِبُ عِبْدَهُ بِخِلَا ... فِ تَاْمُرُوْنِیْ بِنُوْنِ الشَّامِ قَدْ نُصِرَا

ترجمہ: کُذِبُ (زمرع ا کے الف کا حذف) نافع سے (بھی) ہے (اور) عِبٰدَهٗ (زمرع ۴) خلاف کے ساتھ ہے (یعنی بعض میں تو با کے بعد الف ہے اور بعض میں نہیں اور حذف شمول کی بناء پر ہے اور) تَاْمُرُوْنِیّ (زمرع ۶) شامی کے (ایک اور) نون کے ساتھ ہو کر مدد (اور تائید) والا ہو گیا ہے (یعنی ناقلین نے اس کی تائید کی ہے اور صحیح نقل سے ثابت کیا ہے کہ شامی قرآن میں تَاْمُرُوْنَنِیْ دو نونوں سے لکھا ہوا ہے یعنی یا سے پہلے دو شوشہ ہیں اور باقی قرآنوں میں ایک نون سے ہے اور وجہ ظاہر ہے اور موسیٰ جار اللہ کی رائے پر بِنُوْنِ الشَّامِ قَدْ نُصِرَا کے بجائے بِنُوْنَیْ شَامِهٖ نُصِرَا بھی ممکن تھا اس سے شامی میں دو نونوں سے ہونا خوب واضح ہو جاتا)

2\107 اَشَدَّمِنْكُمْ لَهٗ اَوْاَنْ لِکُوْفِیَةٍ ... وَالْحَذْفُ فِیْ كَلِمٰتٍ نَافِعُ نَشَرَا

3\108 مَعَ یُوْنُسٍ وَّمَعَ التَّحْرِیْمِ وَاتَّفَقُوْا ... عَلَی السَّمٰوٰتِ فِیْ حَذْفَیْنِ دُوْنَ مِرَا

4\109 لٰكِنَّ فِیْ فُصِّلَتْ ثَبَتُ اَخِیْرُهُمَا ... وَالْحَذْفُ فِیْ ثَمَرٰتٍ نَافِعٍ شَهَرَا

ترجمہ: اَشَدَّ مِنکُمْ (مومن ع ۳) اسی (شامی) کے لیے ہے (یعنی شامی میں مِنکُمْ ہے کاف سے اور باقی قرآنوں میں مِنْھُمْ ہے ھا سے اور اس میں یہی دو قراء تیں بھی ہیں اور دِیْنَکُمْ اَوْاَنْ کوفی (قرآنوں) کے لیے ہے (یعنی کوفی میں اَوْاَنْ ہے واو سے پہلے ہمزہ سے اور باقی میں دِیْنَکُمْ وَاَنْ ہے ہمزہ کے بغیر عطف کے واو سے اور اس میں بھی دونوں قراء تیں ہیں اور یونس (ع ۴ و ع ۱۰ والے کَلِمٰتُ) سمیت اور تحریم (ع ۲ والے بِکَلِمٰتِ) سمیت کَلِمٰتُ (رَبِّکَ مومن ع ۱) میں (الف کا) حذف جو ہے (اس کو) نافع نے (بھی) پھیلایا (اور بیان کیا) ہے (یعنی کَلِمٰتُ میں ان چار موقعوں میں باقی اہل رسم کی طرح نافع سے بھی الف کا حذف ہے اور چونکہ یہ جمع مونث سالم ہے اس لیے یہ حذف قیاسی اور کلی ہے جیسا کہ دوسرے باب کے ۲۳ میں آئے گا اور مناسب یہ تھا کہ کَلِمٰت کے اس حذف کو انعام یا یونس میں بیان کرتے لیکن ناظمؒ نے دانیؒ کی پیروی میں اس کو متفرق کر کے تین جگہ اعراف' کہف' مومن میں بیان کیا ہے اور انعام والے کو صرف تانیث کی ھا کے باب ہی میں لائے ہیں کیونکہ دانیؒ نے بھی نافع کے محذوفات کو اسی ترتیب سے متفرق کر کے بیان کیا ہے اور وہ بھی انعام والے کو تانیث کی ھا ہی کے باب میں لائے ہیں اور اس میں حذف جمع والی قراءۃ پر ہے اور شمول کے لیے ہے) اور اَلسَّمٰوٰتِ (اور سَمٰوٰتٍ) پر (کسی) شبہ کے بغیر (اس کے) دونوں حذفوں میں سب متفق ہو گئے ہیں (یعنی سَمٰوٰتٍ کے دونوں الف جو میم اور واؤ کے بعد ہیں ہر جگہ اور تمام قرآنوں میں محذوف ہیں) لیکن فُصِّلَتْ (ع ۲ کے سَمٰوٰتٍ فِیْ) میں ان دونوں میں کا آخری (الف) ثابت ہے (یہ دانیؒ کی روایت ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ ثبوت یقینی نہیں اور اس کے رد میں کہا گیا ہے کہ دانیؒ مضبوط تر اور عادل تر ہیں اور سخاوی فرماتے ہیں کہ میں نے فُصِّلَتْ والے کو بھی شامی میں دونوں الفوں کے حذف ہی سے دیکھا ہے اور سَمٰوٰت میں ہر جگہ دونوں الفوں کا حذف اختصار کی بناء پر ہے اور مناسب یہ تھا کہ اس کو بقرہ میں بیان کرتے لیکن چونکہ دوسرے الف کا اثبات فصلت ہی والے میں تھا اس مناسبت سے اس کو یہاں بیان کیا ہے) اور (مِنْ) ثَمَرٰتٍ (فصلت ع ۶) میں (الف کا) حذف جو ہے (اس کو) نافع نے (بھی) مشہور کیا ہے (یعنی اس میں بھی حذف اجماعی ہے اور شمول کے لیے ہے)

110\5 عَنْهُ اَسْوِرَةٌ وَالرِّيْحَ وَالْمَدَنِیْ	عَنْهُ بِمَا كَسَبَتْ وَبِالشَّامِ جَرٰی
111\6 وَعَنْهُمَا تَشْتَهِيْهِ يٰعِبَادِیَ لَا	وَهُمْ عِبْدَ بِحَذْفِ الْكُلِّ قَدْ ذُكِرَا

ترجمہ: (۵) اَسْوِرَةٌ (زخرف ع ۵) اور (يُسْكِنِ) الرِّيْحَ (شوریٰ ع ۴ ان دونوں کے الف کا حذف بھی) ان (نافع) ہی سے ہے (اور یہ بھی اجماعی ہے اور شمول کے لیے ہے) اور مدنی (قرآن) جو ہے اس سے

(شوریٰ ع ۴ میں) بِمَا كَسَبَتْ (فا کے بغیر) ہے اور یہ (بِمَا) شامی میں (بھی فا کے بغیر ہی) جاری ہوا ہے (پس مدنی اور شامی میں مُصِيْبَةٍ بِمَا كَسَبَتْ سے ہے فا جزائیہ کے بغیر اور یہ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ انعام ع ۱۴ کے قبیل سے ہے اور باقی قرآنوں میں مُصِيْبَةٍ فَبِمَا ہے فا جزائیہ سے اور اس میں قراء تیں بھی یہی دو ہیں)

(۶) اور (زخرف ع ۷ میں) تَشْتَهِيْهِ (الْاَنْفُسُ کی ھا اور) يٰعِبَادِيَ لَا (خَوْفٌ) کی (دال کے بعد اضافت کی) یا (کا اثبات بھی) انہی دونوں (مدنی اور شامی) سے ہے (یعنی ان دونوں میں تَشْتَهِيْهِ میں یا کے بعد ضمیر کی ھا اور يٰعِبَادِيَ میں دال کے بعد اضافت کی یا بھی لکھی ہوئی ہے اور باقی قرآنوں میں تَشْتَهِي الْاَنْفُسُ اور يٰعِبَادِ لَا ہے ھا اور یا کے حذف سے) اور هُمْ عِبٰدُ (الرَّحْمٰنِ زخرف ع ۲ کی با کے بعد والا الف) تمام (قرآنوں) کے حذف سے بیان کیا گیا ہے (اور یہ حذف بھی شمول کے لیے ہے تاکہ هُمْ عِنْدَ والی قراءة کی طرف بھی اشارہ ہو جائے کیونکہ عثمانی قرآنوں میں نقطہ نہیں تھے پس عین کے بعد والا شوشہ با کا بھی ہو سکتا ہے اور نون کا بھی)

سورۂ احقاف

1127 اِحْسَانًا اِعْتَمَدَ الْكُوْفِيْ وَنَافِعُهُمْ   بِقٰدِرٍ حَذْفُهٗ اَثٰرَةٍ حَصَرَا

ترجمہ: اِحْسَانًا (احقاف ع ۲ کے بارہ میں) کوفی (قرآن کی رسم) نے (صحیح سند پر) اعتماد کیا ہے (یعنی کوفی میں یہ لفظ حا سے پہلے اور سین کے بعد دو الفوں کے اثبات سے لکھا ہوا ہے اور صحیح نقل سے ثابت ہے (كَذَا فِي الْاِتْحَافِ وَشَرْحِ جَارُ اللّٰهِ وَاَفْضَلُ الدُّرَرِ) لیکن قرآنوں میں سین پر کھڑا زبر لکھا ہوا ہے جو غالباً صحیح نہیں اور باقی قرآنوں میں حُسْنًا ہے ان دونوں الفوں کے بغیر) اور ان میں کے نافع نے (بھی) بِقٰدِرٍ (احقاف ع ۴) میں (الف کے حذف پر اعتماد کیا ہے اور وجہ یٰسین میں گزر چکی ہے اور) انہی (نافع) کے حذف نے اَثٰرَةٍ (احقاف ع۱) کو (بھی) گھیر لیا ہے (یعنی اس میں اجماعاً" حذف ہی ہے اثبات کسی سے بھی نہیں)

1138 وَنَافِعٌ عٰهَدَا ذُكُرٌ خٰشِعًا بِخِلَا   فِهِمْ وَذَا الْعَصْفِ شَامٍ ذُوالْجَلٰلِ قَرَا

ترجمہ: اور (بِمَا) عٰهَدَ (فتحنا ع ۱) کو نافع نے (بھی الف کے حذف ہی سے روایت کیا ہے) تو (اس رسم کو) بیان کر دے (اور "نکر) خٰشِعًا (قمر ع ۱ کے الف کا حذف) ان کے خلاف کے ساتھ ہے (یعنی بعض میں خا کے بعد الف ہے اور بعض میں نہیں) اور شامی (کی رسم) نے ذَا الْعَصْفِ (رحمٰن ع ۱ اور) ذُوالْجَلٰلِ (رحمٰن ع ۳) کو جمع کر لیا ہے (یعنی اول میں ذال کے بعد الف اور ثانی میں واو لکھا ہوا ہے اور الف نصب کی اور

واو رفع کی علامت ہے اور باقی قرآنوں میں ذَوَا الْعَصْفِ اور ذِی الْجَلٰلِ ہے اول میں واوَ سے اور ثانی میں یا سے اور واو رفع کی اور یا جر کی علامت ہے اور ذُوالْجَلٰلِ رحمٰن ع ۲ میں اجماعاً" واو ہے۔ یا ذَا الْعَصْفِ اور ذُوالْجَلٰلِ شامی کی رسم ہے اور اس ذُوالْجَلٰلِ وَالْاِکْرَام یعنی حق تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی مہمانی کی ہے کہ ان کو طرح طرح کی نعمتیں عطا فرمائی ہیں اور جار اللہ کے قول پر ذُوالْجَلٰلِ کے دوسرے موقع کی تعیین قرا کے لفظ سے ہوئی ہے کیونکہ مہمانی کے مناسب برکت کی کثرت ہے جو سورۃ کی آخری آیت میں مذکور ہے نہ کہ سب کے فنا ہو جانے کے بعد ذات واحد کا باقی رہنا جو ذُوالْجَلٰلِ کے پہلے موقع میں مذکور ہے اور آسان توجیہ یہ ہے کہ شہرت کو کافی سمجھ کر ذُوالْجَلٰلِ کے ساتھ ثانی کی قید نہیں لگائی)

114\9 تُکَذِّبَانِ بِخُلْفٍ مَّعْ مَوَاقِعَ دَ عُ ۔۔۔ لِلشَّامِ وَالْمَدَنِیْ هُوَ الْمُنِیفُ ذُرَا

ترجمہ: تُکَذِّبَانِ (رحمٰن میں سب جگہ اور) بِمَوْقِعِ (النُّجُوْمِ واقعہ ع ۳ دونوں کے الف کا حذف) خُلْف کے ساتھ ہے (یعنی بعض میں الف ہے اور بعض میں نہیں اول میں اثبات قیاس کے خلاف ہے اور حذف قیاسی ہے کیونکہ تثنیہ کا الف کلمہ کے درمیان ہو تو ہر جگہ محذوف ہوتا ہے عام ہے کہ اسم میں ہو خواہ فعل میں اور بِمَوٰقِعِ میں حذف شمول کے لیے ہے اور) تو شامی اور مدنی کے لیے (هُوَ الْغَنِیُّ حدید ع ۳ میں) اس هُوَ کو ترک کر دے جو (باقی قرآنوں میں) بلندیوں والوں کے نزدیک (یا بلندیوں کی رو سے) زیادہ ہونے والا ہے (یعنی شامی اور مدنی میں فَاِنَّ اللّٰهَ الْغَنِیُّ ہے هُوَ کے بغیر اور باقی قرآنوں میں فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِیُّ ہے هُوَ کے اثبات سے اور یہ زیادتی اہل فن میں خوب مشہور ہے)

115\10 وَکُلٌّ بِالشَّامِ اِنْ تَظٰهَرَا حَذَفُوْا ۔۔۔ وَاَنْ تَدٰرَکَهٗ عَنْ نَّافِعٍ ظَهَرَا

116\11 ثُمَّ الْمَشٰرِقِ عَنْهُ وَالْمَغٰرِبِ قُلْ ۔۔۔ عٰلِیَهُمْ مَعْ وَلَا کِذّٰبًا اِشْتَهَرَا

ترجمہ: (۱۰) اور (حدید ع ۱ میں وَ) کُلٌّ (وَعَدَ اللّٰهُ الف کے بغیر) شامی (کی رسم) ہے (پس شامی میں وَکُلٌّ ہے ابن عامر کی قراءۃ کی طرح اور باقی میں وَکُلًّا ہے باقین کی قراءۃ کے موافق لام کے بعد الف سے اور) ان (اہل رسم) نے نافع سے (بھی وَ) اِنْ تَظٰهَرَا (تحریم ع ۱ کے پہلے) اور اَنْ تَدٰرَکَهٗ (ن ع ۲ کے الف) کو حذف کیا ہے یہ (حذف ظاہر ہو گیا ہے) (۱۱) اور تو کہہ دے کہ (بِرَبِّ) الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ (معارج ع ۲ اور) عٰلِیَهُمْ (دہر ع ۱) اور وَلَا کِذّٰبًا (نبا ع ۲ ان چاروں کے الف کا حذف بھی) ان (نافع) ہی سے ہے (ان کلمات میں) یہ (حذف نافع ہی سے) مشہور ہو گیا ہے (اور دوسرے اہل رسم بھی ان کے ساتھ متفق ہیں چنانچہ دانیؒ مقنع میں فرماتے ہیں کہ میں نے مذکورۂ بالا تمام الفاظ کی رسم عراقی اور ان کے علاوہ دوسرے قرآنوں میں بھی

اسی طرح دیکھی ہے جس طرح ہم نے ان کو مدینہ والوں کے قرآن سے نقل کیا ہے پس وسیلہ سے جو یہ نکلتا ہے کہ عَلَيْهِمْ اور وَلَا كِذّٰبًا میں عراقی مصاحف میں الف ثابت ہے وہ درست نہیں)

117\12 قُلْ اِنَّمَآ اخْتَلَفُوْا جِمٰلَتٌ وَّبِحَذْ ... فِ كُلِّهِمُ الِفًا مِّنْ لَّامِهٖ سُطِرَا

ترجمہ: قُلْ اِنَّمَا (جن ع ۲ اور) جِمٰلَتٌ (مرسلات ع ۱ کے الف میں بھی) ان (اہل رسم) نے اختلاف کیا ہے اور یہ (جِمٰلَتٌ) اپنے لام سے ان سب کے الف کو حذف کرنے کے ساتھ لکھا گیا ہے (یعنی بعض میں قُلْ اِنَّمَا ہے الف کے بغیر اور بعض میں قَالَ ہے الف سے اور جِمٰلَتٌ میں میم کے بعد والا الف جو کلمہ کی بناء کا ہے یہ تو بعض میں ہے اور بعض میں نہیں رہا جمع کا الف جو لام کے بعد ہے سو وہ اجماعاً محذوف ہے اور ان دونوں کی یہ رسم نصیر سے ہے)

118\13 وَجِآئٓءَ اَنْدُلُسٍ تَزِيْدُهٗ اَلِفًا ... مَعًا وَّبِالْمَدَنِيْ رَسْمًا عُنُوْا سِيَرَا

ترجمہ: (اور) وَجِآئٓءَ جو دو جگہ (زمر ع ۷ اور و الفجر میں) ہے اس کو اندلس والے (ایک) الف زیادہ دیتے ہیں (یعنی جیم اور یا کے درمیان الف لکھتے ہیں تاکہ اس میں اور حَتّٰى میں فرق ہو جائے چنانچہ مِائَةٌ میں بھی اسی لیے الف زیادہ کیا ہے کہ اس میں اور مِنْهُ میں فرق ہو جائے) اور ان (اندلس والوں) نے (قرآن کی) کتابت (اور اپنی) عادتوں میں مدنی (قرآن) کا اہتمام کیا ہے (یعنی ان کی عادتیں بھی اہل مدینہ ہی جیسی پاکیزہ ہیں اور انہوں نے جِآئٓءَ کی یہ رسم بھی مدنی ہی سے نقل کی ہے اور وسیلہ میں ہے کہ میں نے شامی قرآن میں بھی اسی طرح دونوں کو الف کی زیادتی سے دیکھا ہے۔ موسیٰ جار اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بات عجیب ہے کہ رسم کے علماء نے اس کی تحقیق کے لیے مدنی قرآن کی طرف رجوع نہیں کیا اور موصوف اس توجیہ کو بھی پسند نہیں کرتے کہ یہ الف جِآئٓءَ اور حَتّٰى میں فرق کرنے کے لیے ہے کیونکہ جب حَتّٰى میں تاکا شوشہ ہے اور جِیْءَ میں نہیں تو فرق تو خود ہی موجود ہے پس ممکن ہے کہ یہ زیادتی اس لیے ہو کہ رسم اس ثابت شدہ قراءۃ کو بھی شامل ہو جائے جو فعل معروف کے ساتھ ہے)

119\14 خِتٰمُهٗ وَتُصٰحِبْنِيْ كَبٰٓئِرَ قُلْ ... وَفِيْ عِبٰدِيْ سُكٰرٰى نَافِعٌ كَثَرَا

ترجمہ: تو کہہ دے کہ خِتٰمُهٗ (تطفیف) اور (فَلَا) تُصٰحِبْنِيْ (کہف ع ۱۰ اور) كَبٰٓئِرَ (الْاِثْمِ شوریٰ ع ۱ و نجم ع ۲) اور فِيْ عِبٰدِيْ (والفجر اور) سُكٰرٰى (حج ع ۱ میں دو جگہ ان پانچوں کلمات کے الف کے حذف) کو نافع نے (بھی روایت کیا ہے ان کی) یہ (رسم) غالب (اور مشہور) ہو گئی ہے (ان پانچ کلمات میں سے نمبر دو اور چار میں حذف۔ اختصار کی اور باقی تین میں شمول کی بناء پر ہے اور مناسب یہ تھا کہ ان کلمات کو کہف میں بیان

کرتے لیکن چونکہ ان میں سے تین سورۂ ص کے بعد ہیں اس تعلق سے ان کو یہاں لائے ہیں نیز یہ پانچوں والی کو نصیر کے بجائے قاضی اسماعیل بن اسحاق سے پہنچے ہیں اس لیے مقنع میں ان کو ترکیب کا خیال نہ رکھتے ہوئے باب کے آخر میں بیان کیا تھا اس لیے ناظمؒ بھی ان کو بلا ترتیب لے آئے)

120\15 فَلَا يَخَافُ بِفَآءِ الشَّامِ وَالْمَدَنِيْ　　وَالضَّادُ فِيْ بِضَنِيْنٍ تَجْمَعُ الْبُشَرَا

ترجمہ: (اور) فَلَا يَخَافُ شامی اور مدنی کی فا سے ہے (پس ان دونوں میں فَلَا اور باقی میں وَلَا ہے واو سے) اور بِضَنِيْنٍ (تکویر) میں ضاد جو ہے وہ لوگوں کو جمع کرتا ہے (یعنی اس کو ضاد سے لکھنے پر اجماع ہے اور تمام قرآنوں میں ضاد ہی سے ہے گو ضاد اور ظا کے تقریباً ہم شکل ہونے کی بناء پر بعض کو یہ شبہ ہو گیا ہے کہ یہ ظا کی صورت میں لکھا ہوا ہے کیونکہ صدر اول کے قرآنوں میں ضاد اور ظا میں یہی فرق تھا کہ ضاد کا سرا ظا سے قدرے چھوٹا ہوتا تھا۔ موسیٰ جار اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اس طرح لکھا ہوا تھا کہ اس کا سرا قدرے مڑا ہوا تھا اس لیے بعض نے تو اس کو ظا کہہ دیا اس تقدیر پر تو یہ لَيْسَ بِمُتَّهَمٍ کے معنی میں ہوگا یعنی آپ وحی میں ذرا سی بھی زیادتی نہیں کرتے اس لیے آپ پر تہمت نہیں لگائی جا سکتی اور آپ کا اس سے بری ہونا حق تعالیٰ نے وَلَوْ تَقَوَّلَ الخ حاقہ میں بیان فرمایا ہے اور بعض اس کے قائل ہو گئے کہ یہ ضاد ہے اور اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ آپ بخیل نہیں ہیں تاکہ وحی کا کچھ حصہ چھپا لیں بلکہ اس کے پہنچانے میں امین ہیں اس میں ذرا بھی کمی نہیں کرتے جس کا ذکر يَاأَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مائدہ ع ١٠ میں ہے پس ابو عبید نے جو یہ فرمایا ہے کہ ہم ظا کی قراءۃ کو پسند کرتے ہیں ان کا یہ قول صحیح نہیں کیونکہ ضاد اور ظا دونوں ہی نقل صحیح سے ثابت ہیں)

121\16 وَفِيْ أَرَيْتَ الَّذِيْ أَرَيْتُمْ اخْتَلَفُوْا　　وَقُلْ جَمِيْعًا مِهٰدًا نَافِعٌ حَشَرَا

ترجمہ: اور أَرَأَيْتَ الَّذِيْ (علق اور ماعون میں اور) أَرَأَيْتُمْ (جمع) میں ان (اہل رسم) نے اختلاف کیا ہے (یعنی بعض میں را کے بعد الف ہے جو ہمزہ کی شکل ہے اور بعض میں نہیں ہے یعنی أَرَءَيْتَ أَفَرَءَيْتَ أَرَءَيْتَكُمْ کے ان تمام کلمات میں جن میں را سے پہلے استفہام کا ہمزہ ہو سب جگہ را کے بعد والا الف محذوف ہے لیکن علق اور ماعون والے میں اور أَرَأَيْتُمْ جمع میں بعض میں الف ہے اور بعض میں نہیں یہ تفصیل تو سخاوی کی وسیلہ کی رو سے ہے اور مقنع اور اتحاف کا مفہوم یہ ہے کہ استفہام کے ہمزہ کے بعد والے أَرَءَيْتَ میں جمع ہو خواہ واحد ہر جگہ دونوں وجوہ ہیں رہا رَأَيْتَ جس میں را سے پہلے استفہام کا ہمزہ نہ ہو سو وہ سب قرآنوں میں الف ہی سے ہے) اور تو کہہ دے کہ مِهٰدًا کو سب جگہ نافع نے (بھی الف کے حذف کے ساتھ) جمع کیا ہے (اور سب جگہ سے وہ موقع مراد ہیں جن میں مِهٰدًا۔ الْأَرْضِ کے بعد ہے جو صرف تین جگہ طٰہٰ ع ٢ اور زخرف و نبا ع ١ میں ہے اور جن موقعوں میں الْأَرْضِ کے بعد نہیں ہے جیسے جَهَنَّمَ مِهَادٌ اور يُوْنُسَ

الْمِهَادُ وغیرہ ان میں اجماعاً" الف سے ہے اور مِهْدًا طٰهٰ و زخرف میں حذف شمول کی اور نبا والے میں اختصار کی بناء پر ہے)

122\17 مَعَ الظُّنُوْنَ الرَّسُوْلَا وَالسَّبِيْلَ لَدَى الْ اَحْزَابِ بِالْاَلِفَاتِ فِي الْاِمَامِ تُرٰى

ترجمہ: (ابو عبید اور نصیر کی روایت سے) اَلظُّنُوْنَ (احزاب ع ۲) سمیت اَلرَّسُوْلَ اور اَلسَّبِيْلَ جو احزاب (ع ۸) میں ہیں یہ (تینوں) امام میں (بھی نون اور لام کے بعد) الفوں کے ساتھ دیکھے جاتے ہیں (یعنی تینوں میں نون اور لام کے بعد الف لکھا ہوا ہے جو اشباع سے پیدا ہوا ہے اور یہ الف فواصل کے یکساں کرنے کے لیے ہے کیونکہ اس سورت کی تمام آیات الف پر ختم ہوتی ہیں اور اس میں قراء کی تین جماعتیں ہیں (۱) وہ جو رسم کی پیروی کی بناء پر دونوں حالتوں میں الف پڑھتے ہیں پس یہ وقف میں بھی وصل کا لحاظ رکھتے ہیں (۲) وہ جو رسم کی موافقت کے سبب دونوں حالتوں میں حذف کرتے ہیں (۳) وہ جو وصل میں حذف سے اور وقف میں اثبات سے پڑھتے ہیں تاکہ اصل اور رسم دونوں پر عمل ہو جائے نیز وقف رسم کے تابع ہوا کرتا ہے اور وصل میں حذف اس لیے ہے کہ یہ الف زائد ہے)

123\18 بِهُوْدَ وَالنَّجْمِ وَالْفُرْقَانِ كُلُّهُمُ وَالْعَنْكَبُوْتِ ثَمُوْدًا طَيِّبُوْا ذَفَرًا

ترجمہ: ان میں کے سب نے ہود (ع ۶) اور نجم (ع ۳) اور فرقان اور عنکبوت (ع ۴) میں (چاروں جگہ) ثَمُوْدًا کو (دال کے بعد الف سے لکھ کر) عمدہ کر دیا ہے حالانکہ یہ (ثَمُوْدًا) عمدہ خوشبو (سے تشبیہ دیا گیا) ہے (کیونکہ الف کے ساتھ مرسوم ہونا اس کے منصرف ہو جانے پر دلالت کرتا ہے اور چونکہ یہ رفعی اور جری حالت میں بھی بعض قراء توں پر منصرف ہو کر آیا ہے چنانچہ لِثَمُوْدٍ کسائی کی اور بَعِدَتْ ثَمُوْدٌ وغیرہ اعمش کی قراءۃ پر منصرف ہے اور نصبی حالت میں بھی دونوں طرح آیا ہے اس لیے یہ قطعی دلیل ہے اس پر کہ غیر منصرف کو منصرف کر دینا بھی جائز ہے یا ان چاروں موقعوں میں ثَمُوْدًا کو الف سے لکھا ہے حالانکہ یہ خوشبو کے اعتبار سے عمدہ ہے خلاصہ یہ کہ ثَمُوْدًا ان چاروں موقعوں میں تمام قرآنوں میں الف سے ہے)

فائدہ: چونکہ اسم کا منصرف ہونا ایک نفیس قاعدہ ہے اور ثَمُوْدًا کی یہ رسم اس پر دلالت کرتی ہے اس لیے طَيِّبُوْا زَفَرًا یا طَيِّبًا ذَفَرًا میں اس اصل کی عمدگی بتا دی۔

124\19 سَلٰسِلًا وَقَوَارِيْرًا مَعًا وَلَدَى الْ بِصْرِيِّ فِي الثَّانِيْ خُلْفٌ صَارَ مُشْتَهِرًا

ترجمہ: (اور اہل رسم نے دہر ع ۱ میں) سَلٰسِلًا اور (اس) قَوَارِيْرًا کو (بھی الف سے لکھ کر عمدہ کر دیا ہے) جو دو جگہ ہے (پس تینوں میں الف لکھا ہوا ہے اول میں دوسرے لام کے بعد اور قَوَارِيْرًا کے دونوں

کلمات میں را کے بعد) اور بصری کے نزدیک دوسرے (قَوَارِیْرًا کے الف) میں (ایسا) خُلف ہے جو مشہور ہو گیا ہے (یا ایسا خُلف ہے جو شہرت والا ہونے کی حالت میں جاری ہو گیا ہے)

فائدہ : (۱) قوی قول کے بناء پر پہلے قَوَارِیْرًا میں الف ہے اور سَلاَ سِلاَ اور دوسرے قَوَارِیْرًا میں چار روایتیں ہیں۔ (۱) نافع کے قول پر دونوں میں الف ہے (۲) ابو عبید فرماتے ہیں کہ دونوں میں الف تھا لیکن کسی نے مٹا دیا اور میں نے مٹے ہوئے کا نشان دیکھا ہے (۳) نصیر کے قول پر کوفہ کے قدیم قرآنوں میں سَلاَ سِلاً اور دونوں قَوَارِیْرًا تینوں میں الف ہے اور جدید مصاحف میں دوسرے قَوَارِیْرَ میں نہیں ہے (۴) نصیر ہی کی دوسری روایت یہ ہے کہ کوفی قرآنوں میں تو تینوں میں الف ہے اور شامی میں سَلاَ سِلَ میں نہیں ہے اور باقی دو میں ہے اور یہ دو روایتیں صرف قَوَارِیْرًا کے متعلق ہیں اور دونوں خُلف سے ہیں (۱) پہلے میں الف ہے اور دوسرے میں اختلاف ہے (۲) دونوں میں نہیں اور چونکہ پہلے قَوَارِیْرًا میں صرف اسی ایک روایت سے حذف ہے اس لیے ناظمؒ نے اس کو نہیں لیا۔

نتیجہ یہ کہ قَوَارِیْرًا میں تین صورتیں ہیں : (۱) دونوں میں الف ہے یہ مدنی، کوفی، شامی کی رسم ہے (۲) دونوں میں نہیں یہ ابن الانباری کی روایت ہے (۳) اول میں ہے اور ثانی میں نہیں یہ امام کی رسم ہے اور مکی اور بصری میں ایک روایت کی رو سے تو امام کی طرح اول میں ہے اور ثانی میں نہیں اور دوسری روایت پر دونوں میں الف ہے اور یہ تمام روایات اور اختلافات مقنع میں مذکور ہیں اور ناظمؒ نے ان میں سے دو قولوں کو لیا ہے (۱) دونوں میں الف ہے (۲) اول میں ہے اور ثانی میں ددنوں وجوہ ہیں۔ رہا سَلْسَبِیْلُ سو اس میں مقنع کی رو سے تمام قرآنوں میں دوسرے لام کے بعد الف ہے اور نظم سے بھی یہی نکلتا ہے لیکن وسیلہ میں ہے کہ میں نے اس کو شامی قرآن میں الف کے بغیر دیکھا ہے اور اس کو بعض تو منصرف پڑھتے ہیں یا تو اَغْلٰلًا کی مناسبت سے یا اس لغت کی بناء پر جس کی رو سے غیر منصرف کا منصرف کر لینا بھی درست ہے اور بعض غیر منصرف پڑھتے ہیں پھر ان میں سے بعض اصل کے موافق الف کے بغیر وقف کرتے ہیں اور بعض رسم کے سبب الف سے کرتے ہیں اور قَوَارِیْرًا میں بھی یہی دو صورتیں ہیں۔ لیکن اس کا منصرف کرنا صرف لغت کی بناء پر ہے نہ کہ مناسبت کی بناء پر بھی اور غیر منصرف پڑھنے والوں میں سے بعض تو دونوں پر الف سے وقف کرتے ہیں اول میں فواصل اور رسم دونوں کی اور ثانی میں صرف رسم کی بناء پر اور بعض دونوں میں اصل کی رعایت سے الف کے بغیر وقف کرتے ہیں۔

فائدہ ۲ : (۱) بصری کے لیے جو ثانی میں خُلف بتایا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک روایت پر اس میں الف ہے اور دوسری پر نہیں (۲) مذکورہ بالا ترجمہ کی رو سے سَلْسِلاَ۔ ثَمُوْدًا پر معطوف ہو کر طَیِّبُوْا کا مفعول ہے اور ایک صورت یہ بھی ہے کہ قَوَارِیْرًا کے بعد ان دونوں کی خبر مقدر مان لیں ای سَلْسِلاً وَّ قَوَارِیْرًا مَّعًا بِالْاَلِفِ اس صورت میں عطف کی حاجت نہ ہوگی۔

125\20 وَلُؤْلُؤًا كُلُّهُمْ فِي الْحَجِّ وَاخْتَلَفُوْا　　فِيْ فَاطِرٍ وَّيَثْبُتٍ نَّافِعٌ نَّصَرَا

126\21 وَفِيْ الْإِمَامِ سِوَاهُ قِيْلَ ذُوْاَلِفٍ　　وَقِيْلَ فِي الْحَجِّ وَالْإِنْسَانِ بَصِرٍ اَرٰى

127\22 لِلْكُوْفِ وَالْمَدَنِيْ فِيْ فَاطِرٍ اَلِفٌ　　وَالْحَجِّ لَيْسَ عَنِ الْفَرَّآءِ فِيْهِ مِرَا

ترجمہ : (۲۰) اور لُؤْلُؤًا کو حج (ع ۳) میں ان میں کے سب نے (واو کی صورت والے ہمزہ کے بعد الف سے لکھا ہے یعنی حج والے میں تمام قرآنوں میں واو کے بعد الف ہے) اور فاطر (ع ۴ والے وَلُؤْلُؤًا) میں ان (اہل رسم) نے اختلاف کیا ہے (چنانچہ کوفی اور مدنی میں تو واوَ کے بعد الف ہے جیسا کہ شعر ۲۲ میں آرہا ہے اور باقی قرآنوں میں نہیں ہے) اور نافع نے ثابت (اور قوی نقل) سے (اس فاطر والے کی) مدد (اور تائید) کی ہے (یعنی یہ بتایا ہے کہ اسمیں واو کے بعد الف ہے اور اس الف کی زیادتی کے بارہ میں پانچ قول ہیں (۱) نافع کی روایت پر حج اور فاطر دونوں میں الف ہے اور یہ اسی شعر ۲۰ میں مذکور ہے۔

(۲۱) اور کہا گیا ہے کہ امام میں اس (فاطر والے) کے سوا (لُؤْلُؤًا کا ہر ایک لفظ واو کے بعد) الف والا ہے (پس (۲) ابو عبید کے قول پر امام میں فاطر والے میں الف نہیں اور باقی سب میں ہے اور کہا گیا ہے کہ حج (ع ۳) اور انسان (سورۂ دہر ع ۱ والے لُؤْلُؤًا) میں بصری (قرآن) نے (الف) دکھایا ہے (پس (۳) عیسیٰ اصفہانی کی روایت پر بصری قرآنوں میں حج اور دہر والے لُؤْلُؤًا میں الف ہے اور باقی موقعوں میں نہیں۔ (۲۲) فراء (کی روایت) سے کوفی اور مدنی کے لیے فاطر (ع ۴) اور حج (ع ۳ والے ہی) میں الف ہے اس (قول میں یا الف کے اثبات) میں (ذرا بھی) شبہ نہیں (پس (۴) فراء کی روایت پر فاطر اور حج والے میں الف ہے باقی موقعوں میں نہیں اور یہ بعینہٖ اول کے مطابق ہے اور (۵) مدینہ والوں کے قرآن میں لُؤْلُؤًا تمام موقعوں میں الف سے لکھا ہوا ہے یہ ابراہیم الحسن کی روایت ہے جس کو انہوں نے اسید سے اور اسید نے اعرج سے نقل کیا ہے اور اس کو ناظمؒ نے بیان نہیں کیا لیکن مقنع میں مذکور ہے نتیجہ یہ کہ حج والے میں تمام قرآنوں میں اور تمام ناقلین کی روایت سے الف ہے اور اس کے ماسوا میں بعض میں ہے اور بعض میں نہیں)

لُؤْلُؤًا کے دوسرے ہمزہ کے بعد رفعی اور جری حالت میں الف زائد لکھنے کی وجہ

128\23 وَزِيْدَ لِلْفَصْلِ اَوْلِلْهَمْزِ صُوْرَتُهٗ وَالْحَذْفُ فِيْ نُوْنِ تَاْمَنَّا وَثِيْقُ عُرَا

ترجمہ: اور (لُؤْلُؤٌ میں) اس (الف) کی صورت جدائی کرنے (اور کلمہ کی تمامی بتانے) کے لیے یا ہمزہ (کے قوی کرنے) کے لیے زیادہ کی گئی ہے (پس اس تقدیر پر صُوْرَتُہٗ زِيْدَ کا فاعل ہوگا یا یہ الف جدائی کرنے کے لیے یا ہمزہ یعنی اس کی صورت کے قوی کرنے کے لیے زیادہ کیا گیا ہے اس صورت میں زِيْدَ کا فاعل ضمیر مستتر ہے جو الف کے لیے ہے اور صُوْرَتَهٗ یا تو اَعْنِيْ مقدر کا مفعول ہے یا تا کے کسرہ کے ساتھ لِلْهَمْزِ سے بدل ہے اور مطلب یہ ہے کہ لُؤْلُؤٌ میں الف کے زیادہ کرنے کی دو وجوہ ہیں۔ (۱) یہ الف فاصل ہے جو کلمہ کی تمامی بتانے اور اس کو مابعد سے جدا کرنے کے لیے آتا ہے یعنی چونکہ اس میں ہمزہ واوء کی صورت میں لکھا ہوا ہے اس بناء پر یہ اس واؤ کی طرح ہو گیا جو واحد اور جمع کے آخر میں آیا کرتا ہے پس جس طرح يَدْعُوْا اور قَالُوْا وغیرہ میں واو کے بعد الف فاصل زائد ہوتا ہے اسی طرح لُؤْلُؤٌ میں بھی واؤ کی صورت والے دوسرے ہمزہ کے بعد الف لکھا گیا ہے اور یہ وجہ رفع اور جر کی صورت میں ہے رہا نصب والا لُؤْلُؤًا سو اس میں الف تنوین کے عوض میں ہوگا (۲) یہ الف ہمزہ کی صورت یعنی واؤ کے قوی کرنے کے لیے زیادہ کیا گیا ہے کسائی فرماتے ہیں کہ جس طرح ہمزہ تلفظ میں مد کے ذریعہ قوی ہو جاتا ہے اسی طرح کتابت میں بھی اس کی صورت کو الف مدہ کے ذریعہ قوی کر دیا گیا) اور (لَا) تَاْمَنَّا (یوسف ع ۲) کے نون میں حذف مضبوط حلقوں (اور دستوں) والا ہے (اور قوی دلیلیں رکھتا ہے یعنی جس طرح مضبوط حلقہ کو پکڑ لینے والا گرنے سے بے فکر ہو جاتا ہے اسی طرح اس میں نون کو حذف کرنے والے بھی معترضین کے اعتراض سے بے خوف ہیں خلاصہ یہ کہ لَا تَاْمَنَّا سب قرآنوں میں ایک نون سے لکھا ہوا ہے اور لام کلمہ کا نون ادغام کے سبب رسم سے بھی محذوف ہے اور اس میں حذف کا قائل ہونے کی حاجت اس صورت میں ہے جبکہ نون کی حرکت کو اظہار و روم سے پڑھیں کیونکہ اس صورت میں دو نون پڑھے جاتے ہیں جو اصل کے موافق ہیں رہی کامل ادغام کی صورت سو اس میں تو قیاس کی رو سے بھی ایک ہی نون ہونا چاہیے)

فائدہ: بقرہ سے یہاں تک فروش تھے جو ختم ہو چکے ہیں اس حصہ میں اکثر جگہ نافع ابو عبید اور نصیر کی روایتیں ہیں اس میں جن موقعوں میں ناظمؒ نے نافع کا نام نہیں لیا ان میں اکثر تو نصیر کی روایت سے ہیں جن میں سے بعض میں دوسرے حضرات بھی ان کے ساتھ شریک ہیں اور کم موقع ایسے ہیں جو ابو عبید کی روایت سے

بَابُ الْحَذْفِ فِيْ كَلِمَاتٍ تُحْمَلُ عَلَيْهَا أَشْبَاهُهَا

دوسرا باب ان کلمات کے بیان میں جن میں حذف قاعدۂ کلیہ کے طور پر ہے اور ہر جگہ ہے یعنی ان پر قیاس کر کے ان کے ہم شکلوں میں بھی حذف جاری ہوتا ہے

(اس میں تینتیس شعر ہیں)

فائدہ: چونکہ فن قراآت میں اصول کم اور فروش زیادہ تھے اور رسم میں اس کا عکس تھا اس لیے شاطبیہ میں اصول کو اور اس قصیدہ میں فروش کو پہلے لائے ہیں۔

129\1 وَهَاكَ فِيْ كَلِمَاتٍ حَذْفَ كُلِّهِمِ   وَاحْمِلْ عَلَى الشَّكْلِ كُلَّ الْبَابِ مُعْتَبِرَا

ترجمہ: (ا) اور تو (چند) کلمات (کے الف) میں ان سب (اہل رسم) کے حذف کو لے لے اور (ان میں سے اس ہر ایک) ہم شکل (کلمہ) پر پورے باب کو (یعنی اس جیسے تمام کلمات کو) قیاس کر لے (گو ان میں قدرے فرق بھی ہو) حالانکہ تو (پورے غور سے) قیاس کرنے والا ہو (یعنی اس باب میں جتنے کلمات آئیں گے ان سب میں الف کا حذف اجماعی ہے اور یہ حذف ان کلمات کی اسی شکل کے ساتھ مخصوص نہیں ہے جس صورت سے ناظمؒ ان کو لائے ہیں بلکہ جو کلمات بھی اپنے ابتدائی حصہ کے اعتبار سے ان کے ہم شکل ہوں گو آخری حصہ کے اعتبار سے ان میں کچھ فرق بھی ہو یہ حذف ان سب میں جاری ہے مثلاً ناظمؒ نے لٰكِنْ۔ اُولٰٓئِكَ۔ ذٰلِكَ میں الف کا حذف بتایا ہے تو یہ حذف ان کی اسی صورت کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ لٰكِنَّ۔ لٰكِنَّا۔ لٰكِنَّكُمْ لٰكِنِّيْ۔ لٰكِنِ الَّذِيْنَ۔ اُولٰٓئِكُمْ۔ ذٰلِكُمَا۔ ذٰلِكُمْ ذٰلِكُنَّ۔ كَذٰلِكَ میں بھی جاری ہے پس اَلشَّكْلِ سے تو خود یہی کلمات مراد ہیں جو اس باب کے اشعار میں آرہے ہیں اور كُلَّ الْبَابِ سے انہی کی دوسری شکلوں کی طرف اشارہ ہے مثلاً ذٰلِكَ کے بجائے ذٰلِكُمَا ہو یا اَلسَّلٰمُ کے بجائے سَلٰمٌ ہو خوب سمجھ لو)

130\2 لٰكِنْ اُولٰٓئِكَ وَالّٰٓئِ وَ ذٰلِكَ هَا   يَا وَالسَّلٰمُ مَعَ الّٰتِيْ فَرُدْ غُدُرَا

131\3 مَسٰجِدٍ وَّاٰلِهِ مَّعْ مَلٰٓئِكَةٍ   وَاذْكُرْ تَبٰرَكَ وَالرَّحْمٰنُ مُغْتَفِرَا

132\4 وَلَاخِلٰلَ مَسٰكِيْنَ الضَّلٰلُ حَلا ۔ لُ وَالْكَلٰلَةِ وَالْخَلٰقُ لَا كَدَرَا

133\5 سُلٰلَةٍ وَّغُلٰمٌ وَّالظِّلٰلِ وَ فِيْ ۔ مَابَيْنَ لَامَيْنِ هٰذَا الْحَذْفُ قَدْ عُمِرَا

ترجمہ: (۴) (ان چار شعروں کے بائیس کلمات بھی انہی کلمات میں سے ہیں جن میں الف کا حذف قاعدہ کلیہ کی بناء پر ہے) پس تو (لٰکِنْ کے شعر والے آٹھوں کلمات کو یاد کر کے علم کے) تالابوں کو تلاش کر لے (یعنی چونکہ ان میں حذف ہر جگہ ہے اس لیے ان کے یاد کر لینے سے قرآن کے بہت سے حصہ کی رسم کا علم ہو جائے گا یا ان کی برکت سے تمہیں اور بھی بہت سے علوم نصیب ہو جائیں گے اور چونکہ طالب علم کا پیاسا ہوتا ہے اس لیے تالابوں کا ذکر اس کی حالت کے مناسب ہے یعنی تو علم کے تالابوں کے ذریعہ اپنی پیاس بجھا لے اور بعض نسخوں میں فَزِدْ غُدُرَا ہے زا سے یعنی خدا کرے تیرے علم کے تالاب زیادہ ہو جائیں۔ **تفصیل شعر ۲:** کے آٹھوں کلمات اپنی اس موجودہ شکل سے آئیں خواہ قدرے فرق سے ان میں ہر حال میں حذف ہے چنانچہ لٰكِنْ کا نون ساکن ہو یا اس پر زیر ہو جیسے لٰكِنِ الَّذِيْنَ یا اس پر تشدید ہو جیسے لٰكِنَّ اس کے ساتھ ضمیر ہو جیسے وَلٰكِنِّيْ یا نہ ہو سب اسی میں شامل ہیں اور اُولٰٓئِكَ میں اُولٰٓئِكُمْ بھی شامل ہے اور الّٰٓئِيْ۔ اِلٰی کی طرح چھ کے بجائے تین حروف سے لکھا ہوا ہے یعنی اس میں سے ایک لام اور الف اور ہمزہ محذوف ہے اور ذٰلِكَ میں كَذٰلِكَ اور ذٰلِكُمَا اور ذٰلِكُمْ ذٰلِكُنَّ سب شامل ہیں اور ھا سے تنبیہ کی ھا مراد ہے جیسے هٰذَا۔ هٰذٰنِ۔ هٰذِهٖ۔ هٰٓؤُلَآءِ۔ هٰٓاَنْتُمْ اور یا سے مراد یائے ندائیہ ہے جیسے يٰعِبَادِ۔ يٰنُوْحُ۔ يٰصٰلِحُ۔ يٰمَرْيَمُ وغیرہ اور يٰٓاُخْتَ اور هٰٓاَنْتُمْ میں جو یا اور ھا کے بعد الف لکھا جاتا ہے وہ اَنْتُمْ اور اُخْتَ کے ہمزہ کی شکل ہے یا اور ھا کا الف نہیں ہے، اور اَلسَّلٰمُ کا ذکر بقرہ میں نافع کی روایت کی بناء پر تھا اور مائدہ اور انعام والے کے ساتھ مخصوص تھا اور یہاں یہ بتانے کے لیے ہے کہ اس میں حذف کلیہ کے طور پر ہے) (۳) مَسٰجِدَ اور اِلٰهُ اور الْمَلٰٓئِكَةُ (بھی انہی کلمات میں سے ہیں جن میں حذف کلیہ کے طور پر ہے) اور تو (انہی کے ساتھ) تَبٰرَكَ اور الرَّحْمٰنِ کو (بھی) یاد کر لے حالانکہ تو (حذف کے ذریعہ ان کے الف کو) چھپانے والا ہو۔ (یا حالانکہ وہ رحمٰن خطاؤں کا بخشنے والا ہے چونکہ تَبٰرَكَ اور الرَّحْمٰنُ میں حذف زیادات میں سے ہے اس لیے مُغْتَفِرًا لے آئے کہ اگر اس بیان میں کوئی غلطی ہو گئی ہو گی تو حضرت رحمٰن معاف فرما دیں گے یا حالانکہ تو بخشا ہوا ہے) (۴) (اس شعر کے چھوں کلمات بھی انہی میں سے ہیں جن کے الف کا حذف کلیہ کے طور پر ہے اور مَسٰكِيْنَ میں ہر جگہ صرف حذف ہے لیکن مائدہ ع ۱۳ والے میں دونوں وجوہ ہیں جیسا کہ بقرہ میں گذر چکا ہے اور اس حذف میں کوئی) کدورت نہیں ہے (کیونکہ ان سب کلمات میں الف لام کے بعد ہے اور لام والف خط میں تقریباً یکساں ہوتے ہیں پس گویا ان کلمات میں الف کا حذف تماثل کی بناء پر ہے) (۵) (اس شعر کے تین کلمات بھی انہی میں سے ہیں جن میں الف کا حذف کلیہ کے طور پر ہے) اور یہ (الف کا) حذف ان (تمام الفات) میں آباد کر

دیا گیاہے جو دو لاموں کے درمیان ہو (یعنی جو الف دو لاموں کے درمیان ہو وہ ہر جگہ محذوف ہوتا ہے اور اس قسم میں سے انہی چھ کلمات کے ساتھ مخصوص نہیں جو شعر ۴ و ۵ میں بیان ہوئے ہیں)

فائدہ: (۱) لٰکِنْ۔ اُوْلٰئِکَ سے شعر ۵ تک کے تمام کلمات یا تو شعر (۱) کے کَلِمَاتٍ سے بدل ہونے کے سبب مجرور ہیں اور بعض میں جر کا نہ آنا حکایت کی بناء پر ہے یا یہ سب کلمات ھِیَ مقدر کی خبر ہیں (۲) شعر ۳ کے دوسرے مصرع میں اشارہ ہے کہ ذکر الٰہی گناہوں کی مغفرت کا سبب ہے۔

تثنیہ کے الف کے حذف کا قاعدہ اور اس کی شرط

134\6 وَفِي الْمُثَنّٰى اِذَا مَالَمْ يَكُنْ طَرَفًا ۔۔۔ كَسٰحِرٰنِ اَضَلّٰنَا فَطِبْ صَدَرًا

ترجمہ: اور (وہ الف) تثنیہ (کے صیغہ) میں (بھی ہر جگہ حذف کیا جاتا ہے) جبکہ وہ (تثنیہ کا الف کلمہ کے) آخر میں نہ ہو (اور اس الف کی مثالیں) سٰحِرٰنِ (قصص ع ۵ اور) اَضَلّٰنَا (فصلت ع ۴) کی طرح ہیں پس تو سینہ کے اعتبار سے خوش رہ (یعنی تو نے رسم کا مفید اور نفیس علم حاصل کر لیا ہے حق تعالیٰ تجھے اس میں خوب ترقی دے جس سے تیرا دل ہمیشہ خوش رہے پس جو الف تثنیہ کے صیغہ میں ہو اسم میں ہو جو اعراب کی علامت ہوتا ہے خواہ فعل میں جو فاعل کی ضمیر ہوتا ہے اگر وہ کلمہ کے درمیان ہو اور بالکل آخر میں نہ ہو چنانچہ سٰحِرٰنِ اور اَضَلّٰنَا میں یہی صورت ہے تو وہ الف ہر جگہ رسم سے محذوف ہوتا ہے اور اگر یہ الف کلمہ کے آخر میں ہو جیسے اَنْ تَفْشَلَا (آل عمران ع ۱۳) اور فَاسْتَقِيْمَا (یونس ع ۹) وغیرہ تو وہ ہر جگہ ثابت رہتا ہے)

جمع متکلم کے نون کے بعد والے الف کے حذف کا قاعدہ اور اس کی شرط

135\7 وَبَعْدُ نُوْنِ ضَمِيْرِ الْفَاعِلِيْنَ كَاٰ ۔۔۔ تَيْنَا وَزِدْنَا وَعَلَّمْنَا حُلًا خَضِرًا

ترجمہ: اور (وہ الف) فاعلوں کی ضمیر کے نون کے بعد (جمع متکلم کے صیغہ میں بھی ہر جگہ حذف کیا جاتا ہے جبکہ وہ کلمہ کے آخر میں نہ ہو اور اس الف کی مثالیں) اٰتَيْنٰهُ (اور) وَعَلَّمْنٰهُ (کہف ع ۹ اور) وَزِدْنٰهُمْ (کہف ع ۲) کی طرح ہیں حالانکہ یہ (حذف) شیریں اور سرسبز ہے (یعنی نہایت عمدہ ہے خلاصہ یہ کہ جو الف جمع متکلم کے نون کے بعد ہو اگر وہ کلمہ کے درمیان ہو۔ چنانچہ ان تینوں مثالوں میں ایسا ہی ہے تو وہ بھی ہر جگہ

محذوف ہوتا ہے پس اگر یہ الف کلمہ کے آخر میں ہو جیسے وَرَبَطْنَا (کہف ع ۲) اور عُلِّمْنَا اور وَاُوْتِیْنَا (نمل ع ۲) تو پھر ثابت رہتا ہے)

فائدہ: (۱) شعر ۶ کا فِی یا تو یُحْذَفُ مقدر کے متعلق ہے یا شعر ۵ کے قَدْعُمِرَا کے اور شعر ۷ کے وَبَعْدَ میں بھی یہی دو صورتیں ہیں کہ یہ یا تو یُحْذَفُ مقدر کا ظرف ہے یا قَدْ عُمِرَا مذکور کا (۲) تثنیہ اور جمع کے الف کی مزید مثالیں یَقْتَتِلٰنِ۔ یُرِیْدٰنِ۔ هٰذٰنِ۔ خَصْمٰنِ۔ رَجُلٰنِ چونکہ ان سب میں الف کلمہ کے درمیان ہے اس لیے مرسوم نہیں لیکن تُکَذِّبٰانِ میں دونوں وجوہ ہیں جیسا کہ رحمٰن میں گذر چکا ہے اور قَالَتَا۔ دَعَوَا اللّٰهَ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ ان میں تثنیہ کا الف کلمہ کے آخر میں ہے اس لیے ثابت ہے اور جمع کے الف کی مثالیں یہ ہیں: اٰتَیْنٰکُمْ۔ اُتَیْنٰکَ۔ اَرْسَلْنٰکَ۔ مَکَّنّٰهُمْ۔ اَنْشَاْنٰهُنَّ۔ فَجَعَلْنٰهُنَّ۔ فَرَدَدْنٰهُ۔ وَاٰتَیْنٰا۔ رَبَّنٰا۔ اٰمَنّٰا (۳) موسیٰ جار اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے شیخ کے روبرو شعر میں عُلِّمْنَا کو مجہول کے صیغہ سے ضبط کیا ہے اور یہ قرآن میں کسی جگہ بھی اس صورت سے نہیں آیا کہ اس کا الف کلمہ کے درمیان ہو پس مجہول کی تقدیر پر یہ مثال کلمہ کے آخر والے الف کی ہوگی۔

136\8 وَعٰلِمًا وَبٰلِغٌ وَالسّٰلِسِلُ وَالشّٰ ‏ ‏ ‏ ‏ شَیْطٰنُ اِیْلٰفِ سُلْطٰنُ لِمَنْ نَظَرَا

ترجمہ: (ان چھ کلمات میں الف کا حذف) اس (شخص) کے لیے (ظاہر ہو جاتا) ہے جو (قرآن میں) نظر ڈالتا (اور دیکھتا) ہے (یعنی یہ کلمات چاہے جس اعراب سے آئیں ہر صورت میں ان کا الف محذوف ہے اور دانی نے مقنع میں صرف سبا والے عٰلِمٌ میں حذف بیان کیا ہے اور اِیْلٰفِ کے ساتھ اِلٰفِهِمْ بھی شامل ہے اور شَیْطٰنٌ میں شَیٰطِیْنُ بھی داخل ہے)

137\9 وَاللّٰعِنُوْنَ مَعَ اللّٰتَ الْقِیٰمَةِ اَصْ ‏ ‏ ‏ ‏ حٰبُ خَلٰئِفَ اَنْهٰرُ صَفَتْ نُهَرَا

ترجمہ: (ان چھ کلمات میں بھی الف ہر جگہ محذوف ہوتا ہے اور ان میں سے اَللّٰعِنُوْنَ صرف بقرہ (ع ۱۹) میں اور اَللّٰتَ نجم (ع ۱) میں آیا ہے اور باقی چار کئی کئی جگہ آئے ہیں اور اَنْهٰرُ میں اَلْاَنْهٰرُ اور وَاَنْهٰرًا بھی داخل ہیں) یہ (چھوں کلمات اس حذف کے بارہ میں کدورتوں سے) صاف (اور پاک) ہو گئے ہیں حالانکہ یہ (کلمات روشن اور مشہور ہونے میں) دنوں کی طرح ہیں۔

138\10 اُوْلٰی یَتٰمٰی نَصٰرٰی فَاحْذِفُوْا وَتَعَا ‏ ‏ ‏ ‏ لٰی کُلِّهَا وَبِغَیْرِ الْجِنِّ الٰنَ جَرٰی

ترجمہ: تم یَتٰمٰی۔ نَصٰرٰی۔ تَعٰلٰی کے تمام (الفاظ) کے پہلے (الف) کو حذف کر دو (یعنی تینوں کا پہلا الف ہر جگہ محذوف ہے) اور (سورۃ) جن کے سوا (باقی سورتوں) میں اَلْئٰنَ (بھی لام سے پہلے الف کے حذف ہی

کے ساتھ) جاری ہوا ہے (یعنی ءَالْئٰنَ میں صرفی قاعدہ کی رو سے ہر جگہ چار حرف لکھنا چاہیے کیونکہ لام کے بعد والا ہمزہ تو ساکن کے بعد ہونے کی بناء پر بے صورت ہے لیکن قرآن کے کاتبین نے اس کو ہر جگہ تین حرفوں سے لکھا ہے جس کی صورت ءَالْنَ ہے یعنی لام کے بعد الف بھی نہیں لکھا اور عام ہے کہ اس سے پہلے استفہام کا ہمزہ ہو جو ءَآلْئٰنَ میں ہے یا نہ ہو جیسے اَلْئٰنَ دونوں صورتوں میں تین ہی حرفوں سے لکھا ہوا ہے اور استفہام کے ہمزہ کی صورت اس قاعدہ کی بناء پر محذوف ہے جو اس باب کے شعر ۲۷ میں آئے گا کہ جب کلمہ کے شروع میں دو یا اس سے زائد الف جمع ہو جاتے ہیں تو ان میں سے ایک ہی لکھا جاتا ہے لیکن اَلْاٰنَ جن (ع ۱) میں لام کے بعد الف بھی لکھا ہوا ہے پس اس میں چار حرف ہیں اور سخاوی فرماتے ہیں کہ میں نے قدیم قرآنوں میں اس کو بھی الف کے بغیر ہی دیکھا ہے)

139\11 حَتّٰى يُلٰقُوا مُلٰقُوهُ مُبٰرَكًا احُ فَظْهُ مُلٰقِيهِ بٰرَكْنَا وَكُنْ حَذِرًا

ترجمہ: (ان پانچ کلمات میں بھی الف ہر جگہ محذوف ہے اور) تو مُبٰرَكًا کو (بھی جو انہی پانچ میں سے تیسرا ہے حذف ہی سے) محفوظ کر لے اور (بَارَكَ کو بٰرَكْنَا پر قیاس کرنے سے) پرہیز کرنے والا رہ (یعنی وَبَارَكَ میں الف کو حذف نہ کر ان میں سے يُلٰقُوا تین جگہ زخرف (ع ۷) طور و معارج (ع ۲) میں اور مُلٰقُوهُ بقرہ (ع ۲۷) میں اور بٰرَكْنَا اسرا (ع ۱) انبیاء (ع ۵) وغیرہ میں اور مُبٰرَكًا کاف کے زبروں اور پیشوں سے آل عمران (ع ۱۰) و انبیاء (ع ۴) وغیرہ میں اور فَمُلٰقِيهِ انشقاق میں آیا ہے اور چونکہ ناظمؒ مُلٰقُوا کے ساتھ ھا لائے ہیں اس لیے اس سے یہ نکلتا ہے کہ مُلٰقُوا رَبِّهِمْ اور مُلٰقُوا اللّٰهِ بقرہ (ع ۵ و ع ۳۳) میں حذف نہیں ہے لیکن قرآنوں میں یہ بھی الف کے بغیر ہی لکھے ہوئے ہیں۔ پس قاعدہ ان دونوں کو بھی شامل ہے۔)

عدد والے اسم کے الف کے حذف کا قاعدہ

140\12 وَكُلُّ ذِيْ عَدَدٍ نَحْوُ الثَّلٰثِ ثَلٰ ثَةٍ ثَلٰثِيْنَ فَادِرِ الْكُلَّ مُعْتَبِرًا

ترجمہ: اور ہر عدد والا (اسم) جو ہے (اس کا الف بھی ہر جگہ محذوف ہوتا ہے اور اس کی مثالیں) اَلثُّلٰثِ ثَلٰثَةِ ثَلٰثِيْنَ (ثَمٰنِيَ۔ ثَمٰنِيْنَ) کی طرح ہیں (جو اعراف ع ۱۷ و نور ع ۱ و ع ۸ و قصص ع ۳ و زمر ع ۱ میں مل سکتی ہیں) پس تو (ان) سب کو معلوم کر لے حالانکہ تو (ان کے ہم شکلوں کو بھی انہی پر) قیاس کرنے والا ہو (یعنی جو الفاظ گنتی کے معنی دیتے ہیں ان کا الف بھی ہر جگہ محذوف ہے)

141\13 وَاحَفظْ فِي الْاَنْفَالِ فِي الْمِيْعٰدِ مُتبِعًا ۔۔۔ تُرٰبَ رَعْدٍ وَنَمِلٍ وَالنَّبَاَ عَطِرًا

ترجمہ : اور تو انفال (ع ۵) میں فِی الْمِیْعٰدِ میں (عین کے بعد والے اور) رعد (ع ۱) اور نمل (ع ٦) اور نبا (ع ۲) کے تُرٰبًا میں (را کے بعد والے الف کے حذف کو بھی) محفوظ کر لے حالانکہ تو (نقل کی) پیروی کرنے والا ہو (نیز) حالانکہ یہ (حذف) عمدہ (اور خوشبو دار) ہے (پس نظم اور مقنع کی رو سے یہ چاروں کلمات الف کے بغیر ہیں اور اَلْمِیْعٰدِ انفال کے سوا اور تُرٰبًا ان تین موقعوں کے سوا باقی سب موقعوں میں الف سے ہے اور سخاویؒ فرماتے ہیں کہ میں نے عراق کے قدیم قرآنوں میں اَلْمِیْعٰدِ انفال اور تُرٰبًا رعد۔ نمل۔ نبا کو بھی الف ہی سے دیکھا ہے اور شامی قرآنوں میں تُرٰبًا کو ان تین موقعوں کے علاوہ مومنون (ع ۵) و صفت (ع ۱ و ع ۲) و ق (ع ۱) میں الف کے بغیر اور کہف (ع ۵) میں الف سے دیکھا ہے پس شامی میں تُرٰبًا سات جگہ الف کے بغیر ہے اور ان کے سوا باقی سب موقعوں میں تُرٰبًا الف سے ہے جو آل عمران (ع ٦) و حج (ع ۱) و فاطر (ع ۲) و مومن (ع ۷) وغیرہ میں ہے)

142\14 وَاَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ۔۔۔ اَيُّهَ السَّاحِرُا حُضُرَ كَالَّذِىْ سَحَرَا

ترجمہ : اور اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ (نور ع ۴ اور) اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ (رحمٰن ع ۲ اور) يَاَيُّهَ السَّاحِرُ (زخرف ع ۵ میں بھی ھَا کے بعد والا الف سب قرآنوں میں محذوف ہے اور باقی سب موقعوں میں اَيُّهَا میں ھا کے بعد الف لکھا ہوا ہے اور) تو (ان تینوں میں الف کو حذف کر کے شبنم کی اس) تری کی طرح ہو جا جو صبح کے وقت میں (گرتی ہے جس سے کسی کو ذرا بھی تکلیف نہیں ہوتی نہ وہ کسی شاخ کو توڑتی ہے اور نہ کسی چیز کو خراب کرتی ہے بلکہ وہ بوٹیوں کی غذا بنتی ہے اور ان کو رونق اور زینت دیتی ہے اسی طرح تجھ سے بھی نفع ہی پہنچنا چاہیے یہ نہ ہو کہ صحیح قراءۃ اور رسم کا رد کر کے اہل فن کو رنج پہنچائے جیسا کہ ان موقعوں میں فارسی نے ابن عامر کی ھا کے ضمہ والی قراءۃ پر اعتراض کیا ہے حالانکہ وہ نقل و رسم اور عربیت تینوں کے موافق ہے چنانچہ لغت میں اَيُّهُ الرَّجُلُ ھَا کے ضمہ سے بھی آیا ہے یا اَيُّهَا میں حذف کو انہیں تینوں موقعوں کے ساتھ مخصوص کر دے حالانکہ یہ حذف اس تری کی طرح ہے جو صبح کے وقت گرتی ہے یعنی نہایت عمدہ ہے)

کِتٰبُ اور اٰیٰتُنَا کے الف کے حذف کا قاعدہ

143\15 کِتٰبُ اِلَّا الَّذِیْ فِی الرَّعْدِ مَعَ اَجَلٍ ۔ وَالْحِجْرِ وَالْکَهْفِ فِیْ ثَانِیْهِمَا غَبَرَا

144\16 وَالنَّمْلِ الْاُوْلٰی وَقُلْ اٰیٰتِنَا وَمَعًا ۔ بِیُوْنُسَ الْاَوَّلَیْنِ اسْتَثْنِ مُؤْتَمِرًا

ترجمہ : (۱۵) کِتٰبُ (کا الف بھی ہر جگہ محذوف ہے) سوائے اس (کِتٰبُ) کے جو رعد (ع ۶) میں اَجَلٍ کے ساتھ ہے (یعنی اَجَلٍ کِتٰبٌ پس اُمُّ الْکِتٰبِ اور عِلْمُ الْکِتٰبِ رعد (ع ۶) نکل گئے کیونکہ ان میں اجماعاً" الف محذوف ہے) اور (سوائے اس کے جو) حجر (ع ۱) اور کہف (ع ۴ میں یعنی) ان دونوں (سورتوں) کے دوسرے (موقع) میں ہے (جو وَلَهَا کِتَابٌ حجر ع ۱ اور اِلَیْکَ مِنْ کِتَابِ کہف ع ۴ ہے پس حجر اور کہف کا پہلا نکل گیا جو اٰیٰتُ الْکِتٰبِ حجر ع ۱ اور عَبْدِهِ الْکِتٰبَ کہف ع ۱ میں ہے ان موقعوں میں) یہ (الف) ثابت ہو گیا ہے (۱۶) اور (سوائے اس کے جو) نمل (یعنی اس کے) پہلے (موقع) میں ہے (اور وہ وَکِتَابٍ مُّبِیْنٍ نمل ع ۱ ہے پس کِتٰبٌ کَرِیْمٌ نمل ع ۲ نکل گیا کیونکہ اس میں اجماعاً" حذف ہے) اور تو کہہ دے کہ اٰیٰتُنَا (کا الف بھی ہر جگہ محذوف ہے) اور یونس میں دو جگہ (جن موقعوں میں اٰیَاتُنَا کے بعد امر کا صیغہ ہے ان میں سے) پہلے دو (موقعوں) کو مستثنیٰ کر دے (اور یہ دونوں اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ ع ۲ اور فِیْ اٰیَاتِنَا ع ۳ میں ہیں اور ان دونوں کے بعد امر قُلْ آرہا ہے) حالانکہ تو (اس امر پر) عمل کرنے والا ہو (جو ان کے بعد آرہا ہے اور چونکہ یونس میں لفظ اٰیٰتِ پندرہ جگہ آیا ہے اور یا کے بعد الف اٰیَاتُنَا ع ۲ و ع ۳ ہی میں ہے اس لیے یونس کے ساتھ اَوَّلَیْنِ کی قید لگا کر ان کو متعین کر دیا اور یہ دونوں یونس کے ان موقعوں میں سے پہلے دو ہیں جن کے بعد امر کا صیغہ آرہا ہے ورنہ کل سورۃ کے حساب سے تو یہ پانچویں اور ساتویں موقع میں ہیں خلاصہ یہ کہ کِتٰبٌ ہر جگہ الف کے بغیر ہے لیکن چار جگہ الف سے ہے (۱) اَجَلٍ کِتَابٌ رعد ع ۶ (۲) وَلَهَا کِتَابٌ حجر ع ۱ (۳) مِنْ کِتَابِ رَبِّکَ کہف ع ۴ (۴) وَکِتَابٍ مُّبِیْنٍ نمل ع ۱ اور سخاوی نے شامی میں اور قدیم قرآنوں میں ان چاروں کو بھی الف کے حذف ہی سے دیکھا ہے اور اٰیٰتُنَا بھی ہر جگہ دونوں الفوں کے بغیر ہے لیکن یونس ع ۲ و ع ۳ کے اٰیٰتُنَا میں یَا کے بعد الف لکھا ہوا ہے اور سخاوی نے شامی میں ان دونوں کو بھی الف کے بغیر دیکھا ہے)

فائدہ: اور یہاں شعر ۱۶ میں اکثر نسخوں میں تو اَلْاَوَّلَیْنِ ہے جو امر کا مفعول ہے اور بعض میں اَلْاُوْلَیَانِ ہے جو مبتدا ہے اور بِیُوْنُسَ اس کی صفت ہے اور جملہ امریہ خبر ہے۔

لفظ قرآن میں الف کے حذف کا قاعدہ

145\17 فِیْ یُوْسُفٍ خُصَّ قُرْءٰنًا وَ زُخْرُفِہٖ   اُوْلَا ھُمَا وَبِاِثْبَاتِ الْعِرَاقِ یُرٰی

ترجمہ : تو (سورۃ) یوسف میں اور اس (قرآن مجید) کی زخرف میں (لفظ) قُرْءٰنًا کو (یعنی) ان دونوں (سورتوں) کے پہلے (کلمہ) کو (الف کے حذف کے ساتھ) خاص کر دے اور یہ (قُرْءٰنًا) ان دونوں موقعوں میں بھی) عراقی (قرآنوں) کے اثبات کے ساتھ دیکھا جاتا ہے (یعنی لفظ قرآن کا ہمزہ تو ساکن کے بعد ہونے کی بناء پر ہر جگہ محذوف ہے رہا ہمزہ کے بعد والا الف سو وہ صرف یوسف اور زخرف (ع ۱) کے پہلے قُرْءٰنًا میں محذوف اور باقی تمام موقعوں میں ثابت ہے اور عراقی قرآنوں میں ان دونوں موقعوں میں بھی الف ثابت ہے خلاصہ یہ کہ اور موقعوں میں تو سب جگہ الف ثابت ہے لیکن یوسف اور زخرف دونوں کے پہلے موقع میں غیر عراقی میں الف نہیں ہے اور عراقی میں ہے اور دانیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے عراقی اور غیر عراقی قرآنوں میں ان دونوں کو بھی الف ہی سے دیکھا ہے اور دانیؒ کی روایت مضبوط تر ہے اس لیے یہاں دوسرے مصرع کے بجائے اُوْلَا ھُمَا وَ خِلَافٌ فِیْھِمَا نُذِرَا کہنا کامل تر تھا کیونکہ خلاف کا ثبوت ضعیف ہے)

فائدہ : (۱) یہاں یوسف اور زخرف کا پہلا کہہ کر اِلَیْکَ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ یوسف (ع ۱) اور نُزِّلَ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ زخرف (ع ۳) کو نکال دیا کیونکہ باقی موقعوں کی طرح ان دونوں میں بھی الف اجماعاً ثابت ہے (۲) سخاوی فرماتے ہیں کہ میں نے شامی قرآن میں یوسف اور زخرف کے پہلے قُرْءٰنًا کو اور وَقُرْءٰنًا اسرا (ع ۱۲) اور قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا زمر (ع ۳) چاروں کو الف کے بغیر دیکھا ہے (۳) اور اب قرآنوں میں عمل اس پر ہے کہ یوسف اور زخرف کے پہلے میں تو الف کے حذف سے قُرْءٰنًا لکھتے ہیں اور باقی سب موقعوں میں الف کو ثابت رکھ کر اس طرح لکھتے ہیں قُرْاٰنًا

سَاحِرٌ کا قاعدہ

146\18 وَسٰحِرٌ غَیْرُ اُخْرٰی الذّٰرِیَاتِ بَدَا   وَالْکُلُّ ذُوْ اَلِفٍ عَنْ نَّافِعٍ سُطِرَا

ترجمہ : اور ذاریات کے دوسرے (سَاحِرٌ) کے سوا سٰحِرٌ (ہر جگہ الف کے بغیر) ظاہر ہوا ہے اور نافع سے (اس سَاحِرٌ کا) ہر ایک (لفظ) الف والا ہے یہ (بیان فن کی کتابوں میں اسی طرح) درج کیا گیا ہے (یعنی سٰحِرٌ دانی اور نصیر کی روایت پر تو ہر جگہ الف کے بغیر ہے لیکن صرف ذاریات کے دوسرے سٰحِرٌ میں جو ع

۳ میں ہے سین کے بعد الف لکھا ہوا ہے اور دوسرا کہنے سے ذاریات کا پہلا سٰحِرٌ نکل گیا جو ع ۲ میں ہے کیونکہ وہ باقی موقعوں کی طرح الف کے بغیر ہے اور نافع کی روایت پر سٰحِرٌ میں ہر جگہ سین کے بعد الف ہے لیکن شعرا (ع ۳) والے میں سین کے بعد نہیں بلکہ حا کے بعد ہے اور ان دو جلیل القدر اماموں کے بیان میں ان دو وجوہ سے ضدیت نہیں ہے (۱) نصیر کے قول میں اس لفظ کی رسم کا بیان ہے اور نافع کے قول میں اس کی قراءۃ کا (۲) نافع کی روایت مدنی سے ہے اور دوسرے اماموں کی دوسرے قرآنوں سے اور اعراف (ع ۱۴) اور یونس (ع ۸) کے سٰحِرٍ کی رسم اعراف کے شعر ۳ میں بیان ہو چکی ہے پس وہ اس شعر کے قاعدہ میں داخل نہیں)

فائدہ (۱) : خلاصہ یہ کہ سَاحِرٌ ذاریات (ع ۳) اجماعاً" الف سے ہے اور باقی موقعوں میں دونوں وجوہ ہیں (۲) غَیۡرُ کی را میں ناظمؒ نے رفع اور نصب دونوں جائز بتائے ہیں۔ رفع صفت ہونے کی بناء پر ہے اور نصب استثناء کی بناء پر۔

عجمی اسموں کے الف کے حذف کا قاعدہ

147\19 وَالۡاَعۡجَمِیُّ ذُوالۡاِسۡتِعۡمَالِ خُصَّ وَقُلۡ طَالُوۡتُ جَالُوۡتَ بِالۡاِثۡبَاتِ مُقۡتَفِرَا

148\20 یَاۡجُوۡجُ مَاۡجُوۡجُ فِیۡ هَارُوۡتَ تَثۡبُتُ مَعۡ مَارُوۡتَ قَارُوۡنَ مَعۡ هَامٰنَ مُشۡتَهَرَا

ترجمہ : اور (زیادہ) استعمال والا عجمی (اسم بھی الف کے حذف کے ساتھ) خاص کر دیا گیا ہے (یعنی جو غیر عربی اسم عبارت میں زیادہ جگہ آتے ہیں جیسے اِبۡرٰهِیۡمَ۔ اِسۡمٰعِیۡلَ۔ اِسۡحٰقَ۔ هٰرُوۡنَ۔ لُقۡمٰنَ۔ مِیۡکٰلَ ان کا الف ہر جگہ محذوف ہے) اور تو کہہ دے کہ (انہی عجمی اسموں میں سے) طَالُوۡتُ (اور) جَالُوۡتَ (بقرہ ع ۳۳ اور) یَاۡجُوۡجُ (اور) مَاۡجُوۡجُ (کہف ع ۱۱ و انبیاء ع ۷ چاروں الف کے) اثبات سے ہیں۔ حالانکہ تو (اس حذف و اثبات میں نقل کی) پیروی کرنے والا ہے (اور) هَارُوۡتَ (اور) مَارُوۡتَ (بقرہ ع ۱۲ اور) قَارُوۡنَ اور هَامٰنَ (ان چاروں) میں (وہ الف) ثابت رہتا ہے حالانکہ (ان میں) یہ (ثبوت) مشہور ہے (خلاصہ یہ کہ جو غیر عربی اسم کثرت سے واقع ہوتے ہیں وہ ہر جگہ الف کے بغیر ہیں اور کم استعمال والے الف سے ہیں اور ان دو شعروں کے آٹھ کلمات میں سے پہلے چار میں فقط اثبات ہے اور باقی چار میں اکثر قرآنوں میں اثبات اور بعض میں حذف ہے اور ان میں اثبات اس لیے ہے کہ یہ استعمال میں کم آتے ہیں اور هَامٰنَ میں جو اختلاف ہے وہ اس کے پہلے الف میں ہے رہا دوسرا سو وہ اجماعاً" محذوف ہے اسی طرح جو اسم تین سے زیادہ حروف والے ہوں عربی

ہوں خواہ عجمی لیکن عَلَم ہوں جیسے صٰلِح۔ سُلَیْمٰن ان کا الف بھی ہر جگہ محذوف ہوتا ہے)
فائدہ: یَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ کے سوا ان دو شعروں کے باقی چھ کلمات کے متعلق سخاویؒ فرماتے ہیں کہ میں نے انکو شامی قرآن میں الف کے بغیر دیکھا ہے۔

149\21 دَاوٗدُ مُثْبَتٌ اِذْ وَاوٌ بِہٖ حَذَفُوْا ۔۔۔ وَالْحَذْفُ قُلَّ بِاِسْرَآءِیْلَ مُخْتَبَرَا

ترجمہ: (لیکن ان عجمی اسموں میں سے) دَاوٗدَ (کا الف) ثابت ہے اس لیے کہ وہ (دوسرا) واو جو اس (لفظ) میں (تلفظ کی رو سے موجود) ہے ان (اہل رسم) نے (اس واو کو) حذف کر دیا ہے (یعنی چونکہ اس میں سے تماثل کی بناء پر ایک واوٗ حذف ہو گیا ہے اس لیے اس کے الف کو ثابت رکھا گیا تاکہ اس کے حذف کرنے سے کلمہ میں دو تغیر جمع نہ ہو جائیں اسی لیے اس میں دال کے بعد الف اور واو پر الٹا پیش لکھتے ہیں) اور اِسْرَآءِیْلَ (کے الف) میں حذف کم ہو گیا ہے حالانکہ وہ (حذف) آزمایا ہوا (اور جانچ پڑتال کیا ہوا) ہے (یعنی صحیح نقل سے ثابت ہے۔ خلاصہ یہ کہ دَاوٗدَ تمام قرآنوں میں الف سے اور ایک واو سے ہے اور اِسْرَآءِیْلَ کا را کے بعد والا الف اکثر قرآنوں میں لکھا ہوا ہے اور بعض میں محذوف ہے اور اثبات کی وجہ یہ ہے کہ اس میں سے ایک یا تماثل کی بناء پر حذف ہو گئی ہے اور دَاوٗدَ۔ وَالْاَعْجَمِیُّ کے کلیہ سے مستثنٰی ہے)۔

جمع مذکر اور مونث سالم کے الف کے حذف کا قاعدہ

150\22 وَکُلُّ جَمْعٍ کَثِیْرِ الدَّوْرِ کَالْکَلِمٰـ ۔۔۔ ـتِ الْبَیِّنٰتِ وَنَحْوُ الصّٰلِحِیْنَ ذُرَا

151\23 سِوَی الْمُشَدَّدِ وَالْمَهْمُوْزِ فَاخْتَلَفَا ۔۔۔ عِنْدَ الْعِرَاقِ وَفِی التَّاْنِیْثِ قَدْ کَثُرَا

ترجمہ: (۲۲) اور ہر ایک (وہ) جمع (مونث و مذکر سالم) جو (قرآن میں) کثرت سے آنے والی ہو (یعنی دو سے زیادہ جگہ آرہی ہو جس کی مثال مونث میں) اَلْکَلِمٰتُ (اور) اَلْبَیِّنٰت کی طرح ہے اور (مذکر میں) اَلصّٰلِحِیْنَ کی طرح ہے (اس جمع کا الف ہر جگہ حذف کیا جاتا ہے) حالانکہ یہ (جمع اس حذف میں) بلندیوں والی ہے (یعنی جمع مونث سالم میں جمع کا اور جمع مذکر سالم میں فاعل کا الف اجماعاً" اور ہر جگہ محذوف ہے) (۲۳) سوائے (فاعل کے الف کے بعد) تشدید والی اور ہمزہ والی (جمع) کے (کہ اس میں الف کا حذف اجماعی نہیں ہے) پس یہ دونوں (جمعیں) عراقی (قرآنوں) میں مختلف ہو گئی ہیں اور (ان میں سے جمع) مونث (سالم) میں وہ (الف کا حذف بہ نسبت اثبات کے) کثیر ہو گیا ہے (یعنی اگر ان دونوں جمعوں میں فاعل کے الف کے بعد تشدید والا حرف

ہو جیسے اَلضَّآلِّیْنَ۔ صَآفُّوْنَ اور صٰٓفّٰتٍ یا ہمزہ ہو جیسے نَآئِمُوْنَ اور وَالْقَآئِلِیْنَ۔ ثَیِّبٰتٍ۔ سٰٓئِحٰتٍ تو ان میں سے جمع مونث سالم میں تو اکثر میں الف محذوف اور بعض میں ثابت ہے اور جمع مذکر سالم میں اکثر میں ثابت اور بعض میں محذوف ہے اور یہ رسم عراقی قرآنوں کی ہے اور ہمارے زمانہ میں بھی عمل اسی پر ہے کہ الف کے بعد تشدید اور ہمزہ والی دونوں جمعوں میں مونث میں فاعل کا الف محذوف اور مذکر میں ثابت ہے پس فَاخْتَلَفَا کا الف تثنیہ کا ہے جو تشدید اور ہمزہ والی دونوں جمعوں کے لیے ہے نہ کہ افضل الدرر کے مطابق اطلاقی ہے اور ضمیر صرف مہموز کے لیے ہے رہے حجازی اور شامی قرآن سو ان میں تشدید اور ہمزہ والی جمعوں میں بھی الف ثابت ہے یعنی مذکر میں بھی اور مونث میں بھی)

فائدہ: (۱) اگر جمع مذکر سالم اور مونث سالم میں فاعل کے الف کے بعد تشدید والا حرف اور ہمزہ نہ ہو تو وہ ہر جگہ الف کے بغیر ہے جبکہ وہ دو سے زیادہ جگہ آرہی ہو لیکن ذیل کے سات کلمہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ (۱) رَوْضَاتِ (شوریٰ ع ۳) (۲) سَاهُوْنَ (ذاریات ع ۱) (۳) طَاغُوْنَ (ذاریات ع ۳ و طور ع ۲) (۴) كَاتِبِيْنَ (انفطار) ان کو دانی نے مقنع میں عیسیٰ اصفہانی کی ہجاء المصاحف سے نقل کرتے ہوئے الف کے حذف سے مستثنیٰ کیا ہے اور ناظمؒ نے نہیں کیا (۵) اٰيَاتُنَا (یونس ع ۲ و ع ۳) ان کو ناظمؒ نے اسی باب میں مستثنیٰ کیا ہے (۶) اٰيَاتٌ (یوسف ع ۲) (۷) بَيِّنَاتٍ (فاطر ع ۵) دونوں جمع والی قراءۃ پر ان دونوں کا ذکر اعراف ۱۱ و ۱۳ میں آچکا ہے اور اگر الف کے بعد والے حرف پر تشدید ہو جیسے اَلضَّآلِّيْنَ یا الف کے بعد ہمزہ ہو جیسے وَالصَّآئِمِيْنَ تو ان دونوں صورتوں میں الف لکھا جاتا ہے (۲) دانی مقنع میں فرماتے ہیں کہ میں نے مدنی اور عراقی قرآنوں میں تلاش کیا تو جن جمعوں میں الف کے بعد ہمزہ ہے ان میں بہت سے موقعوں میں الف کو محذوف پایا اور یہ دیکھا کہ جمع مونث میں اکثر جگہ محذوف ہے اور جمع مذکر میں اکثر جگہ ثابت ہے (۳) اتحاف میں ہے کہ جمع مذکر صحیح میں فاعل کی فا والے الف کے حذف پر اور اسی طرح جمع مونث سالم میں الف کے حذف پر مصاحف متفق ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ وہ جمع کثیر الاستعمال ہو یعنی دو سے زیادہ جگہ آتی ہو۔ اور الف کے بعد ہمزہ اور تشدید والی جمع میں حجازی اور شامی مصاحف الف کے اثبات پر متفق ہیں جیسے قَآئِمُوْنَ۔ اَلضَّآلِّيْنَ اور عراقی اور ان کے سوا دوسرے مصاحف میں سے اکثر میں جمع مونث صحیح اور الف کے بعد تشدید اور ہمزہ والی جمع میں بھی فاعل کا الف محذوف ہے اور ان میں سے کم مصاحف ایسے ہیں جن میں جمع صحیح میں محذوف اور تشدید اور ہمزہ والی میں الف ثابت ہے (۴) سخاویؒ کہتے ہیں کہ میں نے شامی قرآن کو کھول کر دیکھا تو اس میں اَلصّٰٓئِمٰتِ۔ اَلصّٰٓفّٰتِ۔ اَلصّٰلِحٰتِ۔ اَلسّٰٓئِلِيْنَ۔ اَلصّٰٓفُّوْنَ۔ حَآفِّيْنَ سب الف کے بغیر تھے۔ (۵) ان روایات سے مدنی، شامی، عراقی مصاحف کا اختلاف معلوم ہوتا ہے۔ اس کا جواب مصطلح القصیدہ میں گزر چکا ہے (۶) ہمزہ اور تشدید کی صورت میں الف کا اثبات اس لیے ہے کہ ہمزہ اور تشدید کے سبب الف میں مد ہوتا ہے اس لیے کتابت میں سبب کی طرح الف مدہ کا بھی باقی رکھنا انسب تھا (۷) زُرَا افضل الدرر کی رد سے ماضی ہے جو سَقَطَ

کے معنی میں ہے اور کُلِّ جَمْعٍ کی خبر ہے اور جار اللہ کے قول پر ذال کے ضمہ سے ذُرْوَۃً (بلندی) کی جمع ہے اور ترجمہ میں اسی کو لیا ہے۔

ضروری تنبیہہ: مشہور یہ ہے کہ جمع مذکر اور مونث سالم کے کثیر الدور ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ جمع قرآن میں دو سے زیادہ موقعوں میں آئی ہوئی ہو لیکن نثر المرجان کی تحقیق پر مطلب یہ ہے کہ وہ جمع کلام عرب میں کثیر الاستعمال ہو گو قرآن میں ایک جگہ یا دو ہی جگہ آئی ہو چنانچہ اَللّٰعِنُوْنَ اور اَللّٰعِنِیْنَ میں الف کے حذف پر اجماع ہے حالانکہ یہ ایک ایک ہی جگہ آئے ہیں اور اس کی مثالیں اور بھی بہت سی ہیں اور اس کی تائید کے لیے یہ امور کافی اور وافی ہیں (۱) میرے دادا محمد حسین شہید نے اپنے رسالہ میں زبانوں پر کثیر الاستعمال ہونے کی قید لگائی ہے نہ یہ کہ قرآن میں کثرت سے آئی ہو (۲) سیوطی نے وَمِنْ کُلِّ جَمْعٍ تَصْحِیْحٍ فرمایا ہے اور کثیر الاستعمال ہونے کی قید نہیں لگائی (۳) فن کے امام علامہ جزری رحمہ اللہ نے اپنے قرآن میں سب جمعوں کو حذف سے لکھا ہے گو وہ ایک ہی جگہ آئی ہوں حالانکہ موصوف نے قاہرہ میں عثمانی قرآنوں میں سے شامی کی اور مصری دیار میں مصحف امام کی اور مشہد شرقی میں جو علی کرم اللہ وجہ کے مشہد کے نام سے مشہور ہے ایک اور شامی قرآن کی بھی زیارت کی ہے جو سخاوی کی نظر سے بھی گزرا تھا نیز عام ہے کہ یہ جمع اَلْ کے ساتھ ہو جیسے اَلرّٰزِقِیْنَ یا اَلْ کے بغیر ہو جیسے بِرٰزِقِیْنَ نیز مضاف ہو جیسے بٰلِغُوْہُ اور بِتٰرِکِیْٓ اٰلِھَتِنَا اور نٰکِسُوْا رُءُوْسِھِمْ یا مضاف نہ ہو جیسے بِخٰزِنِیْنَ ۔ اَلْخٰسِرُوْنَ چنانچہ سیوطی نے اس کے مضاف ہونے یا نہ ہونے کے عموم کی تصریح کی ہے (نثر المرجان جلد اول ص ۳۲ و ۳۳) چونکہ جمع کے بارہ میں قرآنوں کی رسم مختلف ہے کہ بعض جمعیں الف سے ہیں اور بعض الف کے بغیر اور جو صرف ایک یا دو ہی جگہ آئی ہیں ان میں بھی یہی حال ہے اس لیے احقر کو اس میں بہت تردد تھا لیکن نثر المرجان نے کثیر الدور کے جو معنی بتائے ہیں اس سے اشکال بالکل رفع ہو گیا اور ان کی تحقیق پر جو جمعیں مضاف ہیں وہ بھی الف کے حذف ہی سے ہیں گو ہمارے عام قرآنوں میں ایسی سب جمعیں الف سے ہی رہیں وہ جمعیں جن کے الف کے بعد ہمزہ ہے یا تشدید والا حرف ہے سو ان میں نثر المرجان کی رو سے بھی وہی تفصیل ہے جو اوپر درج ہو چکی ہے۔

دو الفوں والی جمع کا قاعدہ

152\24 وَمَابِہٖ اَلِفَانِ عَنْھُمْ حُذِفَا ۔۔۔ کَالصّٰلِحٰتِ وَعَنْ جُلِّ الرُّسُوْمِ سَرٰی

ترجمہ: اور (جمع مونث سالم کا) وہ (لفظ) جس میں دو الف ہوں (جس کی مثال) اَلصّٰلِحٰتِ کی طرح ہے ان (اہل رسم) سے (اس جمع کے) وہ دونوں (الف) حذف کر دیئے گئے ہیں اور یہ (حذف) اہل رسم میں کے

جلیل القدر (حضرات) سے جاری ہوا ہے (یعنی اکثر حضرات ایسی ہر ایک جمع میں دونوں الفوں کے حذف پر متفق ہیں کسی میں بھی اختلاف نہیں کرتے خلاصہ یہ کہ جمع مونث سالم کے جس صیغہ میں دو الف ہوں عام ہے کہ اس میں الف کے بعد تشدید اور ہمزہ ہو جیسے وَالصّٰٓفّٰتِ وَالصّٰٓئِمٰتِ یا نہ ہو جیسے اَلصّٰلِحٰتِ فَالزّٰجِرٰتِ وہ اکثر قرآنوں میں دونوں الفوں کے حذف سے ہے اور بعض میں پہلا ثابت اور دوسرا محذوف ہے اور اس رسم میں عراقی اور ان کے ماسوا سب قرآن متفق ہیں اور شعر ۲۳ میں قَدْ کَثُرَا میں صرف عراقی میں حذف بتایا تھا اور شعر ۲۴ میں اس کا عام ہونا بتا دیا یعنی یہ حذف عراقی ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اوروں میں بھی ہے)

پہلا قاعدہ

اگر کلمہ کے شروع کے سوا کسی اور جگہ دو یا تین الف جمع ہو جائیں تو ان میں سے صرف ایک الف لکھا جاتا ہے

153\25 وَاکْتُبْ تَرَآءٰ وَجَآءٰنَا بِوَاحِدَةٍ ‏ ‏ تَبَوَّآ مَلْجَاً مَآءً مَّعَ النَّظَرَا

154\26 نَارَا وَمَعْ اوْلَى النَّجْمِ ثَالِثُهٗ ‏ ‏ بِالْيَآءِ مَعَ اَلِفِ السُّوْاٰى كَذَا سُطِرَا

ترجمہ: (۲۵) اور تو تَرَآءٰ (شعراء ع ۴) اور جَآءٰنَا (زخرف ع ۴ اور اَنْ تَبَوَّاٰ (یونس ع ۹ اور) مَلْجَاً (توبہ ع ۷ کو اور) مَآءً (کو ہر جگہ اور) نَاٰ (اسراع ۹ و فصلت ع ۶ کو اور) رَاٰ کو (ہر جگہ ان کے) ہم شکلوں سمیت ایک (الف) سے لکھ (یعنی جن کلمات کے عین یا لام کلمہ میں ایسا ہمزہ ہو جو الف کے یا فتحہ کے بعد ہو اور اس ہمزہ کے بعد لام کلمہ کا یا تثنیہ کا یا تنوین سے بدلا ہوا الف ہو اور ہم شکلوں سے اسی قسم کے کلمات مراد ہیں ان کے دو یا تین الفات میں سے صرف ایک الف لکھا جاتا ہے اور باقی الف اجماعاً محذوف ہوتے ہیں چنانچہ یہ اور ان جیسے اور تمام کلمات ایک ہی الف سے ہیں) اور اس (رَاٰى) کا (وہ) تیسرا (لفظ) جو نجم کے پہلے (رَاٰى) کے ساتھ ہے (اور یہ دونوں مَا رَاٰى اور لَقَدْ رَاٰى من نجم کے پہلے رکوع میں ہیں دونوں اس) یا کے ساتھ ہیں (جو الف کے ہمراہ ہے اور) اَلسُّوْاٰى (روم ع ۱ بھی) اسی طرح (الف اور یا سے) لکھا گیا ہے (یعنی رَاٰ اور سب موقعوں میں تو یا کے بغیر صرف الف سے ہے لیکن نجم ع ۱ کا پہلا اور تیسرا را کے بعد الف پھر یا سے ہے اور اَلسُّوْاٰى روم (ع ۱) بھی واو کے بعد الف سے ہے اور اس کے بعد یا لکھی ہوئی ہے خلاصہ یہ کہ جن کلمات میں شروع کے علاوہ کسی اور جگہ دو یا تین الف جمع ہو جائیں ان میں صرف ایک الف لکھا جاتا ہے)

فائدہ: (۱) تَرٰٓءَا میں اصل کی رو سے پانچ حرف ہیں کیونکہ یہ رَاٰ سے تَفَاعَلَ ہے اور قیاسی رسم کی رو سے اس میں چار حرف ہونے چاہییے تھے کیونکہ دو الفوں کے درمیان ہمزہ تو بے صورت ہی ہوا کرتا ہے لیکن قرآنوں میں اس میں تین ہی حرف ہیں یعنی را کے بعد ایک الف ہے اور دوسرا الف جو یا سے بدلا ہوا ہے اس کو وصل کا اعتبار کرتے ہوئے کتابت سے بھی حذف کر دیا کیونکہ وصل میں یہ الف پڑھنے میں نہیں آتا اگر لکھتے تو صرف و قفی حالت کے اعتبار سے ہوتا جس کا کتابت میں لازمی ٹھہرا دینا ایک نئی اصطلاح ہے جو صحابہ کے زمانہ کے بعد پیدا ہوئی ہے اور جَآءَنَا میں واحد کی قراءۃ پر ایک اور تثنیہ والی پر دو الف ہیں اور ہمزہ قاعدہ کے موافق بے صورت ہے اور تثنیہ کا قیاس یہ تھا کہ اس کو دو الفوں سے لکھتے لیکن شمول کی بناء پر ایک سے لکھا ہے اسی طرح تَبَوَّا اور مَلْجَاً اور مَآءً میں بھی ایک ہی الف ہے اور نَاٰ بھی شمول کی بناء پر ایک ہی الف سے ہے اور یہ الف ہمزہ کی صورت ہے کیونکہ اس قسم کے کلمات کو جن موقعوں میں صحابہ نے مکمل لکھا ہے ان میں الف کے بعد یا بھی ہے چنانچہ نجم (ع ۱) کے پہلے اور تیسرے رَاٰی میں ایسا ہی کیا ہے اس سے یہ سمجھ میں آگیا کہ نَاٰ اور رَاٰ میں جو الف ہے وہ عین کلمہ کے ہمزہ کی صورت ہے اور السُّوْاٰی میں الف ہمزہ کی اور یا تانیث کے الف کی صورت ہے اور جدید قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ اس میں ہمزہ تخفیف کے قاعدہ کے موافق بے صورت ہوتا لیکن صحابہ کا الف کی صورت میں لکھنا یہ بتانے کے لیے ہے کہ قراءۃ کی وجوہ میں اس کی تخفیف حذف سے نہیں آئی ہے (۲) چونکہ اَلسُّوْاٰی اور نجم کے پہلے اور تیسرے رَاٰی میں الف کے بعد یا بھی ہے جو لام کلمہ کے الف کی صورت ہے اس لیے یہ شعر ۲۵ کے قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں (۳) شعر ۲۶ میں تَالِتُہٗ مبتدا ہے اور نَاٰ۔ اَلْکَآئِنٌ کا ظرف ہو کر اس کی صفت ہے اور بِالْیَاءِ مَعْ اَلِفٍ خبر ہے اور وزن کے سبب اُوْلٰی کے ہمزہ کا ضمہ نقل کر کے مَعْ کے عین کو دیا گیا ہے جو ایک لغت کی رو سے ساکن تھا اور اَلِفٍ کی تنوین بھی وزن ہی کی بناء پر حذف ہو گئی ہے۔

دوسرا قاعدہ

کلمہ کے شروع میں دو یا تین الف جمع ہو جانے کی صورت میں بھی ایک ہی الف لکھا جاتا ہے

155\27 وَکُلُّ مَازَا دَاُوْلَاہُ عَلٰی اَلِفٍ ۔۔۔ بِوَاحِدٍ فَاعْتَمِدْ مِنْ بَرْقِہِ الْمَطَرَا

156\28 اٰلْئٰنَ اٰتُوْنِیْٓءَ اٰمَنْتُمْ ءَاَنْتَ وَزِدْ ۔۔۔ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ وَرُضْ مِنْ رَوْضِھَا خَضِرَا

ترجمہ: (۲۷) اور وہ ہر ایک (لفظ) جس کا ابتدائی حصہ (ایک) الف سے زیادہ والا ہو گیا ہو (یعنی اس کے شروع میں دو یا تین الف ہوں وہ ہر جگہ) ایک (ہی الف) سے (لکھا ہوا) ہے پس تو اس (مطرد اور کلی اصل) کی بجلی سے بارش پر اعتماد کر (اور اس کی امید کر یعنی یہ قاعدہ کلیہ ہے جس طرح بجلی سے بارش کا پتہ چلاتے ہو اسی طرح اس قاعدہ سے یہ سمجھ لو کہ یہ اس قسم کی تمام مثالوں میں جاری ہو گا نہ کہ صرف ان پانچ میں جو شعر ۲۸ میں مذکور ہیں پس فَاعْتَمِدْ الخ میں قاعدہ کے کلیہ ہونے کی طرف اشارہ ہے) (۲۸) (جن الفاظ کے شروع میں دو یا زیادہ الف ہوں ان کی مثالیں) آٰلْئٰنَ (اور) ائْتِی (اور) ءَاُمِنْتُمْ (اور) ءَاَنْتَ (وغیرہ) ہیں اور تو قُلْ اَتَّخَذْتُمْ کو (بھی) زیادہ کر دے (اور اسی قاعدہ کی مثالوں میں شامل کر دے کیونکہ اس کے شروع میں بھی دو الف ہیں) اور تو ان (مثالوں) کے باغ میں داخل ہو حالانکہ وہ (باغ) سبز (اور رونق دار) ہے (یعنی اس قاعدہ کی اور مثالیں بھی تلاش کر اور ان میں بھی اس کو جاری کر خلاصہ یہ کہ جن کلمات کے شروع میں دو یا دو سے زیادہ الف ہوں ان سب میں ایک ہی الف لکھا جاتا ہے پس قرآن میں کوئی کلمہ بھی ایسا نہیں ہے جس کے شروع میں دو الف لکھے ہوئے ہوں اور اس قاعدہ کی مثالیں یہ پانچ ہیں جو شعر ۲۸ میں مذکور ہیں ان میں سے ءَاُمِنْتُمْ کے شروع میں تین اور باقی میں دو الف ہیں اور کتابت میں سب ایک ہی الف سے ہیں)

فائدہ: (۱) آٰلْئٰنَ استفہام کے اس ہمزہ کی مثال ہے جو اَلْ تعریفی پر داخل ہو اور چونکہ استفہام کا ہمزہ اپنے مدخول سمیت ایک کلمہ کے مرتبہ میں ہوتا ہے اس لیے کلمہ کے شروع میں دو الف جمع ہو گئے جن میں سے پہلا ہمزہ استفہامی کی اور دوسرا وصلی کی صورت تھا اور اُئْتِی میں دوسرا ہمزہ ساکن تھا جو وجوباً الف سے بدل گیا ہے اور ءَاُمِنْتُمْ اور ءَاَنْتَ میں استفہام کا ہمزہ حرکت والے ہمزہ پر داخل ہوا ہے اور اَتَّخَذْتُمْ میں پہلا ہمزہ استفہامی اور دوسرا وصلی ہے پس اگر ان کلمات میں سب ہمزوں کو لکھتے تو الف ہی کی صورت میں لکھتے اور اس سے دو یا تین الف جمع ہو جاتے پس یہ اصل کی رو سے دو یا تین الفوں کی مثالیں ہیں (۲) رُضْ۔ رَاضَ سے ہے جو دَخَلَ کے معنی میں ہے اور مِنَ۔ فِیْ کے معنی میں ہے اور ایک نسخہ میں رُضْ کے بجائے رُدْ ہے یعنی ان کے باغ سے سبز چیز طلب کر اور یہ معنی واضح تر ہیں۔

157\29 لَاَمْلَئَنَّ اشْمَاَزَّتْ وَامْتَلَاتِ لَدٰى جُلِّ الْعِرَاقِ اطْمَاَنُّوْا لَمْ تَنَلْ صُوَرَا

ترجمہ: لَاَمْلَئَنَّ (اعراف و الٓمٓ السجدہ ع ۲ و ہود ع ۱۰ و صٓ ع ۵ اور) اِشْمَاَزَّتْ (زمر ع ۵) اور اِمْتَلَاْتِ (قٓ ع ۳ اور ق) اطْمَاَنُّوْا (یونس ع ۱) جو ہیں ان (چاروں کے ہمزوں) نے عراق کے اکثر (قرآنوں) میں صورتوں کو حاصل نہیں کیا (یعنی ان چاروں کلمات کا دوسرا ہمزہ عراقی قرآنوں میں سے اکثر میں بے صورت اور محذوف ہے اور حجازی اور شامی میں اور عراق کے بعض قرآنوں میں قیاس کے موافق الف کی صورت میں ہے

اور جو قرآن اب استعمل میں ہیں ان میں لَاَ مْلَئَنَّ کا دوسرا ہمزہ بے صورت اور باقی تین کا دوسرا ہمزہ الف کی شکل میں ہے پس اکثر عراقیہ کی رسم کو صرف لَاَمْلَئَنَّ میں اختیار کیا ہے سخاویؒ فرماتے ہیں کہ میں نے شامی قرآن میں لَاَمْلَئَنَّ کو میم سے پہلے ایک الف زائد سے اور دوسرے لام کے بعد والے الف کے حذف سے دیکھا ہے یعنی شامی میں لَااَذْبَحَنَّهٗ کی طرح ہے اور غالبًا اسی بناء پر آج کل لَاَمْلَئَنَّ کے دوسرے ہمزہ کو عین کی شکل لکھتے ہیں کیونکہ اس میں شامی بھی اکثر عراقیہ کے موافق ہے اور باقی تین میں یہ بات نہیں ہے)

وہ پانچ قسمیں جن میں ہمزۂ وصلی ہر جگہ محذوف ہوتا ہے

158\30 لَلدَّارُوَ اُتُوْا وَفَاْتُوْ افْسَئَلُوْا وَسَلُوْا فِیْ شَكْلِهِنَّ وَبِسْمِ اللّٰهِ نَلْ یُسْرَا

ترجمہ: لَلدَّارُ اور وَاْتُوْا (اور) فَاْتُوْا (اور) فَسْئَلُوْا (اور) وَسْئَلُوْا اپنے ہم شکلوں سمیت (جو لَلَّذِیْ۔ لِلّٰهِ فَأْتِ۔ فَاْوٗا۔ وَاْتَمِرُوْا۔ وَسْئَلْ مَنْ اور فَسْئَلِ الَّذِیْنَ وغیرہ ہیں) اور بِسْمِ اللّٰهِ جو ہیں (ان چاروں کے ہمزۂ وصلی نے بھی صورتوں کو حاصل نہیں کیا یعنی سب میں ہمزۂ وصلی محذوف ہے) تو (ان سب قسموں میں ہمزہ کو حذف کر کے) آسانی (والا قاعدہ کلیہ) حاصل کرے (تاکہ اس کو ان قسموں میں کی اور مثالوں میں بھی جاری کر سکے یعنی ان سب قسموں میں ہمزۂ وصلی کا حذف کلیہ کے طور پر ہے)

شرح: ہمزۂ وصلی ہر جگہ الف کی صورت میں لکھا جاتا ہے لیکن ان پانچ قسموں میں ہر جگہ محذوف ہوتا ہے (۱) اَلْ تعریفی کا ہمزہ جس سے پہلے لام ابتدائیہ یا لام جارہ ہو جیسے لَلدَّارُ۔ لَلَّذِیْ۔ لِلّٰهِ۔ لِلْاٰخِرَةِ (۲) وہ ہمزۂ وصلی جو فا کلمہ کے ہمزہ پر داخل ہو اور اس سے پہلے واوٗ یا فا ہو جیسے وَاْتُوْا۔ فَاْتُوْا۔ فَاْوٗا۔ اور اس قسم میں واو اور فا کے بعد جو الف لکھا ہوا ہے وہ فا کلمہ کے ہمزۂ ساکنہ کی صورت ہے نہ کہ ہمزۂ وصلی کی (۳) وہ ہمزۂ وصلی جو سَاَلَ کے امر حاضر کے واحد یا جمع مذکر میں ہو اور اس سے پہلے واو یا فا ہو جیسے وَسْئَلُوْا۔ فَسْئَلُوْا۔ وَسْئَلْهُمْ فَسْئَلِ الَّذِیْنَ پس اگر اس امر سے پہلے واو اور فا نہ ہو تو اس کو سب نقل اور عین کلمہ کے ہمزہ کے حذف سے پڑھتے ہیں اور چونکہ اب سین پر حرکت آجاتی ہے اس لیے ہمزۂ وصلی کی حاجت نہیں رہتی پس اس صورت میں ہمزۂ وصلی اجماعاً محذوف ہوتا ہے جیسے سَلْ بَنِیْ۔ سَلْهُمْ (۴) اس لفظ اسم کا ہمزہ جو اللہ کی طرف مضاف ہو اور اس سے پہلے با جارہ آرہی ہو یعنی وہ ہمزۂ وصلی جو بِسْمِ اللّٰهِ میں ہو اس میں سورتوں کے شروع والی بِسْمِ اللّٰهِ بھی آگئی اور وہ بھی جو ہود (ع ۴) اور نمل (ع ۲) میں ہے چنانچہ ان میں سے کسی میں بھی ہمزہ وصلی لکھا ہوا نہیں ہے رہا بِاسْمِ رَبِّكَ اور سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ سو ان میں اجماعاً لکھا جاتا ہے کیونکہ اول میں اسم کے بعد لفظ اللہ نہیں ہے اور ثانی میں نہ اسم سے پہلے با ہے اور نہ اس کے بعد لفظ اللہ ہے (۵) وہ ہمزۂ وصلی جس سے

پہلے استفہام کا ہمزہ آرہا ہو اور اس کے بعد لام تعریف نہ ہو جیسے اَسْتَکْبَرْتَ۔ اَفْتَرٰی اور ناظم نے اس قسم کو یہاں اس لیے بیان نہیں کیا کہ یہ شعر ۲۷ والے قاعدہ میں شامل ہے کیونکہ اس صورت میں بھی کلمہ کے شروع میں دو الف جمع ہو جاتے ہیں جن میں سے ایک کا حذف کرنا ضروری ہے اور جو محذوف ہے وہ ہمزۂ وصلی ہے کیونکہ وہ زائد ہے اس لیے وانی کی رائے پر اسی کو محذوف ماننا اولیٰ ہے۔

فائدہ : (۱) کَلِلدَّارُ سے ان پانچ میں سے پہلی قسم مراد ہے اور اس قسم میں ہمزۂ وصلی دو شرطوں سے محذوف ہوتا ہے (۱) فتحہ والے لام تاکید یا کسرہ والے لام جارہ کے بعد ہو (۲) وہ ہمزۂ وصلی اَلْ تعریفی کا ہو نہ کہ بغیر لام والا بھی چنانچہ اتحاف اور موسیٰ جار اللہ کی شرح میں اس کو اسی طرح بیان کیا ہے اور افضل الدرر میں اس کی تقریر اس طرح کی ہے کہ جب لام ابتدا یا لام جارہ جیسا اور واو اور فا جیسا کوئی بسیط حرف ہمزۂ وصلی پر داخل ہو تو وہاں بھی ہمزہ رسم سے محذوف ہوتا ہے پس حرف بسیط کو بھی عام رکھا ہے حالانکہ وہ خاص ہے اور ہمزۂ وصلی کو بھی عام ہی رکھا ہے چنانچہ اس کے بعد لام ہونے کی شرط نہیں کی پھر مثالوں میں لَتَّخَذْتَ کو بھی لائے ہیں اور اس عموم سے لازم آتا ہے کہ وَالرَّسُوْلَ وَالْاٰخِرَةِ وَاتَّخَذُوْا۔ فَالنَّارُ۔ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ اور وَاللّٰهُ فَاللّٰهُ اور لَافْتَدَتْ اور لَاصْطَفٰى وغیرہ میں بھی ہمزۂ وصلی محذوف ہو حالانکہ یہ واقع کے بالکل خلاف ہے اور شاید مصنف علام کو یہ شبہ اس سے ہو گیا ہو کہ لَتَّخَذْتَ (کہف ع ۱۰) میں ہمزہ وصلی اجماعاً" محذوف ہے سو اس کا حل یہ ہے کہ اس میں حذف شمول کے لیے ہے اس بناء پر نہیں کہ اس میں ہمزۂ وصلی لام ابتدا کے بعد تھا تقدیر (۲) ءَاَنْذَرْتَهُمْ ءَاَنْتَ۔ ءَاَتَّخِذُ وغیرہ میں کلمہ کے شروع کے دو الفوں میں سے جو ایک الف محذوف ہوتا ہے وہ محققین کی رائے پر پہلا الف ہے اسی لیے ایسی مثالوں میں پہلے ہمزہ کو عین کے سرے کی اور دوسرے کو الف کی صورت میں لکھتے ہیں (۳) فِیْ شَکْلِهِنَّ ای مَعَ مُشَاكِلِهِنَّ۔

جمع اور واحد کے صیغہ کے آخری واو کے بعد ایک الف زائد لکھنے کا قاعدہ اور اس کی شرط

159\31 وَزِدْ بَنُوْا اَلِفًا فِیْ یُوْنُسٍ وَلَدٰى   فِعْلِ الْجَمِیْعِ وَوَاوِ الْفَرْدِ کَیْفَ جَرٰی

ترجمہ : اور تو بَنُوْٓا (اسْرَآءِیْلَ) یونس (ع ۹) میں اور کئی (فاعلوں) کے فعل میں (یعنی جمع کے صیغہ میں) اور واحد کے واو میں حالانکہ یہ جس کیفیت پر بھی جاری ہو (یعنی رفع سے ہو خواہ نصب سے تینوں میں آخری واوٗ کے بعد ایک) الف زیادہ کر دے (یعنی ان تین قسموں میں آخری واو کے بعد ایک الف زائد لکھا جاتا ہے (۱) بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ یونس ع ۹ میں (۲) فعل کے جمع کے صیغہ میں خواہ کوئی سا فعل ہو جیسے اٰمَنُوْا۔

كَفَرُوا۔ كَذَّبُوا۔ رُزِقُوا اور فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا۔ فَلْيَعْبُدُوا۔ اَنِ اغْدُوا وَاِنْ تَعْفُوا۔ فَاعْفُوا۔ وَاصْفَحُوا اور اسی طرح اسم فاعل اور مفعول کے جمع مذکر میں جیسے مُلٰقُوا رَبِّهِمْ مُلٰقُوا اللّٰهِ مُرْسِلُوا النَّاقَةِ

(۳) مضارع کے مفرد کے صیغوں میں جن کے آخر میں ضمیر بارز نہ ہو اور اس میں واحد مذکر اور مونث غائب اور واحد مذکر حاضر اور واحد و جمع متکلم یہ پانچ صیغہ داخل ہیں۔ جیسے يَرْجُوا۔ تَتْلُوا۔ اَدْعُوا۔ نَتْلُوا۔ لِتَتْلُوا۔ وَنَبْلُوا وغیرہ لیکن شرط یہ ہے کہ اس جمع اور واحد کے واو کے بعد نہ تو ضمیر ہو اور نہ نون اعرابی ہو پس اگر واو کے بعد ان دو میں سے کوئی ایک چیز ہوتی ہے تو واو کے بعد الف نہیں لکھتے جیسے رَاوَدُوْهُ۔ رَاَوْهُ۔ كَالُوْهُمْ اَوْوَزَنُوْهُمْ اَدْعُوْهُمْ۔ اَدْعُوْكُمْ۔ يَرْجُمُوْكُمْ۔ وَجِعِلُوْا۔ مُتْرَفُوْهَا يَدْعُوْنَ۔ تَقْتُلُوْنَ کیونکہ یہ الف زائد فاصل ہوتا ہے جو کلمہ کی تمامی بتانے کے لیے لکھا جاتا ہے اور واو کے بعد ضمیر اور نون اعرابی ہونے کی صورت میں واو پر کلمہ ختم نہیں ہوتا اس لیے الف نہیں لکھتے اور بَنُوْا میں الف لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا واو جمع کے واو کے مشابہ ہے اور مقنع میں ہے کہ جو واو رفع کی علامت ہو جمع میں ہو خواہ واحد میں اس کے بعد بھی الف لکھا جاتا ہے جو اُولُوا اور ذُوا میں ہر جگہ آتا ہے جیسے اُولُوا الْعِلْمِ۔ اُولُوا قُوَّةٍ۔ لَذُوْفَضْلٍ۔ ذُوالْفَضْلِ لیکن ناظمؒ نے اسموں میں سے صرف بَنُوْا کو بیان کیا ہے اور ممکن ہے کہ اس کی وجہ یہ ہو کہ اس میں تو الف کے لکھنے پر اجماع ہے اور اُولُوْا اور ذُوْ میں اختلاف ہے اور اب عمل اس پر ہے کہ اُولُوْا کے واو کے بعد تو الف لکھتے ہیں لیکن ذو کے واو کے بعد نہیں لکھتے اور یہی صحیح تر اور قوی تر ہے)

فائدہ: واو کے بعد الف زائد لکھنا صحابہ کی اصطلاح ہے جس پر فعل کے جمع کے صیغوں میں عربیت کے علماء بھی عامل ہیں جبکہ ان کے ساتھ ضمیر نہ ہو۔

وہ سات کلمات جو اس قاعدہ سے مستثنٰی ہیں پس ان میں واو کے بعد الف زائد نہیں لکھا جاتا

160\32 جَآءُوْ وَبَآءُوْ وَاحْذِفُوْ فَآءُوْ وَسَعَوْ بِسَبَا   عَتَوْ عُتُوًّا وَّقُلْ تَبَوَّءُوْ وَاُخَرَا

161\33 اَنْ يَّعْفُوَ الْحَذْفُ فِيْهَا دُوْنَ سَائِرِ هَا   يَعْفُوا وَنَبْلُوا مَعْ لَنْ نَّدْعُوا النَّظَرَا

ترجمہ: (۳۲) تم جَآءُوْ (میں ہر جگہ) اور بَآءُوْ (بقرہ ع ۷ و ع ۱۱ و آل عمران ع ۱۲ اور) فَآءُوْ (بقرہ ع ۲۸ اور) سَعَوْ سبا (ع ۱) میں (اور وَ) عَتَوْا عُتُوًّا (فرقان ع ۳ ان پانچوں) میں آخری الفوں (یعنی الف زائد) کو

حذف کر دو اور تو کہہ دے کہ تَبَوَّءُو (الدَّارَ حشر ع ا بھی انہی الفاظ میں سے ہے جن میں واو کے بعد الف زائد لکھا ہوا نہیں ہے) (۳۳) (اور اَنْ یَّعْفُوَ (عَنْهُمْ نساء ع ۱۴) جو ہے (مضارع کے مفرد کے صیغوں میں سے صرف) اسی میں (واو کے بعد والے الف کا) حذف ہے نہ کہ ان (مفرد صیغوں) کے باقی (الفاظ یعنی) لَنْ نَّدْعُوَا (کہف ع ۲) سمیت (وَ) یَعْفُوَا (اور) وَنَبْلُوَا (اور ان کے) ہم شکلوں (لِتَتْلُوَا اور يَتْلُوَا وغیرہ) میں بھی (یعنی ان میں الف محذوف نہیں ہے بلکہ ان تین الفاظ اور ان کے ہم شکلوں سب میں واو کے بعد الف لکھا ہوا ہے۔ خلاصہ یہ کہ جمع کے صیغوں میں سے وہ چھ جو شعر ۳۲ میں مذکور ہیں اور جَآءُوْ سے تَبَوَّءُوْ تک ہیں اور مفرد کے صیغوں میں سے اَنْ یَّعْفُوَ نساء یہ سات کلمات اجماعاً" الف کے بغیر ہیں رہے اس قسم کے باقی کلمات سو ان سب میں واوَ کے بعد الف زائد لکھا ہوا ہے عام ہے کہ وہ صیغہ جمع کے ہوں خواہ مضارع کے مفرد کے ہوں جو ظاہر ضمیر سے خالی ہوں جیسے وَيَعْفُوَا شوریٰ (ع ۴) کا پہلا اور وَنَبْلُوَا محمد (ع ۴) اور لَنْ نَّدْعُوَا کہف (ع ۲) وغیرہ اور آخری دو مثالیں مضارع منصوب کی ہیں اور شعر ۳۱ میں جو كَيْفَ جَرٰى فرمایا تھا کہ مضارع مفرد کے صیغہ رفع سے آئیں خواہ نصب سے یہاں ان دونوں کی مثالیں لا کر ظاہر کر دیا کہ دیکھ لو سب میں واو کے بعد الف ہے)

فائدہ: (۱) سَعَوْ کے ساتھ سبا کی قید سے حج (ع ۷) والا نکل گیا کیونکہ اس میں واو کے بعد الف ہے اسی طرح عُتُوًّا کی قید سے اعراف ع ۱۰ و ع ۲۱ و ذاریات ع ۲ کا عَتَوْا نکل گیا پس ان تینوں میں واو کے بعد الف ہے تَبَوَّءُوْ میں چار حروف لکھے ہوئے ہیں تا با اور دو واو۔ موسیٰ جار اللہ فرماتے ہیں کہ وَاوِالْفَرْدِ میں سے ذَوُ کو بھی مستثنیٰ کرنا چاہیے تھا کیونکہ اس میں بھی واو کے بعد الف نہیں ہے لیکن چونکہ اَلْفَرْدِ سے مضارع کے وہ صیغہ مراد ہیں جو ظاہر ضمیر سے خالی ہوں اس لیے ذُوْ پہلے ہی سے خارج ہے (۲) سخاویؒ فرماتے ہیں کہ میں نے شامی اور عراقی قرآنوں میں اَنْ یَّعْفُوَ نساء کو بھی واو کے بعد الف ہی سے دیکھا ہے (۳) اُخَرَا۔ اٰخِيْر کی جمع ہے اور یہ اِحْذِفُوْا کا مفعول ہے اور قرآنی کلمات جَآءُوْ وغیرہ سے پہلے فِيْ مقدر ہے (۴) افضل الدررؔ کی رو سے اَلنَّظَرَا شعر ۳۳ نَظِيْر کی جمع ہے اور منصوب بنزع خافض ہے اَيِ الْاَلِفُ زَائِدٌ فِيْ هٰذِهِ الْاَلْفَاظِ مَعْ اَمْثَالِهَا اور جو ترکیب ترجمہ میں اختیار کی گئی ہے اس کی رو سے اَلنَّظَرَا واو مقدر کے ذریعہ يَعْفُوَا وَنَبْلُوَا پر معطوف ہے اور سَائِرِهَا سے پہلے فِيْ مقدر ہے اور بعد کے سب الفاظ اسی کے تحت میں ہیں اور دُوْنَ۔ لَا کے معنی میں ہے۔

بَابٌ مِّنَ الزِّيَادَةِ

تیسرا باب بعض کلمات میں الف کی اور بعض میں نون کی زیادتی کے بیان میں

(اس میں چار شعر ہیں)

شرح: گویا یہ باب بھی اسی قاعدہ کا تتمہ ہے جو دوسرے باب کے شعر ۳۱ تا ۳۴ میں بیان ہوا ہے کیونکہ اس میں بھی زیادتی ہی کا ذکر ہے۔

162\1 فِي الْكَهْفِ شِيْنُ لِشَايْءٍ بَعْدَهُ أَلِفٌ ۔۔۔ وَقَوْلُ فِي كُلِّ شَيْءٍ لَيْسَ مُعْتَبَرًا

ترجمہ: لِشَايْءٍ کا شین جو ہے کہف (ع ۴) میں اس (شین) کے بعد (ایک) الف (زائد) ہے (یعنی لِشَايْءٍ اِنِّي کہف ع ۴ میں تمام قرآنوں میں شین اور یا کے درمیان ایک الف زائد لکھا ہوا ہے) اور شَيْءٍ کے تمام (الفاظ) میں (الف زائد بتانے والوں) کا قول معتبر نہیں ہے (کیونکہ قرآنوں کی رسم سے اس کی تائید نہیں ہوتی)

فائدہ: (ا) محمد بن عیسیٰ اصبہانی کہتے ہیں کہ میں نے قرآنوں میں کہف والے کے سوا شَيْءٍ کو الف کے بغیر دیکھا ہے اور سخاویؒ فرماتے ہیں کہ شَيْءٍ میں یہ زیادتی صحابہ کے قرآنوں میں بھی بلاشک پائی جاتی ہے اور میں نے شامی قرآن میں کچھ موقعوں میں الف سے اور کچھ موقعوں میں الف کے بغیر دیکھا ہے اور الف والے یہ ہیں (۱ تا ۴) آل عمران ع ۲ میں دو اور ع ۱۹ میں ایک (۴) نساء ع ۵ میں آخر والا (۵) لِشَايْءٍ کہف (ع ۴) اور بغیر الف والا نساء ع ۱۸ میں ہے نیز فرماتے ہیں کہ دانیؒ نے مقنع کے علاوہ کسی اور کتاب میں بیان کیا ہے کہ بعض مصاحف میں لِشَايْءٍ کہف میں اور عبداللہ بن مسعود کے قرآن میں سب جگہ شَيْءٍ میں الف اس لیے زیادہ کیا گیا ہے کہ اس میں اور شَتّٰى میں فرق ہو جائے۔

163\2 وَزَادَ فِي مِائَتَيْنِ الْكُلُّ مَعْ مِائَةٍ ۔۔۔ وَفِي ابْنِ اِثْبَاتُهَا وَصْفًا وَّقُلْ خَبَرًا

ترجمہ: اور مِائَتَيْنِ اور مِائَةٍ میں تمام (اہل رسم) نے (میم کے بعد الف) زیادہ کیا ہے (جو مِائَةٍ میں تو اس لیے ہے کہ اس میں اور مِنْهُ میں فرق ہو جائے اور مِائَتَيْنِ میں واحد کی موافقت کی بناء پر ہے) اور اِبْنِ میں اس (الف یعنی ہمزۂ وصلی) کا اثبات ہے حالانکہ یہ (اِبْن اپنے ماقبل کی) صفت ہو اور تو کہہ دے کہ (اس اِبْنُ کے) خبر ہونے کی حالت میں بھی (ہمزۂ وصلی کا اثبات ہے یعنی لفظ اِبْن ماقبل کی صفت ہو جیسے عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ خواہ خبر جیسے عُزَيْرُ نِ ابْنُ اللّٰهِ خواہ ماقبل کا مفعول ہو جیسے وَنَادٰى نُوْحُ نِ ابْنَهُ یا منادیٰ ہو جیسے يَا

بِنْتُمْ ہر حال میں اس کا ہمزہ وصلی اجماعاً" ثابت رہتا ہے لیکن یَا بُنَیَّمْ میں دونوں وجوہ ہیں اور غیر قرآن میں اس کا قیاس یہ ہے کہ جب یہ دو علموں کے درمیان ہو اور ماقبل کی صفت ہو تب تو اس کا ہمزہ حذف ہو جاتا ہے اور باقی حالات میں ثابت رہتا ہے۔ اور قرآن میں صفت ہونے کی صورت میں بھی ثابت رہتا ہے اور اِبْنَتُ کا بھی یہی حکم ہے)

فائدہ: صفت ہونے کے وقت وصلاً" اِبْنُ کے ہمزہ کا حذف نحاۃ کی جدید اصطلاح ہے جو کسی علمی بنیاد پر قائم نہیں ہے اور اس کے ضعیف ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ یہ کتاب اللہ کی رسم کے خلاف ہے۔ (جار اللہ)

164\3 لَنَسْفَعًا لَّيَكُونًا مَّعْ اِذًا اَلِفُّ وَالنُّوْنُ فِيْ وَكَاَيِّنْ كُلِّهَا زَهَرَا

ترجمہ: لَنَسْفَعًا (علق اور وَ) لَيَكُوْنًا (یوسف ع ۴) میں (نون تاکید خفیفہ کے بجائے) اور اِذًا میں (ہر جگہ اس کے اصلی نون کے بجائے) الف (کا اثبات) ہے (یعنی تینوں نون کے بجائے الف سے لکھے ہوئے ہیں اس بناء پر کہ تینوں میں نون وقفاً" الف سے بدل جاتا ہے) اور وَكَاَيِّنْ میں اس کے تمام (کلمات) میں (یعنی ساتوں جگہ) یہ (تنوین کے بجائے نون) روشن ہو گیا ہے (اور چمک اٹھا ہے یعنی خوب مشہور ہے پس وَكَاَيِّنْ میں ہر جگہ قیاس کے خلاف نون لکھا ہوا ہے جو اس کی تنوین کے بجائے ہے)

فائدہ: اِذًا کی اصل کے بارہ میں دو قول ہیں (۱) اس میں جو نون ہے وہ تنوین کا ہے اس صورت میں تو اس کا الف سے لکھنا قیاس کے موافق ہے اس بناء پر کہ اس میں تنوین سے پہلے حرف پر زبر ہے پس یہ نصب والے اسم کے مشابہ ہو گیا (۲) خلیل کے قول پر اس کی اصل اِذْاَنْ تھی پھر ہمزہ کی حرکت نقل کر کے ذال کو دے دی اور ہمزہ کو حذف کر دیا اس صورت میں نون کو الف کی شکل میں لکھنا تنوین کے مشابہ ہونے کی بناء پر ہو گا اور كَاَيِّنْ میں عام قاعدہ کے خلاف تنوین کو نون کی شکل میں لکھا ہے کیونکہ قاعدہ کی رو سے تو نصب کا نون تنوین الف سے بدل جاتا ہے اور باقی حالات میں حذف ہو جاتا ہے۔

165\4 وَلَيْكَةَ الْاَلِفَانِ الْحَذْفُ نَالَهُمَا فِيْ صَادَ وَالشُّعَرَآءِ طَيِّبًا شَجَرَا

ترجمہ: اور لَيْكَةَ (یعنی اس کے) دو الف جو ہیں حذف ان دونوں (الفوں) کو پہنچا ہے (اور شامل ہو گیا ہے) صٓ (ع ۱ میں بھی) اور شعرا (ع ۱۰) میں (بھی) حالانکہ یہ (حذف) عمدہ ہے (نیز) درخت (کی طرح قوی) ہے (چونکہ لَيْكَةَ ایک قول پر گنجان درخت کے معنی میں بھی ہے اس لیے یہاں شَجَرًا کا لانا عجیب حسن رکھتا ہے خلاصہ یہ کہ اَلْاَيْكَةَ قرآن میں چار جگہ آیا ہے یعنی شعراء ع ۱۰ اور صٓ ع ۱ اور حجر ع ۵ اور قٓ ع ۱ میں اور ان میں سے پہلے دو میں دو قراء تیں ہیں (۱) اَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ (۲) اَصْحٰبُ لَيْكَةَ اس لیے ان دونوں موقعوں میں چھ حرفوں کے بجائے اجماعاً" چار حرفوں سے لکھا ہوا ہے او ر لام سے پہلا اور بعد کا دونوں الف محذوف ہیں

پہلا اس لیے کہ یہ ہمزۂ وصلی ہے جو وصلاً ساقط ہو جاتا ہے پس یہاں تلفظ کی طرح کتابت میں سے بھی ساقط کر دیا اور دوسرے کا حذف اس لیے ہے کہ وہ ساکن کے بعد ہے اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ رسم الخط کے فن میں عظیم ترین فضیلت رکھتے تھے اور تمام باریک ترین نکات سے واقف تھے کیونکہ اَلْاَیْکَۃِ کو لَیْکَۃَ کی صورت پر لکھنا ایک علمی قاعدہ پر مبنی ہے جو صرف میں ثابت ہو چکا ہے اور ساتھ ہی اس میں شمول قراءۃ کا فائدہ بھی ہے اور حجر و قٓ میں چونکہ دوسری قراءۃ نہیں تھی اس لیے ان دونوں میں دونوں الف بھی لکھے ہیں (جار اللہ)

فائدہ: (۱) زَھَرا۔ زَھَرَا الْقَمَرُ وَ الْوَجْہُ زُھُوْرًا سے ہے (المنجد) (۲) طَیِّبًا شَجَرًا میں حذف کی عمدگی اور قوت کی طرف اشارہ ہے اور یہ ابو عبید کی روایت سے ہے پس اس کو نادرست بتانے والے غلطی پر ہیں۔

بَابُ حَذْفِ الْیَآءِ وَ ثُبُوْتِھَا

چوتھا باب یا کے حذف ہو جانے اور ثابت رہنے کے بیان میں

(اس میں چوبیس شعر ہیں)

شرح: اس باب میں جس یا کا ذکر ہے وہ متکلم کی بھی ہوتی ہے اور لام کلمہ میں بھی فعل میں بھی ہوتی ہے اور اسم میں بھی اور جو یا آت رسم سے محذوف ہیں وہ کل ایک سو اکیس ہیں ان میں سے چھیاسی تو فواصل (یعنی آیات کے آخر) میں ہیں اور پینتیس درمیان میں۔

166\1 وَتَعْرِفُ الْیَآءَ فِیْ حَالِ الثُّبُوْتِ اِذَا　　حَصَّلْتَ مَحْذُوْفَھَا فَخُذْہُ مُبْتَکِرًا

ترجمہ: اور تو یا کو (اس کے) ثابت رہنے کی حالت میں (اس وقت) پہچانے گا جب تو ان (یا آت) میں کی محذوفات کو حاصل کر لے گا (اور معلوم کر لے گا یعنی جب تمہیں وہ یا آت معلوم ہو جائیں گی جو رسم میں نہیں ہیں تو اس سے تم خود آسانی سے سمجھ لو گے کہ ان کے علاوہ جتنی بھی یا آت ہیں وہ سب رسماً ثابت ہیں) پس تو (محذوف یا آت کے) اس (بیان) کو لے لے (اور یاد کر لے) حالانکہ تو (اس کی طرف) جلدی کرنے والا ہو (یا حالانکہ یہ بیان نیا ایجاد کیا ہوا ہے کیونکہ یہ طریق ناظمؒ ہی نے نکالا ہے کہ ان یا آت کو بیان کر دیا جو رسم میں نہیں ہیں اور اس سے نکل آیا کہ باقی تمام یا آت ثابت ہیں اور اگر اس کے برعکس ثابت یا آت کو بیان کرتے تو مقصود تو اس سے بھی حاصل ہو جاتا لیکن بیان نہایت طویل ہو جاتا فَلِلّٰہِ دَرُّہٗ)

167\2 حَيثُ ارْهَبُونِ اتَّقُونِي تَكفُرُونِ اَطِي   عُونِ اسْمَعُونِ وَخَافُونِ اعْبُدُونِ طَرَا

168\3 اِلَّا بِيَاسِيْنَ وَالدَّاعِيْ دَعَانِ وَكِيْ   دُونِيْ سِوٰى هُوَدَ تُخْزُوْنِيْ وَعِيْدِ عَرَا

ترجمہ: (۲) فَارْهَبُوْنِ (دو جگہ بقرہ ع ۵ و نحل ع ۷ اور) اِتَّقُوْنِ (پانچ جگہ بقرہ ع ۵ و ع ۲۵ و نحل ع ا و مومنون ع ۴ و زمر ع ۲ اور وَلا) تَكْفُرُوْنِ (بقرہ ع ۱۸ اور وَ) اَطِيْعُوْنِ (گیارہ جگہ آل عمران ع ۵ و زخرف ع ۶ و نوح ع ا و شعراء ع ۶ تا ع ۸ میں دو دو اور ع ۹ اور ع ۱۰ میں ایک ایک اور) فَاسْمَعُوْنِ (یٰسین ع ۲ اور) وَخَافُوْنِ (آل عمران ع ۱۸ اور) فَاعْبُدُوْنِ (تین جگہ انبیاء ع ۲ و ع ۶ و عنکبوت ع ۲) (۳) سوائے یٰسین (ع ۴ والے وَاَنِ اعْبُدُوْنِيْ) کے (کیونکہ اس میں یا ثابت ہے) اور اَلدَّاعِ (تین جگہ بقرہ ع ۲۳ میں ایک اور قمر ع ا میں دو اور) دَعَانِ (بقرہ ع ۲۳) اور كِيْدُوْنِ (دو جگہ اعراف ع ۲۴ اور مرسلت ع ا) سوائے ہود (ع ۵ والے فَكِيْدُوْنِيْ) کے (کہ اس میں یا ثابت ہے اور ولا) تُخْزُوْنِ (دو جگہ ہود ع ۷ و حجر ع ۴ اور) وَعِيْدِ (تین جگہ ابراہیم ع ۳ و ق ع ا و ع ۳) یہ (ان میں سے ہر ایک) جس جگہ بھی واقع ہوا ہے (اس میں ہر جگہ یا محذوف ہے) یہ (حذف ان سب الفاظ کو) پہنچا ہے (اور شامل ہو گیا ہے ان دو شعروں میں محذوف یا آت میں سے پینتیس بیان کی ہیں)

فائدہ: حَيْثُ طَرَا کی طرف مضاف ہے جو شعر ۲ کے آخر میں ہے حَيْثُ طَرَءَ اي حَيْثُ وَقَعَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْ هٰذِهِ الْاَلْفَاظِ الَّتِيْ كُلُّهَا اثْنَتَا عَشْرَةَ اور عَرَا جو شعر (۳) کے آخر میں ہے وہ اَصَابَ کے معنی میں ہے اور مستانفہ ہے پس قرآنی کلمات سب کے سب حَيْثُ طَرَا کے فاعل ہیں اور حَيْثُ حَصَلَ حَذْفُ الْيَاءِ فِيْ هٰذِهِ الْاَلْفَاظِ كُلِّهَا مقدر کا مفعول فیہ ہے۔

169\4 وَاخْشَوْنِ لَا اَوَّلًا تُكَلِّمُوْنِ يُكَذْ   ذِبُوْنِ اُوْلٰى دُعَآءِيْ يَقْتُلُوْنِ مَرَا

ترجمہ: (اور) وَاخْشَوْنِ (دو جگہ مائدہ ع ا و ع ۷) نہ کہ (وہ وَاخْشَوْنِيْ وَلِاُتِمَّ بقرہ ع ۱۸) جو (قرآن میں) پہلی جگہ (واقع) ہے (کیونکہ اس میں یا ثابت ہے اور وَلَا) تُكَلِّمُوْنِ (مومنون ع ۶ اور اَنْ) يُّكَذِّبُوْنِ (دو جگہ شعراء ع ۲ و قصص ع ۴ اور) دُعَآءِ کا پہلا (کلمہ جو وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ابراہیم ع ۶ میں ہے پس اس کا دوسرا کلمہ دُعَآءِيْ اِلَّا نوح ع ا نکل گیا کیونکہ اس میں یا ثابت ہے اور اَنْ) يَّقْتُلُوْنِ (دو جگہ شعراء ع ۲ و قصص ع ۴ میں ان پانچوں کلمات کو بھی) ان (اہل رسم) نے (قرآن میں سے تلاش کر کے) نکالا ہے (اور انہی الفاظ میں شامل کر دیا ہے جن کے آخر میں سے یا محذوف ہے یا یا کے حذف نے ان سب کلمات کو درست اور صحیح کر دیا ہے یعنی جب ان کو حذف سے لکھا گیا تو یہ رسم عثمانی کے مطابق ہو گئے)

فائدہ: مَرَا یا تو ناقص یائی سے ہے اور مَرٰی فَلَانٌ فَرَسَهٗ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی گھوڑے کو خوب دوڑائے اور اس کی رفتار کو واضح کر دے پس معنی یہ ہوں گے کہ اہل رسم نے ان میں حذف کو ظاہر کر دیا ہے یا مہموز اللام سے ہے اور مَرَأَہُ الطَّعَامُ کے معنی یہ لیتے ہیں کہ غذا نے اس کو درست کر دیا اور یہاں یہ معنی بھی چسپاں ہیں جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہے اور مَرَیْتُ النَّاقَةَ اسی وقت بولتے ہیں جب دودھ نکالنے کے لیے اونٹنی کے تھنوں کو ملتے ہیں یہ معنی یہاں منطبق نہیں ہیں۔

170\5 وَقَدْ هَدٰنِ وَفِيْ نَذِيْرِيْ مَعْ نُذُرِيْ   تَسْئَلْنِ فِيْ هُوْدَ مَعْ يَأْتِيْ بِهَا وَقَرَا

ترجمہ: (اور) وَقَدْهَدٰنِ (انعام ع ۹ میں پس قَدْ کی قید سے هَدٰنِیْ انعام ع ۲۰ اور زمر ع ٦ نکل گیا کیونکہ ان میں اجماعاً" یا ثابت ہے) اور نَذِيْرِ (ملک ع ۲) میں (وَ) نُذُرِ سمیت (جو چھ جگہ ہے یعنی قمر ع ا و ع ۲ میں تین تین جگہ اور فَلَا) تَسْئَلْنِ جو ہود (ع ۴) میں ہے (پس کہف ع ۹ والا نکل گیا جس میں یا ثابت ہے اس يَوْمَ) يَأْتِ سمیت جو اسی (ہود ع ۹) میں ہے (ان پانچوں میں) وہ (یا کا حذف) وقار (اور استقلال) والا ہو گیا ہے (یعنی یہ حذف نقل سے ثابت ہے اور يَأْتِ کے ساتھ ہود کی قید سے بقرہ ع ۳۵ اور اعراف ع ٦ وغیرہ کا يَأْتِيَ نکل گیا کیونکہ ان میں یا ثابت ہے)

171\6 وَتُشْهِدُوْنِ ارْجِعُوْنِيْ اِنْ يُّرِدْنِ نَكِيْ   رِيْ يُنْقِذُوْنِ مَاٰبِيْ مَعْ مَتَابِ ذَرٰى

ترجمہ: اور (حَتّٰی) تَشْهَدُوْنِ (نمل ع ۳ اور رَبِّ) ارْجِعُوْنِ (مومنون ع ٦ اور) اِنْ يُّرِدْنِ (الرَّحْمٰنُ یٰسین ع ۲ اور) نَكِيْرِ (چار جگہ جو حج ع ٦ سبا ع ۵ اور فاطر ع ۳ اور ملک ع ۲ میں ہے اور وَلَا) يُنْقِذُوْنِ (یٰسین ع ۲ اور وَاِلَيْهِ) مَاٰبِ (رعد ع ۵) مَتَابِ (رعد ع ۴) سمیت (ان ساتوں میں) ان (اہل رسم) نے (یا کے حذف کو) پھیلایا (اور مشہور کیا) ہے۔

فائدہ: ذَرٰى ذال کے فتحہ سے ماضی کا صیغہ ہے جو جار اللہ کی رائے پر نَشَرَ کے اور افضل الدرر کی رو سے سَقَطَ الْيَآءَ کے معنی میں ہے اور ایک نسخہ میں ذال کے ضمہ سے ہے جو ذُرْوَةٌ بلندی کی جمع ہے یعنی ان سب میں یا کا حذف بلندیوں والا ہے۔

172\7 عِقَابِ تُرْدِيْنِ تُؤْتُوْنِيْ تُعَلِّمَنِيْ   وَالْبَادِ اِنْ تَرَنِيْ وَكَالْجَوَابِ حَرٰى

ترجمہ: عِقَابِ (تین جگہ رعد ع ۵ و ص ع ا و مومن ع ا اور) لَتُرْدِيْنِ (صٰفّٰت ع ۲ اور حَتّٰى) تُؤْتُوْنِ (یوسف ع ۸ اور اَنْ) تُعَلِّمَنِ (کہف ع ۹ اور فِيْهِ) وَالْبَادِ (حج ع ۳ اور) اِنْ تَرَنِ (کہف ع ۵) اور كَالْجَوَابِ (سبا ع ۲ ان ساتوں میں سے) ہر ایک (یا کے حذف کے سبب) ناقص (اور کم حرفوں والا) ہو گیا

ہے۔

فائدہ: جَوَابِ جَابِيَةٌ کی جمع ہے حَرِیٰ حَا سے نَقَصَ کے معنی میں ہے اور ضَرَبَ سے ہے۔

173\8 فِي الْكَهْفِ يَهْدِيَنِي نَبْغِيْ وَفَوْقَ بِهَا   اَخَّرْتَنِ الْمُهْتَدِيْ قُلْ فِيْهِمَا زَهَرَا

ترجمہ: (اَنْ) يَّهْدِيَنِ (اور كُنَّا) نَبْغِ جو کہف (ع ۴ و ع ۹) میں ہے (یہ بھی انہی الفاظ میں سے ہیں جن میں یا حذف ہو گئی ہے اور کہف کی قید سے يَهْدِيَنِي قصص ع ۳ اور نَبْغِيْ یوسف ع ۸ نکل گیا کیونکہ ان میں یا ثابت ہے) اور (کہف کے) اوپر (سورۂ اسراء) جو ہے اس (کے ع ۷) میں (لَئِنْ) اَخَّرْتَنِ (بھی یا کے حذف والے الفاظ میں سے) ہے (اور) تو کہہ دے کہ (فَهُوَ) الْمُهْتَدِ ان دونوں (سورتوں) میں ہے (یعنی اسراء ع ۱۱ اور کہف ع ۲ کا اَلْمُهْتَدِ بھی انہی الفاظ میں سے ہے) یہ (ان پانچوں میں سے ہر ایک یا کے حذف کے ساتھ) روشن (اور مشہور) ہو گیا ہے (اور سورتوں کی قید سے اَخَّرْتَنِيْ منافقون ع ۲ اور اَلْمُهْتَدِيْ اعراف ع ۲۲ نکل گیا)

174\9 يَهْدِيَنِ يَسْقِيَنِ يَشْفِيْنِ وَيُؤْتِيَنِ   يُحْيِيْنِ يَسْتَعْجِلُوْنِ غَابَ اَوْحَضَرَا

ترجمہ: يَهْدِيَنِ (اور) يَسْقِيْنِ (اور) يَشْفِيْنِ (اور) يُحْيِيْنِ (شعراء ع ۴) اور (اَنْ) يُؤْتِيَنِ (ع ۵ اور) يَسْتَعْجِلُوْنِ حالانکہ یہ (صیغہ کی رو سے) غائب ہو یا حاضر ہو (یعنی يَسْتَعْجِلُوْنِ ذاریات ع ۳ ہو خواہ تَسْتَعْجِلُوْنِ انبیاء ع ۳ یہ چھ کلمات بھی یا کے حذف والے الفاظ میں سے ہیں۔)

175\10 تُفَنِّدُوْنِ نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَهَا   دِالْحَجِّ وَالرُّوْمِ وَادِالْوَادِ طِبْنَ ثَرَا

ترجمہ: (اور اَنْ) تُفَنِّدُوْنِ (یوسف ع ۱۱ اور) نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ (یونس ع ۱۰ اور اس کو دو نونوں اور جیم کی تشدید سے لانے کے سبب نُنْجِيْ الْمُؤْمِنِيْنَ انبیاء ع ۶ نکل گیا کیونکہ وہ کسی قراءۃ پر بھی اس طرح نہیں ہے پس اس میں یا ثابت ہے) اور حج اور روم کا هَادِ (یعنی لَهَادِ الَّذِيْنَ حج ع ۷ اور بِهَادِ الْعُمْيِ روم ع ۵ پس نمل ع ۶ والا نکل گیا کیونکہ اس میں یا ثابت ہے اور) وَادِ (اَلْ کے بغیر جو وَادِ النَّمْلِ نمل ع ۲ میں ہے اور) اَلْوَادِ (اَلْ کے ساتھ جو چار جگہ ہے یعنی طٰهٰ و نازعات ع ا و قصص ع ۴ اور والفجر میں یہ پانچوں بھی انہیں الفاظ میں سے ہیں جن میں سے یا محذوف ہے) یہ (سب جنگل جو وَادِ الْوَادِ میں مذکور ہیں) مٹی کے اعتبار سے عمدہ ہو گئے ہیں (یعنی ان کی مٹی برکتوں والی ہے کیونکہ بعض میں تو حق تعالیٰ کی خاص تجلی ظاہر ہوئی ہے اور بعض میں انبیاء علیہم السلام تشریف لے گئے ہیں)

176\11 اَشْرَكْتُمُوْنِ الْجَوَارِىْ كَذَّبُوْنِ فَاَرْ ‏ ‏ ‏ ‏ سِلُوْنِ صَالِ فَمَا تُغْنِىْ يَلِى الْقَمَرَا

ترجمہ :(بِمَا) اَشْرَكْتُمُوْنِ (ابراہیم ع ۴ اور) اَلْجَوَارِ (تین جگہ شوریٰ ع ۴ و رحمٰن ع ۱ اور تکویر میں اور) كَذَّبُوْنِ (تین جگہ مومنون ع ۲ و ع ۳ و شعراء ع ۶ اور) فَاَرْسِلُوْنِ (یوسف ع ۶ اور) صَالِ (الْجَحِيْمِ صٰفّٰت ع ۵ اور وہ) فَمَا تُغْنِ (النُّذُرُ) جو قمر سے متصل ہو رہا ہے (کیونکہ اسی کے ع ۱ میں واقع ہے یہ چھ بھی انہی یا کے حذف والے الفاظ میں سے ہیں۔)

177\12 اَهَانَنِىْ سَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ اَكْرَمَنِىْ ‏ ‏ ‏ ‏ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ وَيَقْضِ الْحَقَّ اِذْ سُبِرَا

ترجمہ : اَهَانَنِ (اور) اَكْرَمَنِ (والفجر اور وَ) سَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ (نساء ع ۲۱ اور) اَنْ يَّحْضُرُوْنِ (مومنون ع ۶) اور يَقْضِ الْحَقَّ (انعام ع ۷ یہ پانچ بھی انہی یا کے حذف والے الفاظ میں سے ہیں) اس لیے کہ یہ (ان میں سے ہر ایک) آزمایا گیا ہے (یعنی ناقلین نے ان کی تحقیق کی تو ان کو یا کے حذف ہی سے پایا اور چونکہ پانچویں میں دوسری قراءۃ يَقُصُّ الْحَقَّ ہے جس پر وہ ناقص یائی کے بجائے مضاعف سے ہے اس لیے اس تقدیر پر یہ یا کے حذف والے الفاظ کے قبیل سے نہیں ہے)

178\13 يَسْرِىْ يُنَادِىْ الْمُنَادِىْ تَفْضَحُوْنِ وَتَرْ ‏ ‏ ‏ ‏ جُمُوْنِ تَتَّبِعَنِ فَاعْتَزِلُوْنِ سَرٰى

ترجمہ : (اِذَا) يَسْرِ (فجر اور يَوْمَ) يُنَادِ (اور) الْمُنَادِ (قٓ ع ۳ اور فَلَا) تَفْضَحُوْنَ (حجر ع ۵) اور (ان) تَرْجُمُوْنِ (اور) فَاعْتَزِلُوْنِ (دخان ع ۱ اور اَلَّا) تَتَّبِعَنِ (طٰہٰ ع ۵ یہ سات بھی انہی ایک سو اکیس یا آت میں سے ہیں جو رسم میں نہیں ہیں) اس (حذف) نے (ان سب کلمات میں اور ان سے گذر کر ان کے مابعد میں بھی) سرایت کی ہے (یعنی ان میں بھی جاری ہے اور ان کے مابعد میں بھی)

179\14 دِيْنِ تُمِدُّوْنَنِىْ لِيَعْبُدُوْنِ وَيُطْ ‏ ‏ ‏ ‏ عِمُوْنِ وَالْمُتَعَالِىْ فَاعْلُ مُعْتَمِرَا

ترجمہ : (اور وَلِىَ) دِيْنِ (کافرون اور اس کے مقام کی تعیین شعر ۱۳ کے سَرٰى سے ہوئی ہے کیونکہ سرایت مابعد میں ہوا کرتی ہے نہ کہ ماقبل میں بھی پس مِنْ دِيْنِىْ یونس ع ۱۱ اور لَهٗ دِيْنِىْ زمر ع ۲ نکل گیا کیونکہ ان میں یا ثابت ہے اور) اَتُمِدُّوْنَنِ (نمل ع ۳ اور) لِيَعْبُدُوْنِ اور (اَنْ) يُّطْعِمُوْنِ (ذاریات ع ۳) اور (اَلْكَبِيْرُ) الْمُتَعَالِ (یہ پانچ بھی یا کے حذف ہی والے کلمات میں سے ہیں) پس تو (ان سب یا آت کو یاد کر کے) بلند (درجہ والا) ہو جا حالانکہ تو (تعلیم پانے کے لیے علم کی مجلسوں کی) زیارت کرنے والا ہو (یا حالانکہ تو زیارت کیا ہوا (عالم) ہے کہ تیرے پاس طلباء اور شائقین علم حاصل کرنے کے لیے آتے ہیں اور قرآن کے

متعلم اور معلم دونوں کا بلند درجہ والا ہونا ظاہر ہے)

180\15 وَخُصَّ فِيْ اٰلِ عِمْرٰنَ مَنِ اتَّبَعَنْ　　وَخُصَّ فَاتَّبِعُوْنِيْ غَيْرَهَا سُوَرَا

ترجمہ: اور تو مَنِ اتَّبَعَنِ (کی یا) کو آل عمران (ع ۲ ہی) میں (حذف کے ساتھ) خاص کر دے (پس وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ یوسف ع ۱۲ میں اجماعاً" یا ہے) اور تو (قرآن کی) سورتوں میں فَاتَّبِعُوْنِيْ کو (یعنی) اس (فا والے فَاتَّبِعُوْنِيْ) کے سوا (دوسرے اِتَّبِعُوْنِ) کو (یا کے حذف کے ساتھ) خاص کر دے (یعنی اِتَّبِعُوْنِ چار جگہ آیا ہے آل عمران ع ۴ و طہ ع ۵ میں تو فَاتَّبِعُوْنِيْ ہے فا سے ان دونوں میں تو یا اجماعاً" ثابت ہے اور غافر ع ۵ اور زخرف ع ۶ میں فا کے بغیر يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اور وَاتَّبِعُوْنِ ہے ان دونوں میں یا اجماعاً" محذوف ہے پس دوسرے مصرع کا مطلب یہ ہے کہ فا والے فَاتَّبِعُوْنِيْ کے سوا دوسرے اتبعون میں یا محذوف ہے جو دو جگہ ہے رہا فا والا سو اس میں یا ثابت ہے اور ایک نسخہ میں فَاتَّبِعُوْنِيْ کے بجائے فِي اتَّبِعُوْنِيْ ہے فِيْ جارہ سے اور مطلب یہ ہے کہ اِتَّبِعُوْنِ کی یا کے حذف میں آل عمران کے سوا اور سورتوں کو خاص کر دو پس غَيْرَهَا کی ھا پہلی صورت میں فا والے فَاتَّبِعُوْنِيْ کے لیے تھی اور دوسری تقدیر پر آل عمران کے لیے ہے یعنی آل عمران کے فَاتَّبِعُوْنِيْ میں یا ثابت ہے اور باقی موقعوں والے میں محذوف ہے اور اب لازم آئے گا کہ طہ والے میں بھی یا نہ ہو حالانکہ اس میں اجماعاً" ہے پس یا تو یہ کہا جائے کہ فِيْ جارہ والا نسخہ صحیح نہیں کیونکہ ناظم جیسے ماہر سے یہ بات بعید ہے کہ وہ اپنے مقصد کو ایسے لفظ سے ادا کریں جو اس کے لیے کافی نہ ہو کیونکہ اس صورت میں تو طہ والے میں بھی حذف ماننا پڑے گا یا یہ کہا جائے کہ فِيْ جارہ والا نسخہ صحیح ہے لیکن ناظمؒ کو سہو ہو گیا جس سے ایسی عبارت لے آئے کہ اس سے طہ والے میں بھی حذف ظاہر ہوتا ہے اور یہ اس لیے ہوا کہ دانیؒ نے طہ والے کو باب الحذف میں بیان نہیں کیا بلکہ ان کلمات کے باب میں لائے ہیں جو یا کے اثبات سے لکھے جاتے ہیں لیکن فَاتَّبِعُوْنِيْ والے نسخہ پر مطلب کی تقریر میں قدرے تکلف اختیار کرنا پڑتا ہے جیسا کہ تقریر بالا سے ظاہر ہے اور فِيْ جارہ والے نسخہ پر بلا تکلف مطلب درست ہو جاتا ہے صرف یہ کہنا پڑتا ہے کہ ناظمؒ نے طٰہٰ والے کو سہواً یا کے حذف والے میں شامل کر دیا)

181\16 يُبَشِّرْ عِبَادِ التَّلَاقِيْ وَالتَّنَادِ وَتَقْ　　رَبُوْنِ مَعْ تُنْظِرُوْنِيْ غُصْنُهَا نَضِرَا

ترجمہ: فَبَشِّرْ عِبَادِ (زمر ع ۲ اور يَوْمَ) التَّلَاقِ اور (يَوْمَ) التَّنَادِ (غافر ع ۲ و ع ۴) اور (وَلَا) تَقْرَبُوْنِ (یوسف ع ۸ لَا) تُنْظِرُوْنِ سمیت (جو تین جگہ ہے یعنی اعراف ع ۲۴ و یونس ع ۸ و ہود ع ۵ میں یہ پانچ بھی انہی الفاظ میں سے ہیں جن کے آخر میں سے یا رسماً" محذوف ہے) اس (لَا تُنْظِرُوْنِ) کی شاخ خوبصورت (اور رونق دار) ہو گئی ہے (یعنی یہ شاخوں والا ہے چنانچہ تین جگہ آیا ہے سبحان اللہ مقصد کو کس عمدگی

سے ادا کیا ہے)

182\17 فِی النَّمْلِ اٰتٰنِ فِیْ صَادٍ عَذَابِ وَمَا ۔۔۔ لِاَجْلِ تَنْوِیْنِہٖ کَھَادٍ اِخْتُصِرَا

ترجمہ: (فَمَا) اٰتٰنِ جو نمل (ع ۳) میں ہے (اور لَمَّا یَذُوْقُوْا) عَذَابِ جو صٓ (ع ۱) میں ہے (یہ دونوں بھی ان الفاظ میں سے ہیں جن کے آخر میں سے متکلم کی یا رسماً محذوف ہے) اور وہ جو اپنی تنوین کے سبب (یا کے حذف کے ذریعہ) مختصر کیا گیا ہو (جس کی مثال) ھَادٍ (اور وَاقٍ) کی طرح ہے (وہ بھی آخری یا کے حذف والے الفاظ میں سے ہے یعنی ہر وہ اسم جو رفعی اور جری حالت میں ہو اور اس کے آخر میں یا ہو اور یا کے بعد تنوین آجائے اس کی یا بھی ہر جگہ رسم سے محذوف ہے کیونکہ یا کے بعد تنوین کے آجانے سے دو ساکن جمع ہو جاتے ہیں اس لیے اجتماع ساکنین کے عام قاعدہ کے موافق یا مدہ کو حذف کر دیتے ہیں اور ایسے تنوین والے اسم یہ تیس ہیں جو سینتالیس جگہ آئے ہیں۔ (۱) بَاغٍ (۲) عَادٍ بقرہ (ع ۲۱) و انعام (ع ۱۸) و نحل (ع ۱۵) (۳) مُوصٍ بقرہ (ع ۲۲) (۴) تَرَاضٍ بقرہ (ع ۳۰) و نساء (ع ۵) (۵) حَامٍ مائدہ (ع ۱۴) (۶) لَاٰتٍ انعام (ع ۱۶) و عنکبوت (ع ۱) (۷) غَوَاشٍ (۸) اَیْدٍ اعراف (ع ۵ و ع ۲۴) (۹) هَارٍ توبہ (ع ۱۳) (۱۰) لَعَالٍ یونس (ع ۹) (۱۱) نَاجٍ یوسف (ع ۵) (۱۲) هَادٍ پانچ جگہ رعد (ع ۱ و ع ۵) و زمر (ع ۳ و ع ۴) و غافر (ع ۴) (۱۳) وَاقٍ تین جگہ رعد (ع ۵ میں دو) اور غافر (ع ۳ میں ایک) (۱۴) مُسْتَخْفٍ (۱۵) وَالٍ رعد (ع ۲) (۱۶) وَادٍ ابراہیم (ع ۶) و شعراء (ع ۱۱) (۱۷) بَاقٍ (۱۸) مُفْتَرٍ نحل (ع ۱۳ و ع ۱۴) (۱۹) لَیَالٍ تین جگہ مریم و حاقہ (ع ۱) اور والفجر میں (۲۰) قَاضٍ طٰہٰ (ع ۳) (۲۱) زَانٍ نور (ع ۱) (۲۲) جَازٍ لقمن (ع ۴) (۲۳) بِکَافٍ زمر (ع ۴) (۲۴) مُعْتَدٍ تین جگہ قٓ (ع ۲) و نٓ (ع ۱) و تطفیف (۲۵) فَانٍ (۲۶) اٰنٍ (۲۷) دَانٍ رحمٰن (ع ۲ و ع ۳) (۲۸) مُھْتَدٍ حدید (ع ۴) (۲۹) مُلٰقٍ حاقہ (ع ۱) (۳۰) رَاقٍ قیامہ (ع ۱) میں رہا وَادِالنَّمْلِ اور هَادِ حج و روم اور صَالِ صُفْت سو چونکہ وہ مضاف ہیں اور اضافت سے تنوین حذف ہو جاتی ہے اس لیے وہ اس قسم میں داخل نہیں ہیں اور ان کی یا کا حذف پہلے بتا چکے ہیں۔)

183\18 وَفِی الْمُنَادٰی سِوٰی تَنْزِیْلِ اٰخِرِھَا ۔۔۔ وَالْعَنْکَبُوْتِ وَخُلْفُ الزُّخْرُفِ انْتَقَرَا

ترجمہ: اور مُنَادٰی (کے آخر) میں (سے بھی متکلم کی یا ہر جگہ حذف کی جاتی ہے یعنی جس اسم پر بھی یائے ندائیہ داخل ہو عام ہے کہ حرف ندا مذکور ہو یا مقدر ہو اور وہ اسم متکلم کی یا کی طرف مضاف ہو اس کے آخر میں سے وہ یا ہر جگہ رسم سے محذوف ہوتی ہے جیسے یٰقَوْمِ یٰبُنَیَّ یٰعِبَادِ اور قَالَ رَبِّ وغیرہ) سوائے تنزیل (سورۂ زمر یعنی) اس کے آخری (مُنَادٰی) کے (جو یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا ع ۶ میں ہے) اور عنکبوت (ع ۶ والے یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا) کے (کہ ان دونوں میں یا ثابت ہے) اور زخرف (ع ۷ کے یٰعِبَادِ لَا

خَوْفَ) کا خلاف (بعض قرآنوں کے ساتھ) خاص ہو گیا ہے (چنانچہ اس یٰعِبَادِ میں مدنی اور شامی قرآنوں میں داخل کے بعد یا ہے اور عراقی میں نہیں یا زخرف والے کا خُلف جو ہے اس کو اہل رسم نے پسند کیا ہے خلاصہ یہ کہ جس اسم پر یائے ندایہ آرہا ہو اور وہ متکلم کی یا کی طرف مضاف ہو اس کے آخر میں سے یا ہر جگہ محذوف ہے لیکن اس قسم میں سے یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ عنکبوت و زمرع ۶ میں اجماعاً" اور یٰعِبَادِ لَا زخرف میں صرف مدنی اور شامی قرآنوں میں یا ثابت ہے رہا سورۂ زمر کا پہلا یٰعِبَادِ الَّذِیْنَ جو ع ۲ کے شروع میں ہے سو وہ اجماعاً" یا کے بغیر ہے)

184\19 اِلٰفِهِمْ وَاحْذَفُوْا اِحْدَاهُمَا كَوَرِءً يَاخٰطِئِيْنَ وَالْاُمِّيْنَ مُقْتَفِرَا

ترجمہ: (اور) اِلٰفِهِمْ (قریش کی یا بھی اجماعاً" حذف کی جاتی ہے رہا۔ لِاِیْلٰفِ سو اس میں یا اجماعاً" ثابت ہے اور لام کے بعد والا الف دونوں میں سے محذوف ہے اسی لیے یہاں تو اس کو ھِمْ کی طرف مضاف کر کے لائے ہیں تاکہ یہ متعین ہو جائے کہ یا اسی میں سے محذوف ہے نہ کہ لِاِیْلٰفِ میں سے بھی اور دوسرے باب کے شعر ۸ میں الف کے حذف کے بیان میں اس کو بلا اضافت لائے تھے تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ الف کا حذف دونوں میں ہے) اور تم (کلمہ میں دو یاؤں کے جمع ہو جانے کی صورت میں) ان دونوں میں کی ایک (یا) کو حذف کر دو (عام ہے کہ ان دونوں یاؤں میں سے پہلی یا ہمزہ کی صورت ہو یا خود اپنی ہی شکل ہو دونوں صورتوں میں ایک ہی یا لکھی جاتی ہے اور دو یاؤں کے جمع ہونے کی مثال) وَرِءْيًا (مریم ع ۵ اور) خٰطِئِیْنَ کی طرح ہے (کہ دونوں میں اصل کی رو سے دو یائیں تھیں جن میں سے پہلی ہمزہ کی اور دوسری خود یا کی صورت تھی لیکن رسم دونوں کی اجماعاً" ایک ہی یا سے ہے اور تو) وَالْاُمِّيِّنَ (میں بھی ایک یا کو حذف کر دے) حالانکہ تو (اس بارہ میں نقل کی) پیروی کرنے والا ہے (یعنی یہ حذف نقل سے ثابت ہے موسیٰ جار اللہ فرماتے ہیں کہ وَرِءْيًا میں سے ایک یا جو محذوف ہے وہ ہمزہ کی صورت ہے اور اس کی تین وجوہ ہیں (۱) اس ہمزہ میں تخفیف ہوتی ہے اس لیے یہ صورت سے بے نیاز ہے (۲) تخفیف کے وقت ہمزہ میں اولاً یا سے ابدال پھر ادغام ہوتا ہے اور ایک کلمہ کے مثلین میں ادغام کے وقت اول بے صورت ہوا کرتا ہے (۳) اس کے آخر میں جو الف ہے وہ تنوین سے بدلا ہوا ہے اور ایسے الف کا اعراب کے حرف سے متصل ہونا ضروری ہے اور اس کلمہ میں اعراب کا حرف یا ہے نہ کہ ہمزہ۔ اور خٰطِئِیْنَ ایک شوشہ سے لکھا ہوا ہے اور یہ رسم قیاس کے بھی موافق ہے رہا وَالْاُمِّيِّنَ اور النَّبِيِّنَ سو ان کو صرف ایک یا سے لکھنے کی وجہ ہم سے مخفی ہے۔ دانیؒ فرماتے ہیں کہ زیر کے بعد ہمزہ ساکنہ میرے علم میں صرف وَرِءْيًا میں بے صورت ہے)

فائدہ: (۱) وَرِءْيًا کو ایک یا سے لکھنا اور ہمزہ کو بے صورت رکھنا صرفی قاعدہ کے بھی موافق ہے (۲) مُقْتَفِرَا کو وَرِءْيًا وغیرہ سے بھی حال بنا سکتے ہیں اور اس صورت میں اس کی فا پر فتحہ ہو گا۔

185\20 مَنْ حَيَّ يُحْيِ وَيَسْتَحْيِ كَذَاكَ سِوٰى هَيِّئِ يُهَيِّئُ وَعِلِّيِّيْنَ مُقْتَصِرَا

186\21 وَذِي الضَّمِيْرِ كَيُحْيِيْكُمْ وَسَيِّئَةٍ فِي الْفَرْدِ مَعْ سَيِّئًا وَالسَّيِّئِ اقْتَصِرَا

ترجمہ: (۲۰) (اور اظہار حَيِيَ والی قراءۃ پر) مَنْ حَيِيَ (انفال ع ۵ اور) يُحْيِ (جس طرح بھی آئے اور جس صیغہ سے بھی ہو جو يُحْيِ۔ اَحْيِ نُحْيِ سب کو شامل ہے) اور يَسْتَحْيِ (جس طرح بھی آئے یہ تینوں بھی) اسی طرح ہیں (یعنی ان میں بھی اصل کی رو سے دو یائیں ہیں اور اجماعاً" ایک یا سے لکھے ہوئے ہیں اور مَنْ حَيَّ میں اظہار والی قراءۃ پر دو یائیں ہیں رہی ادغام والی سو اس پر تو قیاس کی رو سے بھی اس میں ایک ہی یا ہے) سوائے (وَ) هَيِّئْ (لَنَا اور وَ) يُهَيِّئْ (لَكُمْ کہف ع ا و ع ۲) اور عِلِّيِّيْنَ (تطفیف) کے (کہ یہ تینوں ایک یا سے لکھے جانے کے قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں اور دو یاؤں سے لکھے ہوئے ہیں) حالانکہ یہ (ان تینوں میں سے ہر ایک ایک یا سے لکھے جانے کے قاعدہ سے) روک دیا گیا (اور جدا کر دیا گیا) ہے (۲۱) اور (سوائے) ضمیر والے (لفظ) کے (جس کی مثال) يُحْيِيْكُمْ کی طرح ہے (یعنی جن کلمات میں دو یائیں جمع ہو رہی ہوں اگر ان کے آخر میں ضمیر متصل آجائے جیسے يُحْيِيْكُمْ يُحْيِيْنِ۔ اَفَعَيِيْنَا۔ اَحْيَيْنٰهَا۔ حُيِّيْتُمْ تو وہ اجماعاً" دو یاؤں سے لکھے جاتے ہیں) اور (سوائے اس تا والے) سَيِّئَةً کے جو واحد (کے صیغہ) میں ہو (اس) سَيِّئًا اور اَلسَّيِّئُ سمیت (جس میں ہمزہ کے بعد تا نہ ہو عام ہے کہ اَلْ کے ساتھ ہو یا اَلْ کے بغیر) یہ (ان تینوں میں سے ہر ایک بھی ایک یا سے لکھنے کے قاعدہ سے) روک دیا گیا ہے (اس لیے یہ تینوں بھی اجماعاً" دو یاؤں سے لکھے ہوئے ہیں خلاصہ یہ کہ جب کسی کلمہ میں دو یائیں جمع ہو جائیں تو وہ ہر جگہ ایک ہی یا سے لکھا جاتا ہے لیکن یہ سات قسمیں اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں اور ان میں دونوں یائیں لکھی جاتی ہیں (۱) وَهَيِّئْ (۲) وَيُهَيِّئْ (کہف ع ا و ع ۲) (۳) عِلِّيِّيْنَ (تطفیف) (۴) اس قسم میں سے وہ سب کلمات جن کے آخر میں ضمیر متصل آرہی ہو جیسے يُحْيِيْكُمْ حُيِّيْتُمْ وغیرہ (۵) وہ سَيِّئَةً جس کے آخر میں تا ہو لیکن واحد کا صیغہ ہو اور عام ہے کہ اس کے شروع میں اَلْ ہو یا نہ ہو (رہا سَيِّئَاتِ اور اَلسَّيِّئَاتِ جمع جس میں تلفظ کی رو سے ہمزہ کے بعد الف بھی ہو سو وہ قیاس کے موافق ایک ہی یا سے لکھا جاتا ہے اور اس میں ہمزہ بے صورت ہے) (۶) وہ سَيِّئًا جو اَلْ اور تا دونوں سے خالی ہو (۷) اَلسَّيِّئُ جس کے شروع میں تو اَلْ ہو لیکن آخر میں تا نہ ہو اور اس کے ہمزہ پر تینوں حرکتوں میں سے چاہے جو حرکت ہو)

فائدہ: (۱) سخاویؒ فرماتے ہیں کہ میں نے شامی قرآن میں اَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى کو بھی دو یاؤں سے دیکھا ہے (۲) مَنْ حَيَّ میں ایک یا شمول کی بناء پر ہے اور يُحْيِ۔ يَسْتَحْيِ وغیرہ میں اختصار کی بناء پر۔

187\22 هَيِّئْ يُهَيِّئْ مَعَ السَّيِّئْ بِهَا اَلِفٌ   مَعْ يَآئِهَا رَسَمَ الْغَازِيُّ وَقَدْ نُكِرَا

ترجمہ: هَيِّئْ (اور) يُهَيِّئْ جو السَّيِّئْ کے ساتھ ہے ان (تینوں) میں الف ہے ان کی یا سمیت (ان کو) غازی (بن قیس) نے (اپنی کتاب ہجاء السنہ میں اسی طرح) لکھا ہے (یعنی یہ تینوں کلمات اکثر قرآنوں میں تو پہلے بیان کے موافق دو یاؤں سے ہیں اور ان میں الف نہیں اور غازی بن قیس کی روایت پر ان میں دوسری یا کے بجائے الف ہے اس لیے یہ تینوں یا اور الف سے لکھے ہوئے ہیں اور غازی مدنی قرآن سے روایت کرتے ہیں) اور (ان کی) یہ (رسم) اجنبی سمجھی گئی ہے (یعنی ان کا یا اور الف کے بجائے دو یاؤں ہی سے لکھنا صحیح ہے ناظمؒ نے یہ رد دانیؒ کی پیروی میں کیا ہے کیونکہ موصوف مقنع میں غازی کی اس روایت کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ اجماع کے خلاف ہے لیکن سخاویؒ کی وسیلہ میں ہے کہ خود دانیؒ ہی کا قول اجماع کے خلاف ہے جو ظن غالب کی اور اس روایت کا علم نہ ہونے کی بناء پر صادر ہوا ہے اور میں نے ان تینوں کلمات کو شامی قرآن میں غازی بن قیس کے بیان کے موافق یا کے بعد الف ہی سے دیکھا ہے اور شرح جار اللہ میں ہے کہ اثبات کے موقع میں عادل کی نقل مقدم ہوا کرتی ہے خلاصہ یہ کہ روایت کی رو سے تو ان کلمات کی دونوں رسمیں صحیح ہیں لیکن زیادہ تر عمل دو یاؤں ہی سے لکھنے پر ہے)

188\23 بِاٰيَةٍ وَّبِاٰيٰتِ الْعِرَاقُ بِهَا   يَاءَانِ عَنْ بَعْضِهِمْ وَلَيْسَ مُشْتَهِرًا

ترجمہ: بِاٰيَةٍ اور بِاٰيٰتٍ جو ہے (یعنی اٰيَةٍ واحد اور جمع جبکہ یہ دونوں با جارہ کے بعد ہوں) عراقی (قرآن) جو ہیں ان میں (ان دونوں کلمات میں) بعض ناقلین (کی روایت) سے (الف اور تا کے درمیان) دو یائیں ہیں اور یہ (قول) مشہور نہیں ہے (بلکہ یہ دونوں اہل عراق کے اکثر قرآنوں میں ایک ہی یا سے لکھے ہوئے ہیں یہ ناظمؒ اور دانیؒ کی تحقیق ہے اور وسیلہ میں ہے کہ میں نے عراق کے اکثر قرآنوں میں اور شامی قرآن میں بِاٰيَةٍ اور بِاٰيٰتٍ کو الف کے بعد دو یاؤں ہی سے لکھا ہوا دیکھا ہے پس دانیؒ کا یہ ارشاد کہ اکثر عراقیہ میں ایک یا ہے شاید اس بناء پر ہو کہ جو قرآن ان کی نظر سے گذرے ہوں گے ان میں سے اکثر میں ایک یا سے ہوں گے یہ معنی نہیں کہ تمام میں ایک ہی یا سے ہیں کیونکہ میں نے بہت سے قرآن کھول کر دیکھے تو سب میں دو ہی یاؤں سے پایا اور ان میں سے کسی میں بھی ایک یا سے نہیں دیکھا)

189\24 وَالْمُنْشَئٰتُ بِهَا بِالْيَا بِلَا اَلِفٍ   وَفِي الْهِجَاءِ عَنِ الْغَازِيِّ كَذَاكَ يُرٰى

ترجمہ: اور اَلْمُنْشَئٰتُ (رحمٰن ع ۱) ان (عراقی قرآنوں) میں (شین کے بعد اس) یا سے ہے جو الف کے بغیر ہے (یعنی شین اور تا کے درمیان ایک شوشہ ہے جو یا کا ہے اور وہ یا ہمزہ کی صورت ہے اور جمع کا الف

محذوف ہے) یہ (لفظ) غازی (بن قیس) سے ہجاء (السنہ) میں (بھی) اسی طرح (الف کے بغیریا ہی سے) دیکھا جاتا ہے (جیسا کہ مقنع میں تصریح کی ہے اور سخاویؒ نے شامی قرآن میں بھی اسی طرح دیکھا ہے دانیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں یہ یا شین کے کسرہ والی قراءۃ کی رو سے ہے رہی شین کے فتحہ والی قراءۃ سو اس پر ہمزہ کا یا کی صورت میں ہونا قیاس کے خلاف ہے)

بَابُ مَا زِيدَتْ فِيهِ الْيَاءُ

پانچواں باب ان الفاظ کے بیان میں جن میں ایک یا زیادہ کی گئی ہے۔

(اس میں چار شعر ہیں)

شرح: یہ باب پہلے بابوں کی ضد ہے کیونکہ ان میں حذف کا بیان تھا اور اس میں زیادت کا ہے۔ مد کے حروف کی زیادتی ان پانچ غرضوں سے ہوتی ہے (۱) کلمہ کو اس کی اصل کی طرف لوٹا دینا (۲) ہمزہ کا قوی کر دینا (۳) اس کے ذریعہ ہمزہ میں تخفیف کرنا (۴) الف کو زیادہ کر کے کلمہ کی تمامی اور اس کی مابعد سے جدائی ظاہر کرنا (۵) یا زیادہ کر کے امالہ کا ظاہر کرنا۔ پس زیادتی کی مناسب وجہ ہر جگہ خود سوچ لینی چاہیے۔

1\190 اَوْمِنْ وَّرَآیءِ حِجَابٍ زِيْدَيَاهُ وَفِيْ ۔۔۔ تِلْقَایءِ نَفْسِيْ وَمِنْ اٰنَآیءِ لَاعُسُرَا

2\191 وَفِيْ وَاِيْتَایءِ ذِي الْقُرْبٰى بِاَيِّكُمْ ۔۔۔ بِاَيْدِانِ مَّاتَ مَعْ اِنْ مِّتَّ طِبْ عُمُرَا

ترجمہ: اَوْمِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ (شوریٰ ع ۵) جو ہے اس کی یا زیادہ کی گئی ہے اور تِلْقَآئِ نَفْسِيْ (یونس ع ۲ اور) وَمِنْ اٰنَآئِ (الَّيْلِ طٰہٰ ع ۸) میں اور وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى (نحل ع ۱۳) میں (بھی ان چاروں میں الف کے بعد یا زیادہ کی گئی ہے اور قرآن میں سے ان چاروں کلمات کی سورتوں اور موقعوں کے معلوم کر لینے میں کوئی) تنگی نہیں ہے (بلکہ آسانی سے معلوم ہو سکتے ہیں کیونکہ ہم نے ان کے ساتھ ان کے قریب والے الفاظ بھی ملا دیئے ہیں اور اسی طرح) بِاَيِّكُمُ (نٓ ع ۱ اور) بِاَيْدٍ (ذاریات ع ۳ اور) اَفَائِنْ مَّاتَ (آل عمران ع ۱۵) اور اَفَائِنْ مِّتَّ (انبیاء ع ۳ میں بھی الف کے بعد یا زیادہ کی گئی ہے اللہ کرے) تو عمر کے اعتبار سے عمدہ (اور خوش) رہے (یعنی تیری عمر خوشگوار اور مزیدار گذرے اور طویل عمر نصیب ہو اس دعائیہ جملہ کو اس لیے زیادہ کیا ہے کہ اِنْ مِّتَّ میں خطاب کا صیغہ آگیا تھا اور یہ ناظم کا عظیم الشان ادب ہے اور یہ بات اسلامی آداب کے اعلیٰ ترین اصول میں سے ہے کہ انسان کو اس کی ناپسندیدہ چیز کے ذریعے خطاب نہ کیا جائے اور یہاں وہ شے موت

ہے خلاصہ یہ کہ ان دو شعروں میں آٹھ کلمات مذکور ہیں اور آٹھوں میں الف کے بعد ایک یا زائد لکھی ہوئی ہے پہلے چار میں یا کا زائد ہونا اس کلیہ قاعدہ کے لحاظ سے ہے کہ الف کے بعد کلمہ کے آخر والا ہمزہ بے صورت ہوا کرتا ہے اور انمیں یا کی صورت میں ہے اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ان چاروں میں ہمزہ کا حذف سکون سے وقف کرنے کے اعتبار سے ہے کیونکہ اس صورت میں تخفیف کے وقت ہمزہ حذف ہو جایا کرتا ہے جیسا کہ حمزہ کی قراءۃ میں ہے اور یا کی صورت میں ہونا روم سے وقف کرنے کے اعتبار سے ہے کیونکہ کسرہ والے ہمزہ کی تسہیل یا ہی کی طرح ہوا کرتی ہے۔ اور اس تقدیر پر یا کو زائد ماننے کی حاجت نہ ہوگی اور بِاَیِیْکُمُ اور بِاَیْیدٍ میں الف کے بعد دو یائیں لکھی ہوئی ہیں پس الف تو ہمزہ کی صورت ہے کیونکہ کلمہ کے شروع میں ہے اور پہلی یا زائد ہے جو اول میں تو اس کو اصل کی طرف لوٹانے کے لیے ہے کیونکہ زائد حرف رسم کی رو سے کلمہ کے جزو کی طرح ہے پس اس کے بعد والا ہمزہ متوسطہ کے حکم میں ہونا چاہیے اور دوسری یا نفس کلمہ کی ہے اور بِاَیْیدٍ میں الف تو ہمزہ کی صورت ہے اور پہلی یا اس لیے زائد ہے کہ یہ اَیْدٍ جو قوت کے معنی میں ہے اور جس کا لام کلمہ دال ہے اس میں اور اس اَیْدٍ میں فرق ہو جائے جو یَدٌ بمعنی ہاتھ کی جمع ہے اور اس میں دال عین کلمہ ہے اور لام کلمہ یا ہے جو محذوف ہے اور اَفَائِن مَّاتَ اور اَفَائِن مِّتَّ دونوں میں الف کے بعد یا لکھی ہوئی ہے جو نون سے متصل ہے پس اگر الف کو ہمزہ کی صورت مانیں گے تو یا زائد ہوگی اور ان چاروں میں یا کا زائد ہونا اس کلیہ کے اعتبار سے ہے کہ جو ہمزہ کلمہ کے شروع میں ہو وہ قیاس کی رو سے الف کی صورت میں ہوا کرتا ہے پس جب ان میں الف موجود ہے تو یا کا زائد ہونا ظاہر ہے لیکن چونکہ بعض کلمات میں اس کو متوسطہ قرار دے کر اس پر درمیان والے ہمزہ کا حکم بھی جاری کر دیتے ہیں جیسا کہ ان کلمات کا ذکر چھٹے باب میں آئے گا اس لیے ان چاروں کلمات کے ہمزوں میں دو اعتبار ہیں (۱) یہ کہ کلمہ کے شروع میں ہیں (۲) یہ کہ زائد حرف کے سبب متوسطہ کے حکم میں ہو گئے ہیں پس پہلے اعتبار سے ہمزہ کو الف کی اور دوسرے لحاظ سے یا کی صورت میں لکھا ہے اور اس تقدیر پر یا زائد نہ ہوگی اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ان میں سے ایک زائد ہے اسی لیے ناظمؒ نے یا کا زائد قرار دینا پسند کیا ہے)

192\3 مِنۡ نَّبَاِیِ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ثُمَّ فِیۡ مَلَاۡئِهٖ   اِذَا اُضِیۡفَ اِلٰی اِضۡمَارِ مَنۡ سَتَرَا

ترجمہ: (اور) مِنۡ نَّبَاِیِ الۡمُرۡسَلِیۡنَ (انعام ع ۴ میں بھی الف کے بعد یا زیادہ کی گئی ہے پس الف تو ہمزہ کی صورت ہے کیونکہ قیاس کی رو سے حرکت کے بعد کلمہ کے آخر والا ہمزہ اپنے سے پہلے حرف کی حرکت کے اعتبار سے لکھا جاتا ہے اور یا زائد ہے اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ الف اور یا دونوں ہمزہ ہی کی صورتیں ہیں الف سکون سے اور یا روم سے وقف کرنے کے اعتبار سے ہے) پھر (ہمزہ کے جر والے) مَلَاۡئِهٖ (اور مَلَاۡئِهِمۡ) میں (بھی الف کے بعد یا اس وقت زیادہ کی گئی ہے) جب یہ (مَلَاۡئِ) اس (شخص) کی ضمیر کی طرف مضاف کیا جائے

جو چھپا دیا گیا ہو (یعنی جب مَلَاىِٕ کے ہمزہ پر جر ہو اور واحد یا جمع مذکر غائب کی ضمیر کی طرف مضاف ہو جو وَمَلَا۟ئِهٖ اور مَلَا۟ئِهِمْ میں آتا ہے تو اس میں بھی الف کے بعد یا زائد لکھی جاتی ہے پس ناظمؒ کی رائے پر اس میں الف ہمزہ کی صورت ہے اور یا زائد ہے اور چونکہ قاعدہ یہ ہے کہ کلمہ کے درمیان والا ہمزہ اپنی حرکت کے اعتبار سے لکھا جاتا ہے اور وَمَلَا۟ئِهٖ اور وَمَلَا۟ئِهِمْ میں بھی ضمیر کے سبب ہمزہ متوسط بن گیا ہے۔ پس یہ قیاس کی رو سے یا کی صورت میں ہونا چاہیے اس لیے مناسب یہ ہے کہ وَمَلَا۟ئِهٖ میں الف کو زائد مان کر ہمزہ کو یا کی صورت کہا جائے اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ الف اور یا دونوں ہمزہ ہی کی صورتیں ہیں الف اس لیے کہ اصل کی رو سے یہ ہمزہ کلمہ کے آخر میں ہے اس لیے ماقبل کی حرکت کے لحاظ سے لکھا گیا ہے اور یا کی صورت اس لیے ہے کہ ضمیر کے سبب ہمزہ متوسط ہو گیا ہے اس لیے خود اپنی حرکت کے اعتبار سے لکھا گیا ہے پس اگر ملا کے ہمزہ پر جر نہ ہو جیسے وَمَلَاۡىهٖ یونس (ع ۹) اور قَالَ الْمَلَاُ اعراف یا ہمزہ پر جر تو ہو لیکن مضاف نہ ہو جیسے لِلْمَلَاِ تو ان صورتوں میں یا زائد نہیں لکھی جاتی بلکہ ہمزہ الف کی صورت میں ہوتا ہے لیکن صرف مومنون (ع ۲) والا اور نمل میں تینوں جگہ واو کی صورت میں ہے جیسا کہ چھٹے باب میں آئے گا)

4\193 لِقَآىِٕ فِی الرُّوْمِ لِلْغَازِیْ وَکُلُّهُمْ ۔۔۔ بِالْیَا بِلَا اَلِفٍ فِیْ الّٰٓئِیْ قَبْلُ تُرٰی

ترجمہ: (اور) بِلِقَآىِٕ (اور وَلِقَآئِ) جو روم (ع ا و ع ۲) میں ہے (اس میں) غازی (بن قیس) کے لیے (یعنی ان کی روایت سے الف کے بعد یا زیادہ کی گئی ہے اور اس کی وجہ وہی ہے جو شعرا کے وَرَآئِ حِجَابٍ وغیرہ میں درج ہو چکی ہے ملاحظہ ہو خلاصہ) اور تمام قرآن جو ہیں وہ الّٰٓئِیْ میں (اس) یا کے ساتھ دیکھے جاتے ہیں جو (اس) الف کے بغیر ہے جو (تلفظ میں اس یا سے) پہلے ہے (یعنی الّٰٓئِیْ جو چار جگہ آیا ہے یہ تمام قرآنوں میں اِلٰی جارہ کی طرح تین حرفوں سے لکھا ہوا ہے اور کل چھ میں سے تین حروف محذوف ہیں (۱) الُ کا پہلا لام اس کو باب حذف احدی اللامین میں بیان کریں گے (۲) لام کے بعد کا الف اس کے حذف کو دوسرے باب کے شعر (۲) میں بیان کر چکے ہیں (۳) الف کے بعد کا زیر والا ہمزہ یہ تماثل کی بناء پر محذوف ہے کیونکہ اگر اس کو لکھتے تو الف کے بعد متوسط ہونے کے سبب یا کی صورت میں ہوتا اور ایک یا اس میں پہلے ہی تھی۔ پس دو یا جمع ہو جاتیں اسی لیے ہمزہ کو حذف کر دیا اور یہاں اس کو یہی بتانے کے لیے لائے ہیں کہ اس میں لام اور الف کی طرح ہمزہ بھی محذوف ہے)

بَابُ حَذْفِ الْوَاوِ وَ زِيَادَتِهَا

چھٹا باب واو کے حذف اور اس کی زیادتی کے بیان میں

(اس میں چھ شعر ہیں)

194\1 وَوَاوُ يَدْعُوَ لَدٰى سُبْحٰنَ وَاقْتَرَبَتْ   يَمْحُو بِحَامِيْمَ نَدْعُوَ فِي اقْرَا اخْتَصِرَا

ترجمہ: اور سُبْحٰنَ (الَّذِیْ اَسْرٰا ع ۲) اور اِقْتَرَبَتِ (السَّاعَةُ قمر ع ۱) میں (وَ) یَدْعُ (الْاِنْسَانُ اور یَدْعُ الدَّاعِ) (اور) حامیم (شوریٰ ع ۳) میں (و) یَمْحُ (اللّٰہِ اور) اِقْرَاْ (علق) میں سَنَدْعُ (الزَّبَانِیَةَ) کا واو (جو عین اور حا کے بعد تھا حذف کے ذریعہ) مختصر کر دیا گیا ہے (یعنی چاروں موقعوں میں واو رسم سے محذوف ہے جو یَمْحُ میں حا کے اور باقی تین میں عین کے بعد تھا اور یہ حذف وصل کی موافقت کی غرض سے ہے یعنی چونکہ دو ساکن جمع ہو جانے کے سبب چاروں میں سے واو مدہ وصلاً حذف ہو گیا تھا اس لیے رسم سے بھی حذف کر دیا اور رسم کی موافقت کے سبب ان چاروں میں وقف بھی واو کے بغیر ہی ہوتا ہے)

فائدہ: یَمْحُ کے ساتھ حامیم کی قید لگانے سے یَمْحُوا اللّٰہُ رعد ع ۶ نکل گیا کیونکہ اس میں واو اجماعاً ثابت ہے اور اسی طرح اوروں کو سمجھ لو۔

195\2 وَهُمْ نَسُوا اللّٰهَ قُلْ وَالْوَاوُ زِيْدَ اُولُوا   اُولِيْ اُولَاتِ وَفِيْ اُولٰئِكَ انْتَشَرَا

ترجمہ: اور تو کہہ دے کہ نَسُوا اللّٰہِ (توبہ ع ۹ اور حشر ع ۳ میں جمع کے واو کے حذف کی روایت) وہم ہے (یعنی بعض نے یہ بیان کیا ہے کہ ان دونوں موقعوں میں سین کے بعد کا واو رسم سے محذوف ہے لیکن اس میں سب قرآنوں میں واو لکھا ہوا ہے پس حذف والا قول بے اصل ہے) اور اُولُوا۔ اُولِیْ۔ اُولَاتِ (میں) اور اُولٰئِکَ (اُولٰئِکُمْ) میں (ان پانچوں میں ہمزہ کے بعد) واوٗ زیادہ کیا گیا ہے یہ (ان میں واو کے زیادہ کرنے کا قول) مشہور ہو گیا ہے (یعنی صحیح اور قوی ہے اور عمل بھی اسی پر ہے اور یہ واو کی زیادتی اُولِیْ۔ اُولٰئِکَ۔ اُولٰئِکُمْ میں تو اس لیے ہے کہ ان میں اور اِلٰی اور اِلَیْکَ اور اِلَیْکُمْ میں فرق ہو جائے اور اُولُوا اور اُولَاتِ میں اس لئے ہے کہ پورے باب کا حکم یکساں رہے)

196\3 وَالْخُلْفُ فِيْ سَاُوْرِيْكُمْ قُلْ وَهُوَ لَدٰى   اُوَصِّلَنَّكُمْ طٰهٰ مَعَ الشُّعَرَا

ترجمہ: اور سَاُوْرِیْکُمْ (اعراف ع ۱۷ و انبیاء ع ۳) میں (ہمزہ کے بعد والے واو کے حذف میں) خلاف

کم ہو گیا ہے (یعنی اکثر قرآنوں میں تو اس الف کے بعد واو لکھا ہوا ہے اور بعض میں سے محذوف ہے پس ان میں سین کے بعد صرف الف ہے واو نہیں ہے) اور یہی (خلاف) طٰہ اور شعراء (ع ۳) کے لَاُوْصَلِّبَنَّكُمْ میں (بھی) ہے (یعنی بعض میں لام کے بعد الف اور واو ہے اور بعض میں صرف الف ہے خلاصہ یہ کہ سَاُوْرِیْکُمْ میں بعض قرآنوں میں تو سین کے بعد صرف الف ہے جو ہمزہ کی صورت ہے اور واو نہیں ہے اور اکثر میں الف اور واو دونوں لکھے ہوئے ہیں اور اولیٰ یہ ہے کہ ان میں الف کو ہمزہ کی صورت مان کر واو کو زائد قرار دیا جائے کیونکہ زائد حروف کا اکثر جگہ اعتبار نہیں کیا جاتا اور ان کے بعد والے ہمزہ کو کلمہ کے شروع ہی میں سمجھا جاتا ہے اور کلمہ کے شروع کا ہمزہ ہر جگہ الف ہی کی صورت میں ہوا کرتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ الف اور واو دونوں کو ہمزہ ہی کی صورت مان لیں (الف) اس اعتبار سے کہ حقیقت کی رو سے ہمزہ کلمہ کے شروع میں ہے اور زائد کا اعتبار نہیں کیا اور واو اس لیے ہے کہ سین اور لام زائد کو کلمہ کے جزو کی طرح سمجھ کر ہمزہ کو متوسطہ قرار دیا ہے جو اپنی حرکت کے لحاظ سے مرسوم ہوا کرتا ہے اور چونکہ زائد کا اعتبار نہ کرنا اور اس کو جزو کی طرح نہ سمجھنا اکثر ہے اس لیے ان تینوں میں الف کو واو سے پہلے لکھا ہے اور گو وَالْخُلْفُ قَلَّ سے اس کی تعیین نہیں ہوئی کہ واو کا حذف قلیل ہے یا اس کی زیادتی کیونکہ خُلْف سے تو دونوں کی مساوات سمجھی جاتی ہے لیکن کلام کے سیاق سے یہی نکلتا ہے کہ حذف کم قرآنوں میں ہے۔ اور واو کا ثبوت اکثر میں ہے (نشر و اتحاف) اور مقنع میں ہے کہ میں نے سَاُوْرِیْکُمْ اعراف و انبیاء کو مدنی اور تمام عراقی قرآنوں میں الف کے بعد واو سے دیکھا ہے اور لَاُوْصَلِّبَنَّكُمْ طٰہٰ اور شعراء بعض قرآنوں میں ہمزہ کے بعد واو سے ہے اور بعض میں واو کے بغیر ہے رہا لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اعراف (ع ۱۴) سو وہ سب قرآنوں میں واو کے بغیر ہے اور مجھ سے خاقان نے محمد بن عبداللہ اصفہانی سے اور انہوں نے اپنی سند کے ذریعہ محمد بن عیسیٰ سے نقل کر کے بیان کیا کہ طٰہ اور شعراء والا واو سے ہے اور بعض واو کے بغیر بھی لکھتے ہیں۔ سخاویؒ کہتے ہیں کہ میں نے شامی اور عراقی اور ان کے علاوہ دوسرے قرآنوں میں سَاُوْرِیْکُمْ کو تو واو ہی سے دیکھا ہے اور لَاُصَلِّبَنَّكُمْ طٰہٰ اور شعراء میں میں نے کسی قرآن میں بھی واو نہیں دیکھا چنانچہ شامی قرآن میں بھی واو کے بغیر ہی ہے)

دو یا تین واو جمع ہو جانے کی صورت میں ایک کے سوا باقی سب حذف

197\4 وَحَذْفُ اِحْدٰهُمَا فِيْمَا يُرَادُ بِهٖ ۔۔۔ بِنَاءٌ اَوْصُوْرَةٌ وَالْجَمْعُ عَمَّ سُرٰی

ترجمہ: اور جن (موقعوں) میں اس (واوٗ) سے (کلمہ کی) بناء یا (ہمزہ کی) صورت یا جمع مراد لی جاتی ہے (ان سب موقعوں میں) ان دو (واوؤں) میں کے ایک کا حذف کر دینا جاری (اور ساری) ہونے کے اعتبار سے عام ہو

گیا ہے (یعنی جس طرح دو الف اور دو یائیں جمع ہونے کی صورت میں صرف ایک الف اور ایک یا لکھتے ہیں جن میں سے الف کا حکم شعر ۱۵۵ میں اور یا کا حکم شعر ۱۸۴ میں بیان ہو چکا ہے اسی طرح جب دو واد جمع ہو جاتے ہیں تو ان میں سے بھی ایک ہی لکھا جاتا ہے جس کو اس شعر میں بیان کیا جا رہا ہے اور ان واوں کے جمع ہونے کی چار صورتیں ہیں (ا) دونوں کلمہ کی بناء کے ہوں ان میں سے کوئی بھی ہمزہ کی صورت اور جمع کی علامت نہ ہو جیسے دَاوُدَ۔ وُرِیَ (۲) ان میں سے ایک واو ہمزہ کی صورت ہو اور دوسرا کلمہ کا اصلی حرف ہو یا مفعول کی علامت ہو جیسے تُؤْوِیۡ۔ مَسۡؤُلًا۔ اَلۡمَوۡءُوۡدَةُ (۳) ایک واو بنائی ہو اور دوسرا ہمزہ کی صورت ہو اور تیسرا جمع کی علامت ہو جیسے لِیَسُوۡءٗا (۴) ایک اصلی ہو اور دوسرا جمع کی علامت جیسے تَلۡوٗنَ' اَلۡغَاوٗنَ' لَا یَسۡتَوٗنَ ان میں سے جو شکل بھی ہو ہر صورت میں ہر جگہ ایک ہی واو لکھا جاتا ہے جیسا کہ ان الفاظ کی رسم سے بھی ظاہر ہے اور شعر کے اس ترجمہ پر وَالۡجَمۡعُ کا واو او کے معنی میں ہے اور اگر اس واو کو اَوۡ کے معنی میں نہ لیں تو پھر شعر کا ترجمہ اس طرح ہوگا اور جن موقعوں میں اس واو سے کلمہ کی بناء یا ہمزہ کی صورت مراد لی جاتی ہے ان سب موقعوں میں ایک واو کا حذف ہے اور اس بارہ میں جمع بھی جاری اور ساری ہونے کے اعتبار سے عام ہو گئی ہے یعنی جس جمع میں بھی دو واو ہوں اس میں سے ایک واو کلیہ کے طور پر حذف ہو جاتا ہے اور تَبَوَّءُوا حشر(ع ۱) کے سوا کوئی جمع بھی ایسی نہیں پائی جاتی جس میں اکٹھے دو واؤ لکھے ہوئے ہوں)

فائدہ (ا): بعض نسخوں میں یُرَادُ کے بجائے یُزَادُ اور تُزَادُ ہے زا سے اور بِنَاءً کے ہمزہ اور صُوۡرَةً کی تا پر نصب ہے اور اس تقدیر پر شعر کا ترجمہ اس طرح ہوگا اور جن موقعوں میں وہ واو کلمہ کی بنا یا ہمزہ کی صورت کی غرض سے زیادہ کیا جائے ان سب میں ایک واؤ کا حذف ہے اور جمع جاری اور ساری ہونے کے اعتبار سے عام ہو گئی ہے اور اس جملہ کا مطلب بعینہٖ وہی ہے جو اوپر دوسرے ترجمہ میں درج ہوا ہے (۲) بعض نے وَالۡجَمۡعُ عَمَّ سُرًی کے معنی یہ بتائے ہیں کہ قرآن میں دو واوں کا جمع ہو کر آنا جاری اور ساری ہونے کے اعتبار سے عام ہو گیا ہے پس جس جگہ بھی دو واو جمع ہو جائیں ان میں سے ایک قاعدہ کلیہ کے طور پر حذف ہو جاتا ہے لیکن یہ محض تکلف ہے (۳) اتحاف میں ہے کہ جب ایک کلمہ میں دو واو جمع ہو جائیں اور ان میں سے پہلے پر زبر یا پیش ہو اور عام ہے کہ وہ پہلا واو' واو ہی کی صورت ہو یا ہمزہ کی صورت ہو اور دوسرا معانی کے ظاہر کرنے والے صیغوں کے کامل کرنے کے لیے زائد ہو یا جمع مذکر سالم کے رفع کا ہو یا اس کی ضمیر کا ہو تو اس صورت میں ایک واو کے حذف کر دینے پر اتفاق ہے جیسے دَاوُدَ' یَؤُسًا' اَلۡمَوۡءُدَةُ' یَؤُدُهٗ' اَلۡغَاوٗنَ' اَلۡمُسۡتَهۡزِءُوۡنَ' لَا یَسۡتَوٗنَ' یَدۡرَءُوۡنَ' فَادۡرَءُوۡا' لِیَسُوۡءٗا' لِیُطۡفِؤُا' اَنۡبِئُوۡنِیۡ اور اس سے نکل آیا کہ شعر میں بِنَاءً سے مراد وہ واو ہے جو معانی ظاہر کرنے والے صیغوں کے کامل کرنے کے لیے ان میں لایا گیا ہو عام ہے کہ فا' عین' لام کے مقابلہ میں ہو یا زائد ہو اور وَالۡجَمۡعُ سے وہ واو مراد ہے جو جمع مذکر سالم کے رفع کا ہو یا اس کی ضمیر کا ہو (۴) یُزَادُ اور تُزَادُ والے نسخہ پر بِہٖ فعل مجہول کا فاعل ہوگا اور با زائد ہوگی۔

5\198 دَاوُدَ تُؤْيِهِ مَسْئُوْلًا وَّوْرِيَ قُلْ وَفِيْ يَسُوْءُ اوَفِي الْمَوْءٗدَةُ ابْتُدِرَا

ترجمہ: تو کہہ دے (کہ اس قاعدہ کی مثالیں) دَاوُدَ (اور) تُؤْيِهِ (اور) مَسْئُوْلًا اور وُرِيَ ہے اور لِيَسُوْءُا (اسراع ۱) میں اور اَلْمَوْءٗدَةُ (تکویر) میں (بھی) یہ (واو کا حذف) جلدی سے داخل کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ ان دونوں میں تین واو پائے جانے کی بناء پر ثقل زیادہ تھا پس ان چھوں مثالوں میں ایک واو لکھا ہوا ہے اور اصل اور تلفظ کی رو سے پہلی اور چوتھی میں دو واو ہیں جن میں سے دوسرا بنائی ہے اور دوسری اور تیسری میں بھی دو ہیں جن میں سے پہلا ہمزہ کی صورت ہے اور دوسرا بنائی ہے جو تُؤْيِ میں عین کلمہ ہے اور مَسْئُوْلًا میں مفعول کی علامت ہے اور لِيَسُوْءُا میں جمع غائب والی قراءۃ پر تو تین واو ہیں اور تیسرا جمع کے لیے ہے اور لِنَسُوْءَ اور لِيَسُوْءَ والی قراءۃ پر دو واو ہیں اور دوسرا ہمزہ کی صورت ہے اور اَلْمَوْءٗدَةُ میں بھی تین واو ہیں پہلا اصلی اور دوسرا ہمزہ کی صورت اور تیسرا مفعول کی علامت ہے)

6\199 اِنِ امْرُؤٌاوَّ الرِّبٰوا بِالْوَاوِ مَعَ اَلِفٍ وَلَيْسَ خُلْفُ رِّبًا فِي الرُّوْمِ مُحْتَقَرَا

ترجمہ: اِنِ امْرُؤٌا (نساء ع ۲۴) اور اَلرِّبٰوا (جس پر اَلْ ہو ہر جگہ اس) واو کے ساتھ ہے جو الف سمیت ہے (یعنی دونوں کلمات میں با کے بعد واو پھر الف لکھا ہوا ہے) اور روم (ع ۴) میں (مِن) رِّبًا کا خلاف حقیر (اور غیر معتبر) نہیں ہے (بلکہ مشہور ہے یعنی بعض قرآنوں میں با کے بعد صرف الف ہے اور بعض میں واو اور الف دونوں ہیں اور ان تینوں میں واو تو اصل پر دلالت کرنے کے لیے ہے اور الف فاصل ہے۔ جو کلمہ کے آخری واو کے بعد يَتْلُوْا وغیرہ میں ہر جگہ لکھا جاتا ہے)

بَابُ حُرُوفٍ مِّنَ الْهَمْزِ وَقَعَتْ فِي الرَّسْمِ عَلٰى غَيْرِ قِيَاسٍ

ساتواں باب ان ہمزوں کے بیان میں جن کی رسم عام قاعدہ کے خلاف آئی ہے

(اس میں بائیس شعر ہیں)

شرح: اس باب میں ان ہمزوں کو بیان کریں گے جو مشہور و معروف طریق کے خلاف دوسری شکل سے لکھے گئے ہیں جو بلاشک اسی طرح جائز اور مستعمل ہے جس طرح وہ مشہور شکل تھی پس یہاں قیاس سے مراد وہ رسم ہے جس کو قرآن کے کاتبوں نے اصل قرار دے رکھا ہے اور صرفیوں کی اصطلاح والی رسم مراد نہیں کیونکہ قرآنوں کی رسم اس سے پاک اور برتر ہے کہ ہم اس کو کسی ایسی چیز کے مخالف بتائیں جو اس کی ہم پلہ نہ ہو (جار

اللہ) چونکہ ناظمؒ نے اس باب میں صرف انہی ہمزوں کو بیان کیا ہے جن کی رسم عام قیاس کے خلاف آئی ہے اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اولاً ہمزہ کی رسم کے قیاسی قواعد بھی بتا دیئے جائیں تاکہ غیر قیاسی رسم والے مواقع بھی نہایت سہولت سے سمجھ میں آجائیں۔ پس قیاس کی رو سے ہمزہ کی تین قسمیں ہیں (۱) ساکنہ (۲) حرکت کے بعد حرکت والا (۳) ساکن کے بعد حرکت والا۔ اول: ساکنہ یہ کلمہ کے درمیان ہو خواہ آخر میں ہر جگہ اپنے سے پہلی حرکت کے اعتبار سے (زبر کے بعد الف کی اور زیر کے بعد یا کی اور پیش کے بعد واؤ کی صورت میں) لکھا جاتا ہے جیسے بَأْسٍ ۔ بِئْرٍ ۔ يُؤْمِنُونَ لیکن وَهَيِّئْ وَيُهَيِّئْ اور اَلسَّيِّئُ میں بعض قرآنوں میں الف کی صورت میں ہے تاکہ دو یائیں جمع نہ ہوں اور اکثر میں قیاس کے موافق یا ہی کی صورت میں ہے۔

دوم: حرکت کے بعد حرکت والا اور اس کی تین صورتیں ہیں (الف) وہ جو کلمہ کے شروع میں ہو یہ ہر جگہ الف کی صورت میں ہوتا ہے گو اس سے پہلے کوئی زائد حرف بھی آرہا ہو جیسے اٰمَنُوْا۔ اِلٰفِهِمْ۔ اُولٰٓئِكَ۔ سَاَصْرِفُ۔ فَبِاَيِّ۔ بِاِيْمَانٍ لیکن اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اور اَفَاۡئِنْ مِّتَّ اور بِاَيْدٍ۔ بِاَيِّكُمُ اور سَاُوْرِيْكُمْ اور لَاُوْصَلِّبَنَّكُمْ طٰہٰ و شعرا یہ چھ کلمات ان حضرات کے قول پر مستثنیٰ ہیں جو ان میں الف کو زائد قرار دے کر یا اور واو کو ہمزہ کی صورت بتاتے ہیں ان میں سے پہلے چار کو شعر ۱۹۱ میں اور باقی دو کو شعر ۱۹۶ میں بیان کر چکے ہیں (ب) وہ جو کلمہ کے درمیان ہو یہ ہر جگہ اپنی حرکت کے موافق لکھا جاتا ہے لیکن ذیل کی تین صورتوں میں پہلے حرف کی حرکت کے اعتبار سے لکھتے ہیں (۱) زیر کے بعد پیش والا جیسے سَنُقْرِئُكَ۔ اَؤُنَبِّئُكُمْ (۲) زیر کے بعد زبر والا جیسے سَيِّئَاتِكُمْ اور شَانِئَكَ ان دو قسموں میں یا کی صورت میں ہے (۳) پیش کے بعد زبر والا جیسے يُؤَيِّدُ۔ مُؤَجَّلاً یہ واو کی صورت میں ہے اور ان تین حالتوں میں تماثل کی بناء پر بے صورت ہوتا ہے (۱) زبر والے کے بعد الف ہو جیسے مَاٰرِبُ۔ شَنَاٰنُ (۲) زیر والے کے بعد یائے ساکنہ ہو جیسے خٰطِئِيْنَ۔ مُتَّكِـِٕيْنَ (۳) پیش والے کے بعد واو ساکنہ ہو جیسے لِيُطْفِـُٔوْا اور يَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ۔ يَطَـُٔوْنَ (ج) وہ جو کلمہ کے آخر میں ہو اس کو پہلے حرف کی حرکت کے اعتبار سے لکھتے ہیں جیسے قُرِئَ۔ لِلْمَلَاِ۔ اَلْمَلَاُ۔ قُرِئَ۔ شَاطِئِ۔ يُبْدِئُ۔ اللُّؤْلُؤُ۔ وَلُؤْلُؤٍ سوم: ساکن کے بعد حرکت والا یہ کلمہ کے درمیان ہو خواہ آخر میں ساکن صحیح کے بعد ہو یا واو۔ یا مدہ کے یا لین کے بعد ہو ہر حال میں بے صورت ہوتا ہے جیسے يَجْـَٔرُوْنَ۔ اَلْخَبْءَ۔ سُوْءِ۔ سِيْٓءَ۔ سَيِّئَتُ۔ سَوْءَةَ۔ شَيْءٍ لیکن الف کے بعد والے میں تفصیل ہے اگر یہ کلمہ کے آخر میں ہو تو بے صورت ہی ہوتا ہے جیسے شَآءَ۔ مِنَ الْمَآءِ۔ يَشَآءُ سوائے چند کلمات کے کہ ان میں یا کی اور واو کی صورت میں ہے اور وہ اس باب کے اشعار میں آئیں گے اور متوسط زبر والا تو تماثل کی بناء پر بے صورت ہوتا ہے جیسے جَآءَنَا۔ اَبْنَآءَكُمْ اور زیر والا یا کی اور پیش والا واو کی صورت میں ہوتا ہے جیسے نِسَآئِهِمْ۔ اٰبَآئِهِنَّ۔ دُعَآؤُكُمْ اور ان تین حالتوں میں بھی تماثل کے سبب بے صورت ہوتا ہے (۱) زبر والے کے بعد الف ہو جیسے جَآءٰنَا (۲) زیر والے کے بعد یا ہو (۳) پیش والے کے بعد واو ہو جیسے يَشَآءُوْنَ یہ ہمزہ کی قیاسی رسم ہے اور اکثر ہمزات اسی کے موافق آئے ہیں پس جس ہمزہ کا حکم

معلوم کرنا ہو اس کے متعلق یہ سوچنا چاہیے کہ وہ مذکورۂ بالا تین قسموں میں سے کون سی قسم میں اور ان کی کئی صورتوں میں سے کس صورت میں داخل ہے پھر جس قسم کی جو صورت اس میں پائی جائے اس کو اسی شکل پر لکھنا چاہیے اور بعض کلمات میں ہمزہ کی رسم اس قیاس کے خلاف دوسری طرح آئی ہے اور ان سب کو ناظمؒ اس باب میں بیان کریں گے نیز یہ کلمات شرح شاطبیہ اردو کے ص ۲۴۸ پر بھی نمبر تین سے آٹھ تک کے چھ فوائد میں تفصیل سے درج کئے گئے ہیں۔

200\1 وَالْهَمْزَ الْاَوَّلَ فِي الْمَرْسُوْمِ قُلْ اَلِفٌ   سِوَى الَّذِیْ بِمُرَادِ الْوَصْلِ قَدْ سُطِرَا

ترجمہ: اور تو کہہ دے کہ (کلمہ کے) شروع والا ہمزہ رسم میں (ہر جگہ) الف (کی صورت میں) ہے سوائے اس (ہمزہ) کے جو (ماقبل کے ساتھ) متصل کر دینے (اور موصول بنا دینے) کی نیت سے لکھا گیا ہو۔ (یعنی جو ہمزہ کلمہ کے شروع میں ہو وہ ہر جگہ الف کی صورت میں لکھا جاتا ہے لیکن ہمزہ کے کچھ کلمات ایسے بھی ہیں جن کو کسی حکمت کی بناء پر رسماً پہلے کلمہ سے ملا کر لکھا گیا ہے سو ایسے کلمات میں جن میں ہمزہ رسماً ماقبل سے متصل ہو اسی کلمہ کے شروع والے ہمزہ کو کبھی اس کی حرکت کے اعتبار سے واو اور یا کی صورت میں بھی لکھتے ہیں پس جس طرح کلمہ کے درمیان وقف نہیں کر سکتے اسی طرح جو کلمہ رسماً موصول ہو اس کو وقف کے ذریعہ جدا کرنا بھی جائز نہیں اور اسی لیے موصول کلمہ کے ہمزہ کو ہر جگہ الف ہی کی صورت میں نہیں لکھتے)

فائدہ: یہ دقیق اصطلاح ہے کہ شروع والے ہمزہ کو الف کی صورت میں لکھا ہے جو کسی وقت بھی کلمہ کے شروع میں نہیں آتا لیکن مصاحف کے کاتبوں نے بعض کلمات کے ہمزہ کو اس صورت سے بھی لکھا ہے جس طرح وصل میں اس کا تلفظ ہوتا ہے اور یہ قیاس سے موافق تر ہے کیونکہ خط صورت بنا دینے کا نام ہے اور یہ ضروری ہے کہ حرف کی صورت اس طریق کے مطابق بنائی جائے جس طرح وہ زبان سے ادا ہوتا ہے نہ اس میں کوئی تقدیری زیادتی ہو اور نہ تقدیری کمی ہو۔

201\2 فَهٰؤُلَآءِ بِوَاوٍ يَّابْنَؤُمَّ بِهٖ   وَيَابْنَؤُمَّ فَصِلُهٗ كُلُّهٗ سُطِرَا

ترجمہ: پس هٰؤُلَآءِ (کا پہلا ہمزہ) واو (کی شکل) پر ہے (اور) يَابْنَؤُمَّ (طٰہٰ ع ۵ کا ہمزہ بھی) اسی (واو) کی صورت میں ہے اور يَابْنَؤُمَّ جو ہے تو اس کو (یعنی) اس کے پورے (مجموع) کو متصل کر دے۔ یہ (امام اور شامی میں اسی طرح متصل) لکھا گیا ہے (یعنی اس میں یائے ندائیہ کو اِبْنَ کے الف سے اور اُمَّ کے واو کو جو ہمزہ کی صورت ہے نون سے ملا کر لکھا ہے پس اس میں سات کے بجائے چھ حروف ہیں اور یائے ندائیہ کا الف نہیں ہے اور یہ رسم تقریباً قیاس کے موافق ہے اور سخاویؒ نے اس کو شامی میں بھی اسی طرح دیکھا ہے اور اِبْنَ اُمَّ اعراف (ع ۱۸) کا ہمزہ بلا خلاف الف کی صورت میں ہے اور يَابْنَؤُمَّ کو مکرر اسی لیے لائے ہیں کہ یہ واضح ہو جائے کہ

یہاں یائے ندائیہ والا مراد ہے جو طٰہٰ میں ہے)

فائدہ: چونکہ ہٰٓؤُلَآءِ اور یٰٓؤُمَّ کا ہمزہ پیش والا تھا اور رسم میں ماقبل سے متصل تھا اس لیے اس کو درمیان والا سمجھ کر خود اس کی حرکت کے لحاظ سے واو کی صورت میں لکھا ہے اور گو قیاس کی رو سے یہ دونوں ہمزہ الف کی صورت میں ہونے چاہئیں تھے لیکن چونکہ ھا کے الف کو حذف کر کے اس کو ہٰٓؤُلَآءِ سے ملا کر لکھا ہے اور یَابۡنَؤُمَّ میں یائے ندائیہ کے عام قاعدہ کے موافق یا کے الف کو حذف کر کے اس کو اِبۡنَ سے اور اِبۡنَ کو اُمَّ سے ملا کر لکھا ہے اس لیے یہ دونوں ہمزہ متوسطہ بن گئے اور اس بناء پر ان کو متوسطہ ہی کا حکم دے دیا اور اسی لیے اول میں ھا پر وقف کرنا درست نہیں اور ثانی میں نہ یا پر درست ہے نہ اِبۡنَ کے نون پر بلکہ اُمَّ کے میم پر وقف ہوتا ہے اور یَا کا اِبۡنَ سے متصل ہونا شعر ۱۳۰ سے اور اِبۡنَ کا اُمَّ سے متصل ہونا اس شعر سے معلوم ہوا ہے اور جب یائے ندائیہ کسی ایسے کلمہ پر آتا ہے جس کے شروع میں ہمزہ ہو جیسے یٰٓاَیُّهَا۔ یٰٓاِبۡرٰهِیۡمُ یٰٓاُخۡتَ تو وہاں یا کے بعد الف لکھا جاتا ہے لیکن وہ یا کا الف نہیں ہوتا بلکہ ہمزہ کی صورت ہوتا ہے (۲) مقنع اور اتحاف میں یَابۡنَؤُمَّ کی رسم اسی طرح بتائی ہے جس طرح اوپر درج کی گئی ہے اور اتحاف میں یہ بھی ہے کہ اس میں یا کے بعد جو الف ہے نشر کی رو سے صحیح یہ ہے کہ وہ اِبۡنَ کا الف ہے اور یہ امام اور شامی کی رسم ہے کہ ان دونوں میں یَا کے بعد اِبۡنَ کا الف لکھا ہوا ہے اور باقی قرآنوں میں یہ الف بھی نہیں ہے پس یا۔ با سے متصل ہے اور نثر المرجان کی رو سے یہی قوی تر ہے اور ناظمؒ کی رائے بھی یہی ہے جیسا کہ فَصِلۡهُ کُلَّهٗ میں اشارہ ہے۔

وہ پندرہ کلمات جن میں کلمہ کے شروع کے ہمزہ کو الف کے بجائے یا کی صورت میں لکھا ہے اس بناء پر کہ وہ استفہام یا جمع کے ہمزہ کے سبب اور چار کلمات میں رسماً پہلے کلمہ سے متصل ہونے کے سبب متوسطہ کے حکم میں ہو گیا ہے

2021\3 اَئِنَّكُمۡ یَاءُ ثَانِی الۡعَنۡكَبُوۡتِ وَفِی الۡ   اَنۡعَامِ مَعۡ فُصِّلَتۡ وَالنَّمۡلِ قَدۡ زَهَرَا

ترجمہ: عنکبوت (ع ۳) کا دوسرا اَئِنَّكُمۡ جو ہے (اس کا دوسرا ہمزہ) یا (کی صورت میں) ہے (پس پہلا جو اسی رکوع میں وَلَمَّا والی آیت میں ہے اس کا ہمزہ قیاس کے موافق الف ہی کی صورت میں ہے) اور انعام اور فصلت (ع ۲) اور نمل (ع ۴) میں (بھی) اَئِنَّكُمۡ کے دوسرے ہمزہ میں (الف کے بجائے) یہی (یا) روشن ہو گئی ہے (یعنی ان چاروں موقعوں میں اَئِنَّكُمۡ کا دوسرا ہمزہ یا کی صورت میں ہے اور باقی سب موقعوں میں ءَ اَئِنَّكُمۡ ہے الف سے)

203\4 وَخَصَ فِيْ اَئِذَا مِتْنَا اِذَا وَقَعَتْ وَقُلْ اَئِنَّ لَنَا يَخُصَّ فِي الشُّعَرَآ

ترجمہ: اور یہ (دوسرے ہمزہ میں الف کے بجائے یا) اَئِذَامِتْنَا میں اِذَا وَقَعَتِ (الواقعہ ع ۲ ہی) میں خاص کی گئی ہے (یعنی اَئِذَا کا دوسرا ہمزہ صرف اس موقع میں یا سے اور باقی سب موقعوں میں الف سے لکھا جاتا ہے) اور تو کہہ دے کہ اِئِنَّ لَنَا (کا دوسرا ہمزہ) شعراء (ع ۳ ہی) میں (اس یا والی رسم کے ساتھ) خاص کیا جاتا ہے (پس شعراء میں اَئِنَّ لَنَا ہے یا سے اور اعراف ع ۱۴ میں اَئِنَّ لَنَا ہے الف سے)

204\5 وَفَوْقَ صَادٍ اَئِنَّا ثَانِيًا رَسَمُوْا وَزِدْ اِلَيْهِ الَّذِيْ فِي النَّمْلِ مُدَّكِرًا

ترجمہ: اور ان (کاتبین) نے صاد کے اوپر (والی صفّت ع ۲ میں) دوسرے اَئِنَّا (کے دوسرے ہمزہ) کو (بھی یا کی صورت میں) لکھا ہے (اور یہ موقع اَئِنَّا لَتَارِكُوْا ہے پس اَئِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ صفّت ع ۱ اور اَئِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ع ۲ میں قیاس کے موافق الف کی شکل میں ہے اور یہ اس سورت کا پہلا اور تیسرا اَئِنَّا ہے) اور تو اس (اَئِنَّا لَتَارِكُوْا) کی طرف اس (اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ) کو (بھی) زیادہ کر دے جو نمل (ع ۶) میں ہے (یعنی اس کے دوسرے ہمزہ کو بھی یا ہی سے لکھ) حالانکہ تو (اس اَئِنَّا کی رسم کو ہمارے پہلے بیان سے بھی) یاد کرنے والا ہو (کیونکہ یہ شعر ۱۰۰ میں بھی بیان ہو چکا ہے یا حالانکہ تو اس بات کا جاننے والا ہو کہ اس اَئِنَّا کی رسم دو طرح ہے (۱) الف کے بعد پہلا شوشہ چھوٹا اور دوسرا قدرے بڑا ہے اور یہ غیر شامی کی رسم ہے پس اس میں پہلا شوشہ یا کا ہے جو ہمزہ کی صورت ہے اور دوسرا نون کا ہے (۲) شامی میں دونوں شوشہ برابر ہیں بڑے چھوٹے نہیں پس یہ دونوں شوشہ دو نونوں کے ہیں چنانچہ اسمیں ابن عامر اور کسائی کی قراءۃ بھی اِنَّنَا ہے دو نونوں سے۔ ان کلمات میں دوسرا ہمزہ صرفی رسم کے قیاس کے موافق یا کی صورت میں ہے تاکہ استفہام والی قراءۃ ثابت ہو جائے اور اس قسم کے باقی کلمات میں زیر والا ہمزہ الف کی صورت میں ہے تاکہ خبر والی قراءۃ ثابت ہو جائے۔)

205\6 اَئِمَّةً وَّاَئِنْ ذُكِّرْتُمْ وَاَئِفْ كًابِالْعِرَاقِ وَلَانَصٌّ فَيَحْتَجِرَا

ترجمہ: (اور) اَئِمَّةً (ہر پانچ جگہ) اور اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ (یٰسین ع ۲) اور اَئِفْكًا (صفّت ع ۳ ان تینوں کے دوسرے ہمزہ بھی) عراقی (قرآنوں) میں (یا کی صورت میں) ہیں اور (عثمانی قرآنوں سے اس کے خلاف کوئی) نص نہیں ہے تاکہ وہ (نص ہمیں ان کلمات کے دوسرے ہمزہ کو یا کی صورت میں لکھنے سے) روک دے (اور عراقی قرآن بھی آج کے نہیں بلکہ قدیم زمانہ کے ہیں اور ان میں ان تینوں کا ہمزہ یا کی صورت میں ہے اور ان قرآنوں کے خلاف کوئی دلیل نہیں پائی جاتی بلکہ ظاہر یہ ہے کہ عراقی میں ان کا یا سے لکھنا کسی سند ہی کی بناء پر ہے ورنہ اہل عراق ایسی جرات ہرگز نہ کرتے اور فَيَحْتَجِرَا کو مجہول بھی کہہ سکتے ہیں اور اس تقدیر پر ترجمہ اس طرح

ہوگا اور کوئی نص نہیں ہے تاکہ ان کلمات میں یہ یا والی رسم روک دی جائے اور دو ہمزوں والے باقی سب کلمات میں زیر والا ہمزہ قیاس کے موافق الف ہی کی صورت میں لکھا جاتا ہے اور دو الفوں کے جمع ہو جانے کی بناء پر ایک کو رسم سے حذف کر دیتے ہیں جیسے ءَالِدُ ءَانَّکَ اور اسی طرح ءَاَنْذَرْتَھُمْ ءَاُنْزِلَ وغیرہ میں بھی پہلے ہمزہ کو بے صورت اور دوسرے کو الف کی صورت میں لکھتے ہیں)

206\7 وَیَوْمَئِذٍ وَلِئَلَّا حِیْنَئِذٍ وَلَئِنْ وَلَامَ لِئَفْ لِاَھَبَ بَدْرُ الْاِمَامِ سَرٰی

ترجمہ : اور یَوْمَئِذٍ اور لِئَلَّا (اور) حِیْنَئِذٍ اور (و) لَئِنْ (کا ہمزہ بھی یا کی صورت میں ہے کیونکہ گو ان چاروں میں ہمزہ کلمہ کے شروع میں ہے لیکن چونکہ یہ چاروں رسم میں پہلے کلمات سے متصل ہیں اس لیے ان کے ہمزہ کو متوسطہ کے حکم میں قرار دے کر یا کی صورت میں لکھا ہے) اور لِاَھَبَ (لکِ مریم ع ۲) کا لام الف جو ہے (اس میں مصحف) امام کا چاند (روشنی کی رو سے دوسرے قرآنوں تک بھی) سرایت کر گیا ہے (یعنی سب قرآنوں میں لام الف ہی سے لکھا ہوا ہے چنانچہ ابو عبید فرماتے ہیں کہ تمام مصاحف اسی رسم پر متفق ہیں اور یہ رسم قیاس کے بھی موافق ہے کیونکہ لام جارہ ہے اور الف ہمزہ کی صورت ہے لیکن ناظمؒ نے اس کو اس لیے بیان کر دیا ہے کہ نافع، ابو عمرو، یعقوب اس میں لِیَھَبَ پڑھتے ہیں پس یہ یا غیبت کی ہے یا ہمزہ سے بدلی ہوئی ہے کیونکہ زیر کے بعد زبر والے ہمزہ کا "تخفیفاً" یا سے ابدال ہوا کرتا ہے موسیٰ جار اللہ فرماتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ مدنی اور بصری مصحف میں لام اور ھا کے درمیان ایک شوشہ ہوگا کیونکہ اسمیں نافع اور ابو عمرو کی قراءۃ لِیَھَبَ ہے)

کلمہ کے شروع والے ہمزہ کے بیان کے بعد متوسطہ اور متطرفہ کے ان کلمات کا بیان جن میں ہمزہ کی رسم مشہور قیاس کے خلاف ہے

207\8 وَفِیْ اَؤُنَبِّئُکُمْ وَاوٌ وَیُحْذَفُ فِی الرُّ ءْیَا وَرُءْیَا وَرِءْیًا کُلِّ الصُّوَرَا

ترجمہ : اور اَؤُنَبِّئُکُمْ (آل عمران ع ۲) میں (دوسرا ہمزہ) واو (کی صورت میں) ہے (اور یہ واو ہمزہ کی حرکت کی علامت ہے جو تخفیف کی بناء پر لکھا گیا ہے) اور الرُّءْیَا اور رُءْیَا (اَلْ سے ہو یا اَلْ کے بغیر اور) وَرِءْیًا (مریم ع ۵) میں (ان) سب میں وہ (ہمزہ) صورتوں کے اعتبار سے حذف کیا جاتا ہے (یعنی تینوں میں ہر جگہ ہمزہ بے صورت ہے حالانکہ قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ اَؤُنَبِّئُکُمْ میں دوسرا ہمزہ الف کی صورت میں ہوتا اور پہلا تماثل کی بناء پر محذوف ہوتا اور رُءْیَا میں ہمزہ واو کی اور رِءْیًا میں یا کی صورت میں ہوتا)

208\9 وَالنَّشْأَةَ الْاَلِفُ الْمَرْسُوْمُ هَمْزَتُهَا اَوْمَدَّةٌ وَّبِيَآءٍ مَّوْئِلًا نَدَرَا

ترجمہ: اور اَلنَّشْأَةَ (عنکبوت و واقعہ ع ۲ اور نجم ع ۳) جو ہے (اس میں) جو الف (شین کے بعد) لکھا ہوا ہے (وہ) اس (کلمہ) کا ہمزہ ہے یا (شین کے بعد والا الف) مدہ ہے (یعنی اَلنَّشْأَةَ میں اجماعاً شین کے بعد الف لکھا ہوا ہے جو شین کے سکون والی قراءۃ پر تو عام قیاس کے خلاف ہمزہ کی صورت ہے اور اَلنَّشَآءَةَ والی قراءۃ پر یہ الف شین کے بعد والے الف مدہ کی صورت ہے اور ہمزہ عام قیاس کی رو سے بے صورت ہے) اور مَّوْئِلًا (کہف ع ۸ کا ہمزہ) یا کے ساتھ (ہونے کی حالت میں) نادر ہو گیا ہے (کیونکہ مشہور رسم کی رو سے تو ساکن کے بعد ہونے کے سبب بے صورت ہونا چاہیے تھا یعنی مَوْئِلًا میں ہمزہ یا کی صورت میں ہے اور یہ یا تلفظ کی حالت کا لحاظ کرنے اور ہمزہ کی حرکت پر عمل کرنے کی بناء پر ہے)

209\10 وَاَنْ تَبُوْٓاَ مَعَ السُّوْاٰى تَنُوْأُبِهَا قَدْصُوِّرَتْ اَلِفًامِنْهُ الْقِيَاسُ بَرَآ

ترجمہ: اور اَنْ تَبُوْٓاَ (مائدہ ع ۵) اور اَلسُّوْاٰى (روم ع ۱ اور) لَتَنُوْٓاُ (قصص ع ۷) جو ہیں ان (تینوں) میں وہ (ہمزہ ساکن کے بعد ہوتے ہوئے بھی) الف کی صورت میں لکھا گیا ہے (اور) قیاس (ان ہمزوں کی) اس (رسم) سے بری ہے (یعنی ان تینوں میں ہمزہ الف کی صورت میں ہے جو مشہور قیاس کے خلاف ہے جس کی رو سے ساکن کے بعد والا ہمزہ بے صورت ہوا کرتا ہے اور یہ حکم اَلسُّوْاٰى میں تو ٹھیک اسی طرح ہے کہ واو کے بعد والا الف قیاس کے خلاف ہمزہ کی صورت ہے اور اس کے بعد جو یا ہے وہ تانیث کے الف کی شکل ہے لیکن اَنْ تَبُوْٓاَ اور لَتَنُوْٓاُ میں اولیٰ یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ ان میں ہمزہ تو قیاس کے موافق بے صورت ہی ہے رہا الف سو وہ قَالُوْا يَتْلُوْا وغیرہ کے الف کی طرح فاصل ہے جو کلمہ کی تمامی بتلانے کے لیے زیادہ کیا جاتا ہے)

فائدہ: چونکہ ساکن کے بعد والا ہمزہ تخفیف کے وقت حذف ہو جاتا ہے اس لیے قیاس یہ ہے کہ یہ بے صورت ہو لیکن اَلسُّوْاٰى میں تلفظ کا اعتبار کر کے ہمزہ کو الف کی صورت میں باقی رکھا گیا ہے اور رسم میں اصل بھی یہی ہے رہا اس ہمزہ کا حذف ہو جانا سو یہ عارضی چیز ہے اس لیے مناسب یہی ہے کہ وہ اصل رسم پر غلبہ نہ پائے اور اَنْ تَبُوْٓاَ اور لَتَنُوْٓاُ میں ہمزہ تو قیاس کے موافق بے صورت ہی ہے لیکن چونکہ انمیں واو کلمہ کے آخر میں تھا اس لیے اصطلاح کے موافق واو کے بعد الف زیادہ کر دیا جیسا کہ يَتْلُوْا اور قَالُوْا میں کیا ہے تاکہ یہ الف کلمہ کا مابعد سے جدا ہونا ظاہر کر دے پس ان دونوں کے بارہ میں مِنْهُ الْقِيَاسَ بَرَا کہنا مناسب نہیں (جار اللہ)

وہ چوبیس کلمات جن میں کلمہ کے آخر والا ہمزہ عام قیاس کے خلاف واو کی شکل میں ہے اور اس واو کے بعد الف بھی ہے

ان میں سے تیرہ میں تو ہمزہ الف کے بعد ہے لیکن وہ الف لفظاً ہے رسم میں نہیں ہے اور گیارہ میں ہمزہ فتحہ کے بعد ہے اور یہ چوبیس کلمات دس شعروں میں مذکور ہیں جو اَنبٰؤُا سے شروع ہو کر بُرَءٰؤُا پر ختم ہوتے ہیں۔

210\11 وَصُوِّرَتْ طَرَفًا بِالْوَاوِ مَعْ اَلِفٍ — فِي الرَّفْعِ فِيْ اَحْرُفٍ وَقَدْ عَلَتْ خَطَرًا

ترجمہ: اور وہ (ہمزہ کلمہ کے) آخر میں رفع (کے موقعوں) میں چند الفاظ میں (جو چوبیس ہیں اس) واو کے ساتھ صورت بنایا گیا ہے جو الف سمیت ہے (یعنی ہمزہ واو کی صورت میں ہے اور اس کے بعد الف فاصل بھی ہے) اور یہ (سب کلمات اس رسم کے سبب) عزت (اور بزرگی) کے اعتبار سے بلند ہو گئے ہیں (کیونکہ گو ان میں ہمزہ کی رسم عام قیاس کے خلاف ہے لیکن ایک دوسرے قیاس کے موافق بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ کبھی ہمزہ کو خود اس کی حرکت کے اعتبار سے بھی لکھتے ہیں اور کلمہ کے آخری واو کے بعد الف زائد بھی آتا ہے)

211\12 اَنبٰؤُا مَعْ شُفَعٰؤُا مَعْ دُعٰؤُا بِغَا — فِرْ نَشٰؤُا بِهُوْدٍ وَّحْدَہٗ شُهِرَا

ترجمہ: (اور وہ کلمات یہ ہیں یعنی) اَنبٰؤُا (مَا انعام و شعراء ع ۱) اور شُفَعٰؤُا (روم ع ۲) اور (وَمَا) دُعٰؤُا ہے جو غافر (ع ۵) میں ہے (اور مَا) نَشٰؤُا ہے جو صرف ہود (ع ۸) میں مشہور کیا گیا ہے (پس وَمَا دُعَآءُ رعد ع ۲ اور نَشَآءُ انعام ع ۱۰ و یوسف ع ۹ وغیرہ میں ہمزہ قیاس کے موافق بے صورت ہے سخاوی کہتے ہیں کہ میں نے شامی میں شُفَعٰؤُا روم اور دُعٰؤُا غافر کو بھی واو کے بغیر الف سے دیکھا ہے یعنی عین کے بعد الف ہے اور ہمزہ بے صورت ہے)

212\13 جَزٰؤُا حَشْرٍ وَّ شُوْرٰى وَالْعُقُوْدِ مَعًا — فِي الْاَوَّلَيْنِ وَ وَالٰى خُلْفُهُ الزُّمَرَا

213\14 طٰهٰ عَرَاقٍ وَّمَعْهَا كَهْفُهَا نَبٰؤُا — سِوٰى بَرَآءَةَ قُلْ وَالْعُلَمٰؤُا عُرَا

ترجمہ ۱۳: (اور انہی چوبیس میں سے پانچواں) حشر (ع ۲) اور شوریٰ (ع ۴) اور عقود (مائدہ ع ۵) کا جَزٰؤُا ہے جو (حشر اور شوریٰ میں ایک ایک جگہ ہے اور مائدہ میں) دو اول کے موقعوں میں ہے حالانکہ وہ (دونوں اس

کے ع ۵ میں) مل کر آنے والے ہیں (اور وہ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ اور جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ ہیں پس جَزَآءُ الْمُحْسِنِیْنَ ع ۱۱ اور فَجَزَآءٌ مِّثْلُ ع ۱۳ وغیرہ میں قیاس کے موافق زا کے بعد الف ہے اور ہمزہ بے صورت ہے) اور اس (جَزٰٓؤُا) کے مُخْلِف نے زمر (ع ۴) سے موافقت کی ہے (یعنی جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِیْنَ زمر ع ۴ بعض قرآنوں میں زا کے بعد الف اور ہمزہ بے صورت سے ہے اور بعض میں اس الف کے حذف اور واو مع الف سے ہے) (۴) (اور) طٰہ (ع ۳ میں جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَکّٰی اسی طرح واو مع الف سے) عراقی (قرآنوں کی رسم) ہے اور ان (عراقی قرآنوں) کی (یا اس طٰہ کی یا قرآن کی سورتوں کی) کہف (ع ۱۱ کے جَزٰٓؤُا الْحُسْنٰی کا حکم بھی) اس (طٰہ کے جَزٰٓؤُا) کے ساتھ ہے (یعنی کہف اور طٰہ دونوں کا جَزٰٓؤُا صرف عراقی قرآنوں میں واو مع الف سے ہے اور باقی قرآنوں میں دونوں اس الف کے حذف اور ہمزہ بے صورت سے ہیں اور) تو کہہ دے کہ (ان میں سے چھٹا) نَبَؤُا ہے (جو سب جگہ واو مع الف سے ہے) سوائے براءۃ (ع ۹) کے نَبَاُ الَّذِیْنَ کے کہ اس میں واو کے بغیر الف کی صورت میں ہے جو قیاس کے موافق ہے) اور (ساتواں) الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر ع ۴) ہے (یہ بھی اسی طرح واو مع الف سے ان الفاظ میں یہ واو اور الف قوت اور شہرت میں اور باقی رہنے میں پکڑنے کے) دستوں (اور بڑے درختوں) کی طرح ہے (خلاصہ یہ کہ جَزَآءٌ سب جگہ زا کے بعد الف اور ہمزہ بے صورت سے ہے لیکن سات جگہ اس صورت سے (جَزٰٓؤُا) ہے (۱ و ۲) مائدہ ع ۵ میں (۳) شوریٰ ع ۴ (۴) حشر ع ۲ میں ان چار میں تو اجماعاً واو مع الف سے ہے اور زا کے بعد الف نہیں ہے (۵) زمر ع ۴ یہ بعض میں تو اسی طرح ہے اور بعض میں جَزَآءُ ہے (۶) کہف ع ۱۱ (۷) طٰہ ع ۳ یہ دونوں عراقی میں واو مع الف سے ہیں اور باقی قرآنوں میں زا کے بعد الف اور ہمزہ بے صورت سے ہیں اور نَبَؤُا پانچ جگہ آیا ہے (۱) توبہ ع ۹ (۲) ابراہیم ع ۲ (۳ و ۴) صٓ ع ۲ و ع ۵ (۵) تغابن ع ۱ ان میں سے پہلے میں ہمزہ الف کی صورت میں ہے اور باقی چار میں واو مع الف سے ہے اور الْعُلَمٰٓؤُا فاطر ع ۴ میں اجماعاً واو مع الف سے ہے)

فائدہ: (۱) ان میں سے جَزَآءَنِ الْحُسْنٰی کہف (ع ۱۱) ہمزہ کے زبر اور تنوین والی قراءۃ پر تو ان کلمات میں شامل نہیں ہے کیونکہ یہاں رفع والے ہمزوں کی رسم بیان کی جارہی ہے اور تنوین کے بغیر رفع والی قراءۃ پر یہ بھی ان الفاظ میں شامل ہے اسی لیے مقنع میں ہے کہ جَزٰٓؤُا الْحُسْنٰی کہف عراقی قرآنوں میں واو مع الف سے ہے اور مدنی قرآنوں میں زا کے بعد الف سے ہے واو کے بغیر لیکن نظم سے خلاف نہیں نکلتا (۲) سخاوی فرماتے ہیں کہ میں نے شامی میں کہف و حشر کے جَزَآءٌ کو زا کے بعد الف سے اور واو کے بغیر دیکھا ہے نتیجہ یہ کہ اس قول کی رو سے حشر والے میں بھی خلاف ہے (۳) نَبَؤُا براءۃ کو دانیؒ نے مستثنیٰ نہیں کیا اور ناظمؒ نے کیا ہے اور یہی صحیح ہے (۴) مَعْهَا کی ھا طٰہ کے لیے ہے اور کَهْفُهَا کی عراقی قرآنوں کے لیے یعنی عراقی میں کہف کے جَزٰٓؤُا کا حکم طٰہ کے جَزٰٓؤُا کے ساتھ ہے یعنی دونوں واو مع الف سے ہیں (۵) عُرَا۔ عُرْوَۃٌ کی جمع ہے جو اس گنجان درخت کے معنی میں ہے جس کے پتے سردی میں نہ گریں اور اس میں اس رسم کی قوت اور شہرت

کی طرف اشارہ ہے۔

214\15 وَمَعْ ثَلَاثِ الْمَلَا فِي النَّمْلِ اَوَّلُ مَا فِي الْمُؤْمِنِيْنَ فَتَمَّتْ اَرْبَعًا زُهَرَا

ترجمہ: اس (اَلْمَلَؤُا) کا پہلا (لفظ) جو (سورۂ) مومنون (ع ۲) میں ہے (پس ع ۳ والا نکل گیا کیونکہ اس کا ہمزہ قیاس کے موافق الف کی صورت میں ہے) اَلْمَلَؤُا کے (ان) تین (کلمات) سمیت ہے جو نمل (ع ۲ و ع ۳) میں ہیں پس (ان تین کے ملا لینے سے) یہ (اَلْمَلَؤُا کے واو مع الف والی رسم کے سب کلمات) پورے ہو گئے حالانکہ یہ (ایسے) چار ہیں جو روشن (اور مشہور) ہیں (یعنی چوبیں میں سے آٹھواں کلمہ اَلْمَلَؤُا ہے اس میں چار جگہ ہمزہ واو مع الف سے ہے (۱) وہ اَلْمَلَؤُا الَّذِيْنَ جو مومنون ع ۲ میں ہے اور یہ اس سورۃ کا پہلا اَلْمَلَؤُا ہے (۲ تا ۴) وہ تینوں جو نمل میں ہیں جن میں سے ایک ع ۲ میں ہے اور دو ع ۳ میں اور باقی سب موقعوں میں اَلْمَلَؤُا کا ہمزہ قیاس کے موافق الف کی صورت میں ہے جس کی مثالیں اعراف ع ۸ و ع ۹ و ع ۱۰ و ع ۱۱ وغیرہ میں ہیں اور مومنون کا دوسرا اَلْمَلَأُ بھی انہی میں سے ہے)

215\16 تَفْتَؤُا مَعْ يَتَفَيَّؤُا وَالْبَلَؤُا وَقُلْ تَظْمَؤُا مَعْ اَتَوَكَّؤُا يَبْدَؤُا انْتَشَرَا

ترجمہ: (اور انہی چوبیں میں سے وہ) تَفْتَؤُا (یوسف ع ۱۰ بھی) ہے جو يَتَفَيَّؤُا (نحل ع ۶) اور اَلْبَلَؤُا (صفت ع ۳) سمیت ہے اور تو کہہ دے کہ (انہی میں سے لَا) تَظْمَؤُا (بھی) ہے جو اَتَوَكَّؤُا سمیت ہے (اور یہ دونوں طٰہٰ ع ۷ و ع ۱ میں ہیں اور انہی میں سے) يَبْدَؤُا (بھی) ہے (چاہے جس جگہ ہو ان چھوں کلمات میں بھی) یہ (واو مع الف والی رسم) مشہور ہو گئی ہے۔

فائدہ: يَبْدَؤُا کا ہمزہ ہر جگہ واو مع الف سے ہے اور اس کی مثالیں یونس ع ۱ و ع ۴ و نمل ع ۵ و روم ع ۲ وغیرہ میں ہیں۔

216\17 يَدْرَؤُا مَعْ عُلَمٰٓؤُا يَعْبَؤُا الضُّعَفٰٓؤُا وَقُلْ بَلٰٓؤُا مُّبِيْنٌ بَالِغًا وَّ طَرَا

ترجمہ: (اور انہی میں سے پندرھواں وَ) يَدْرَؤُا (نور ع ۱ بھی) ہے جو عُلَمٰٓؤُا (بَنِيْ شعراء ع ۱۱ اور مَا) يَعْبَؤُا (فرقان ع ۶ اور) الضُّعَفٰٓؤُا (ابراہیم ع ۳ و مومن ع ۵) سمیت ہے اور تو کہہ دے کہ (ان میں سے انیسواں) بَلٰٓؤٌا مُّبِيْنٌ (دخان ع ۲ بھی) ہے حالانکہ تو حاجت کو پہنچنے والا ہے (یعنی ان کلمات کو یاد کر لینے سے تیرا مقصد پورا ہو جائے گا اور تجھے رسم کا علم حاصل ہو جائے گا پس ان پانچ کلمات میں بھی ہمزہ واو مع الف سے ہے)

217\18 وَفِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا اَمْ لَهُمْ شُرَكَا شُوْرٰى وَاَبْنٰٓاءُ فِيْهِ الْخُلْفُ قَدْ خَطَرَا

ترجمہ: اور (ان میں سے بیسواں) فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا (انعام ع ۱۱ اور) شوریٰ (ع ۳) کا اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا

(بھی) ہے اور (اکیسواں) اَبۡنٰٓؤُا (اِللّٰہِ مائدہ ع ۲) جو ہے اس میں خلاف ہے (یعنی اکثر میں واو مع الف سے ہے اور بعض میں نون کے بعد الف اور ہمزہ بے صورت سے ہے) حالانکہ یہ (خلاف) عزت (اور بزرگی) والا ہو گیا ہے۔

218\19 وَفِي يُنَبَّؤُا الْاِنسَانُ الْخِلَافُ وَمَنْ ۔۔۔ يُنَشَّا وَفِيْ مُقْنِعٍ بِالْوَاوِ قَدْ سُطِرَا

ترجمہ: اور یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ (قیامہ ع ۱) اور (اَوَ) مَنْ یُّنَشَّؤُا (زخرف ع ۲) میں خلاف ہے (چنانچہ کوفی قرآنوں میں دونوں واو مع الف سے ہیں اور مدنی اور شامی میں واو کے بغیر الف سے ہیں) اور مقنع میں یہ دونوں (لفظ) واو (ہی) سے لکھے گئے ہیں (یعنی گو ان دونوں کے بارہ میں مقنع کے نسخہ مختلف ہیں لیکن اعتماد اور اعتبار کے لائق وہی نسخہ ہیں جن میں واو کا اثبات درج ہے اور جن نسخوں میں واو کا ترک مذکور ہے ان پر اعتماد نہیں ہے (جار اللہ) اور اتحاف میں وقف حمزہ کے باب میں تو یُنَشَّؤُا کو انہی کلمات میں شمار کیا ہے جن میں ہمزہ واو کی صورت میں ہے اور اس کے بعد الف بھی ہے اور خلاف کا ذکر نہیں کیا اور سورۂ زخرف کے آخر میں اس کی یہی رسم بعض قرآنوں میں بتائی ہے (نہ کہ سب میں) نتیجہ یہ کہ یُنَبَّؤُا کی طرح یُنَشَّؤُا میں بھی خلاف ہے اور مقنع میں ان دونوں میں سے کسی میں بھی خلاف نہیں بتایا پس واو کے بغیر الف والی وجہ زیادات میں سے ہے)

فائدہ (۱): قصیدہ کے بعض نسخوں میں یُنَشَّا وَفِیْ مُقْنِعٍ کے بجائے یُنَشَّؤُا فِیْ مُقْنِعٍ ہے اور اس تقدیر پر یہ وہم ہوتا ہے کہ خلاف یُنَبَّؤُا ہی میں ہے یُنَشَّؤُا میں نہیں حالانکہ دونوں ہی میں ہے نیز یہ شبہ ہوتا ہے کہ مقنع میں صرف یُنَشَّؤُا کا واو سے مرسوم ہونا مذکور ہے حالانکہ یہ رسم دونوں ہی کی ہے اس لیے صحیح نسخہ وہی ہے جو متن میں درج کیا گیا ہے (۲) بعض نسخوں میں قَدْ سُطِرَا کے بجائے مُسْتَطَرَا ہے اور یہ اسم مفعول ثَابِتٌ کی ضمیر سے حال ہے جو بِالْوَاوِ کا متعلق ہے اور اس کی ضمیر کُلٌّ وَاحِدٍ کی تاویل سے یُنَبَّؤُا اور یُنَشَّؤُا دونوں کے لئے ہے (۳) اتحاف میں ہے کہ اَنۡبٰٓؤُا انعام و شعراء اور جَزٰٓؤُا کہف طٰہٰ زمر اور عُلَمٰٓؤُا بَنِیۡ شعراء (ع ۱۱) اور اَلۡعُلَمٰٓؤُا فاطر (ع ۴) چاروں بعض قرآنوں میں واو اور الف سے ہیں اور بعض میں الف سے ہیں واو کے بغیر (۴) بعض غیر معتبر نسخوں میں شعر ۱۸ میں وَاَبۡنٰٓؤُا کے بجائے وَاَنۡبٰٓؤُا ہے چنانچہ افضل الدرر میں بھی اسی نسخہ پر عمل کرتے ہوئے شعر میں وَاَنۡبٰٓؤُا لکھا ہے پھر شرح میں فرماتے ہیں کہ یہاں اَنۡبٰٓؤُا مَا کَانُوا شعراء مراد ہے اور فِیۡہِ الۡخُلۡفُ کی شرح یہ کی ہے کہ یہ اَنۡبٰٓؤُا کوفی اور بصری قرآنوں میں واو اور الف سے ہے اور مدنی قرآنوں میں قیاس کے موافق الف سے ہے واو کے بغیر اور احقر نے اس نسخہ کو غیر معتبر اس لیے کہا ہے کہ اس کی رو سے ناظمؒ کے کلام میں غیر مفید تکرار اور ایک ضروری قابل بیان کلمہ کا ترک لازم آتا ہے کیونکہ اَنۡبٰٓؤُا ایک بار شعر ۱۲ میں بھی آچکا ہے اور ناظمؒ نے اس کو انعام والے کے ساتھ خاص نہیں کیا اس لیے وہ انعام اور شعراء دونوں کو شامل ہے اور جس کلمہ کا ترک لازم آتا ہے وہ اَبۡنٰٓؤُا ہے پس اولیٰ

اور اعتماد کے قابل وہی نسخہ ہیں جن میں شعر ۱۸ میں وَابْنُؤا ہے کیونکہ ان کی رو سے نہ تکرار لازم آتا ہے اور نہ وَابْنُؤا کا ترک اور دوسری کمی کو شارح موصوف نے بھی محسوس فرمایا ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ دانیؒ مقنع میں فرماتے ہیں کہ اَبْنُؤا اللّٰہِ (مائدہ) بعض قرآنوں میں واو اور الف سے ہے اور بعض میں الف سے ہے واو کے بغیر انتہی اور وَابْنُؤا والے نسخہ پر یہ مطلب خود شعر ہی سے نکل آتا ہے۔

219\20 وَبَعْدَ رَابَرَءُ وُّا الْوَاوُ مَعْ اَلِفٍ   وَلُؤْلُؤًا قَدْ مَضٰى لِلْبَابِ مُعْتَصَرَا

ترجمہ : اور بُرَءٰؤُا (ممتحنہ ع ۱) کی را کے بعد (ایسا) واو ہے جو الف سمیت ہے (یعنی را کے بعد واو اور الف لکھا ہوا ہے پس واو تو اس کے دوسرے ہمزہ کی صورت ہے جو پیش والا ہے اور الف یَتْلُوا وغیرہ کے الف کی طرح فاصل ہے اور پہلا ہمزہ اور اس کے بعد کا الف رسم سے محذوف ہے اور صرفی قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ را کے بعد صرف ایک الف ہوتا اور تماثل کے سبب دونوں ہمزہ بے صورت ہوتے لیکن قرآنوں کے کاتبوں نے پہلے ہمزہ اور اس کے بعد والے الف کو رسم سے حذف کر کے صرف دوسرے ہمزہ کو خود اس کی حرکت کے اعتبار سے واو کی صورت میں لکھا ہے اور چونکہ یہ واو کلمہ کے آخر میں تھا اس لیے اس کے بعد ایک الف زیادہ لکھ دیا جو فاصل ہے) اور لُؤْلُؤًا (باب الفرش میں شعر ۲۵ تا ۲۸ میں) گذر چکا ہے حالانکہ وہ (لُؤْلُؤًا آخر میں ہونے کے سبب) اس باب (الفرش) کے لئے بقیہ (اور تتمہ) کی طرح ہے (یا وہاں والا لُؤْلُؤًا اس موجودہ باب کے لُؤْلُؤًا کے لیے پناہ کی جگہ ہے یعنی اس کے ہمزہ کی رسم اس مقام سے معلوم ہو سکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ پہلے ہمزہ کی طرح اس کا دوسرا ہمزہ بھی واو کی صورت میں ہے اور اس کے بعد ایک الف ہے یا معنی یہ ہیں کہ لُؤْلُؤًا اس ہمزہ متطرفہ کے باب کے لیے پناہ کی جگہ ہے کیونکہ وہاں معلوم ہو چکا ہے کہ اس میں جو واو کے بعد الف ہے وہ قَالُوا اور یَدْعُوا کے الف کی طرح جدائی کے لیے ہے یا ہمزہ کی صورت کے قوی کرنے کے لیے پس اسی طرح اس باب کے ان چوبیس کلمات میں بھی واو کے بعد کا الف انہی دو غرضوں میں سے کسی ایک کی بناء پر ہے)

فائدہ : (۱) ترجمہ سے معلوم ہو گیا کہ لِلْبَابِ میں اَلْ عہد کے لیے ہے اور اس سے یا تو باب الفرش مراد ہے یا باب حاضر اور بعض نسخوں میں فِی الْبَابِ ہے اور اس تقدیر پر بھی اس سے دونوں ہی باب مراد ہو سکتے ہیں یعنی لُؤْلُؤًا باب الفرش میں گزر چکا ہے جو اس باب کے لیے پناہ گاہ ہے یا خود اسی باب کے لیے تتمہ ہے یا لُؤْلُؤًا گذر چکا ہے حالانکہ یہ اس باب میں پناہ گاہ کی طرح ہے۔ یا اس باب میں تتمہ کی طرح ہے پس فِی کا تعلق فعل سے بھی ہو سکتا ہے اور اسم مفعول سے بھی اور مُعْتَصَرًا کو اِعْتَصَرَ بمعنی اِلْتَجَأَ اِلَیْہِ سے قرار دینا اولیٰ ہے (۲) وَلُؤْلُؤًا قَدْ مَضٰى الخ کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کے دوسرے ہمزہ کی رسم بھی شعر ۲۵ تا ۲۸ میں غور کرنے سے معلوم ہو سکتی ہے نیز باب حاضر کے چوبیس کلمات میں واو کے بعد الف زیادہ کرنے کی وجوہ بھی وہاں ہی سے معلوم ہو سکتی ہیں۔

اَوۡلِیٰٓئُھُمۡ اور اَوۡلِیٰٓئُکُمۡ اور اَوۡلِیٰٓئُہٗ کے ہمزہ کی رسم کا بیان

220\21 وَمَعۡ ضَمِیۡرِ جَمِیۡعِ اَوۡلِیَآءُ بِلَا ‏ وَاوٍ وَّلَایَآءَ فِیۡ مَخۡفُوۡضِہٖ کَثَرَا

ترجمہ : اور اَوۡلِیَآءُ (کا پیش والا ہمزہ) جمع (مذکر غائب و حاضر) کی ضمیر (ھُمۡ کُمۡ) کے ساتھ ہونے کی حالت میں واو کے بغیر (یعنی بے صورت) ہے اور اس (جمع کی ضمیر کے ساتھ والے اَوۡلِیَآءُ) کے مجرور میں (ایسی) یا (بھی) نہیں ہے جو غالب (اور مشہور) ہو گئی ہو۔

221\22 وَقِیۡلَ اِنۡ اَوۡلِیَآؤُہٗ وَفِیۡ اَلِفِ الۡ ‏ بِنَاءِ فِی الۡکُلِّ حَذۡفٌ ثَابِتٌ جُدُرَا

ترجمہ : اور بعض نے کہا ہے کہ اِنۡ اَوۡلِیَآؤُہٗ (انفال ع ۴ کا پیش والا ہمزہ بھی اسی طرح بے صورت ہے) اور بناء کے الف میں (جو ہمزہ سے پہلے ہے ان) سب (انتیس کے انتیس کلمات) میں (ایسا) حذف ہے جو دیواروں کی طرح ثابت (اور قوی) ہے (خلاصہ یہ کہ صرفی قیاس کی رو سے الف کے بعد ہمزۂ متوسطہ ہر جگہ پیش والا واو کی اور زیر والا یا کی صورت میں ہوتا ہے عام ہے کہ وہ پہلے ہی سے متوسطہ ہو یا کسی ضمیر کے ملنے کے سبب متوسطہ بن گیا ہو اور قرآن کے کاتبین نے بھی اکثر جگہ اسی پر عمل کیا ہے لیکن اَوۡلِیَآءُ جب جمع مذکر غائب ھُمۡ یا حاضر کُمۡ کی طرف مضاف ہو تو اس کے ہمزہ کو عراق کے اکثر قرآنوں میں بے صورت لکھا ہے اور واو یا کی صورت میں نہیں لکھا اور ایسے کلمات چار آئے ہیں (۱) اَوۡلِیٰٓئُھُمۡ (بقرہ ع ۳۲ و انعام ع ۱۵) (۲) اَوۡلِیٰٓئُکُمۡ (فصلت ع ۴) (۳) اَوۡلِیٰٓئِھِمۡ (انعام ع ۱۴) (۴) اَوۡلِیٰٓئِکُمۡ (احزاب ع ۱) اور یہ اس لیے کیا ہے کہ جو ہمزہ ضمیر کے سبب متوسطہ بن جائے اس میں دو اعتبار ہیں (۱) یہ کہ حقیقت کی رو سے متطرفہ تھا (۲) یہ کہ اب حکماً متوسطہ ہو گیا ہے پس ان چار کلمات میں اصل کا اور باقی میں موجودہ حالت کا اعتبار کر کے یہ بتا دیا کہ ایسے ہمزوں میں دونوں اصلوں پر عمل کرنا درست ہے اسی لیے اکثر جگہ واو اور یا کی صورت میں لکھا ہے اور ان چار میں بے صورت رکھا ہے اور عراقی میں سے بعض میں اور باقی تمام قرآنوں میں قیاس کے موافق نمبر ایک اور نمبر دو میں واو کی اور نمبر تین اور چار میں یا کی صورت میں لکھا ہے اور بعض کے قول پر اِنۡ اَوۡلِیَآؤُہٗ (انفال) میں بھی بے صورت ہے چنانچہ دانیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے قدیم قرآنوں میں سے بہت سوں میں اس کا ہمزہ واو کے بغیر ہے انتھی لیکن اکثر میں قیاس کے موافق واو ثابت ہے اور یہی قوی ہے اور چونکہ اس کلمہ پر وہ سب الفاظ ختم ہو گئے ہیں جن میں ہمزہ کی رسم مشہور قیاس کے خلاف ہے اس لیے آخر میں یہ بھی بتا دیا کہ اَنۡبٰٓؤُا سے لیکر اَوۡلِیَآؤُہٗ تک کے تمام کلمات میں جو انتیس ہیں ہمزہ سے پہلا الف اجماعاً رسم سے محذوف ہے اور اس الف کو

بنائی کہتے ہیں کیونکہ اس کے حذف کر دینے سے کلمہ درست نہیں رہتا)

فائدہ: جُدُرًا جِدَارٌ دیوار کی جمع ہے اور یہ مُشَبِّهًا مقدر کا مفعول ہے جو ثَابِتٌ کی ضمیر سے حال ہے اور اس میں حذف کی قوت کی طرف اشارہ ہے۔

بَابُ رَسْمِ الْأَلِفِ وَاوًا

آٹھواں باب الف کو واو کی صورت میں لکھنے کے بیان میں

(اس میں چار شعر ہیں)

شرح: اس میں وہ موقع بتائے ہیں جن میں الف کے بجائے واو لکھا جاتا ہے۔

222\1 وَالْوَاوُ فِي أَلِفَاتٍ كَالزَّكٰوةِ وَمِشْـ ... كٰوةٍ مَنٰوةَ النَّجٰوةِ وَاضِحٌ صُوَرًا

223\2 وَفِي الصَّلٰوةِ الْحَيٰوةِ وَانْجَلٰى أَلِفُ الْـ ... مُضَافِ وَالْحَذْفُ فِي خُلْفِ الْعِرَاقِ يُرٰى

224\3 فِي أَلِفَاتِ الْمُضَافِ وَالْعَمِيْمُ بِهَا ... لَدٰى حَيٰوةً زَكٰوةً وَاوُ مَنْ خَبَرَا

ترجمہ: اور (چند) الفات (کے موقعوں) میں صورتوں کے اعتبار سے واو ظاہر ہے (یعنی الف کے بجائے واو لکھا جاتا ہے اور ان الفوں کی مثالیں) اَلزَّكٰوةَ (خواہ کسی جگہ ہو اور اس کی تا پر زبر ہو خواہ زیر) اور كَمِشْكٰوةٍ (نور ع ۵ اور مَنٰوةَ (نجم ع ۱ اور اِلَى النَّجٰوةِ (مومن ع ۵) کی طرح ہیں اور اَلصَّلٰوةِ (اور) اَلْحَيٰوةِ میں (بھی جبکہ ان دونوں پر اَلْ ہو یہی حکم ہے کہ ان میں بھی الف کے بجائے واو لکھا جاتا ہے) اور (صَلٰوةِ اور حَيٰوةِ) مضاف کا الف ظاہر ہو گیا ہے (یعنی اگر یہ دونوں ضمیر کی طرف مضاف ہوں جیسے صَلَاتِيْ۔ صَلَاتِكَ صَلَاتُهُمْ لِحَيَاتِيْ۔ حَيَاتُنَا۔ حَيَاتِكُمْ تو اس صورت میں واو کے بغیر الف سے لکھے جاتے ہیں) اور (اسی صَلٰوة۔ حَيٰوة) مضاف کے الفوں میں (بعض) عراقی (قرآنوں) کے خُلف میں (الف کا بھی) حذف دیکھا جاتا ہے (یعنی صَلٰوة اور حَيٰوة پر اَلْ ہو تو تمام قرآنوں میں واو سے ہیں اور اگر یہ ضمیر کی طرف

مضاف ہوں تو اکثر میں تو واو کے بغیر الف سے ہیں لیکن عراقی میں سے بعض میں واو اور الف دونوں کے بغیر ہیں) اور (عراق کے) عام (قرآن) جو ہیں ان میں حَیٰوۃً (اور) زَکٰوۃً میں (جبکہ یہ دونوں اَلُ اور اضافت دونوں ہی سے خالی ہوں اور ان کی تا پر دو زبر یا دو زیر ہوں جیسا کہ بقرہ (ع ۱۱) و نحل (ع ۱۳) اور فرقان و مریم (ع ۱) میں ہیں۔ الف کے بجائے) اس (شخص) کا واو ہے جو (رسم سے) باخبر (اور اس میں ماہر) ہو گیا ہے (یعنی حَیٰوۃً اور زَکٰوۃً میں عراقی میں بھی واو ہی ہے جیسا کہ اس صورت میں ہے جبکہ ان دونوں پر اَلُ ہو حاصل یہ کہ مِشْکٰوۃٍ مَنٰوۃِ اور اَلنَّجٰوۃِ تو ایک ایک ہی جگہ آئے ہیں اور ان کا الف واو ہی کی صورت میں ہے اور اَلصَّلٰوۃِ اگر اَلُ کے ساتھ ہو تو انہی کی طرح ہے اور اگر مضاف ہو تو اکثر میں واوَ کے بغیر الف سے ہے اور بعض عراقی میں الف اور واو دونوں ہی کے حذف سے ہے اور زَکٰوۃِ پر اَلُ ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں تو واو سے ہے رہا حَیٰوۃِ سو اس پر اَلُ ہو یا اَلُ اور اضافت کے بغیر جر اور نصب سے ہو تو ان دو صورتوں میں تو واو سے ہے اور اگر مضاف ہو تو اکثر میں واو کے بغیر الف سے اور بعض عراقی میں الف اور واو دونوں کے حذف سے ہے)

فائدہ: (۱) وَفِی الصَّلٰوۃِ الْحَیٰوۃِ سے نہایت مفید اور لطیف معنی نکلتے ہیں یعنی نماز میں روحانی زندگی ہے اور ہر طرح کی شادمانی ہے رَزَقَنَا اللّٰہُ حَلَا وَتَہَا وَاَنْوَارَ ھَا (۲) بعض نسخوں میں وَالْحَذْفُ فِیْ خُلْفِ الْعِرَاقِ کے بجائے وَخُلْفٌ فِیْ حَذْفِ الْعِرَاقِ ہے اور مفہوم اور حاصل دونوں نسخوں پر ایک ہی ہے۔

جمع کے صیغہ والے صَلٰوۃ کا حکم

225\4 وَفِیْ اَلِفُ صَلَوَاتٍ خُلْفُ بَعْضِہِمِ ۔۔۔ وَالْوَاوُ تَثْبُتُ فِیْہَا مُجْمِعًا سِیَرًا

ترجمہ: اور (صَلٰوۃ کی جمع) صَلَوَاتٍ کے الف میں ان میں کے بعض کا خلاف ہے اور (الف سے پہلے) واو (تو) اس (صَلَوَاتٍ) میں (بھی) ثابت (ہی) رہتا ہے حالانکہ وہ (عمدہ) خصلتوں (اور خوبیوں) کو جمع کرنے والا (نہایت نفیس) ہے (یعنی صَلَوَاتٍ جمع میں عام ہے کہ سب قراءتوں پر جمع کے صیغہ سے ہو جیسا کہ توبہ ع ۱۲ میں ہے یا صرف بعض کی رو سے جمع ہو جیسا کہ توبہ ع ۱۳ و ہود ع ۸ و مومنون ع ۱ میں ہے چاروں جگہ واو کے بعد کا الف تو بعض قرآنوں میں ہے اور بعض میں نہیں ہے رہا اس کا واو سو وہ سب میں ثابت ہے اور صَلَوَات ان چاروں موقعوں میں مضاف ہے پس گویا یہ الف کے اثبات والے قول پر شعر ۱۵۰ وَکُلُّ جَمْعٍ کَثِیْرًا النُّوْر کے قاعدہ سے مستثنیٰ ہے اور اس کا واو جو اجماعاً" ثابت ہے اس اعتبار سے یہ واحد والی قراءۃ پر شعر ۲۲۳ کے وَانْجَلٰی اَلِفُ الْمُضَافِ سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اس میں مضاف ہونے کے باوجود بھی واو ثابت ہے (جار اللہ)

پس افضل الدرر کا یہ ارشاد اولی کے خلاف ہے کہ ناظم سے الف کا حکم تو نکل آیا لیکن واو کا استثناء ظاہر نہیں ہوا کیونکہ جب ناظمؒ نے الف اور واو دونوں کا حکم بتایا ہے تو دونوں کا مستثنٰی ہونا ظاہر ہے۔)

فائدہ : شعر ۴ کے موجودہ ترجمہ کی رو سے مُجْمِعًا کے دوسرے میم کا کسرہ ہے اور یہ تَثْبُتُ کی ضمیر سے حال ہے اور ذوالحال میں ضمیر کی تانیث اور حال میں تذکیر اس عام قاعدہ کی بناء پر ہے کہ حروف میں دونوں چیزیں درست ہیں اور سِيَرًا۔ سِيْرَةٌ کی جمع ہے جو عادت کے معنی میں ہے اور بعض نسخوں میں میم کا فتحہ بھی ہے اس صورت میں یہ اسم مفعول ثُبُوتًا مقدر کی صفت ہوگا اور سِيَرًا اس سِيْرَةٌ کی جمع ہوگا جو سَيْرٌ بمعنی سفر سے بنا ہے یعنی اس میں واو ایسے ثبوت سے ثابت ہے جس پر سفروں کے اعتبار سے اجماع کیا گیا ہے یعنی اس کی تحقیق کے لیے جب کبھی بھی سفر کیا اس میں قرآنوں میں واو کو ثابت ہی پایا (المعانی الجلیلہ)

بَابُ رَسْمِ بَنَاتِ الْيَآءِ وَالْوَاوِ

نواں باب یائی اور واوی کلمات کی رسم کے بیان میں

(اس میں دس شعر ہیں)

226\1 وَالْيَآءُ فِى اَلِفٍ عَنْ يَآءٍ انْقَلَبَتْ مَعَ الضَّمِيْرِ وَمِنْ دُوْنِ الضَّمِيْرِ تُرٰى

227\2 سِوٰى عَصَانِىْ تَوَلَّاهُ طَغَا وَمَعًا اَقْصَا وَالْاَقْصَا وَسِيْمَا الْفَتْحِ مُشْتَهَرًا

ترجمہ : اور (لام کلمہ کے اس) الف (کی جگہ) میں یا دیکھی جاتی ہے جو یا سے بدل جائے (حالانکہ یہ الف) ضمیر کے ساتھ (ہو تب بھی) اور ضمیر کے بغیر (ہو تب بھی یعنی جو الف یا سے بدلا ہوا ہو یا بدلے ہوئے کے مشابہ ہو اور لام کلمہ میں ہو وہ ہر جگہ یا کی صورت میں لکھا جاتا ہے عام ہے کہ اس الف کے بعد ضمیر ہو جیسے اِجْتَبٰهُ وَهَدٰىهُ فَاَرٰىهُ لَنَرٰهَا یا ضمیر نہ ہو جیسے هُدٰى۔ رَمٰى۔ مُوْسٰى۔ عِيْسٰى۔ نَصٰرٰى اور الف کا لام کلمہ میں ہونا مَعَ الضَّمِيْرِ سے معلوم ہوا ہے کیونکہ ضمیر آخری الف ہی کے بعد آتی ہے نہ کہ درمیانی کے بعد بھی)

(۲) سوائے (وَمَنْ) عَصَانِىْ (ابراہیم ع ۶ اور مَنْ) تَوَلَّاهُ (حج ع ۱ اور) طَغَا (اَلْمَآءُ حاقہ ع ۱ پس طٰہٰ و نزعت ع ۱ و ع ۲ والا نکل گیا کیونکہ ان کا الف قیاس کے موافق اور اجماعاً" یا کی صورت میں ہے اس بناء پر کہ یہ فواصل یعنی آیات کے آخر میں واقع ہیں) اور (اس) اَقْصَا (اَلْمَدِيْنَةِ) کے جو دو جگہ ہے (یعنی قصص و یٰسین ع ۲

میں) اور (سوائے) اَلْاَقْصَا (الذیٓ اسراء ع ۱) کے اور فتحنا (ع ۴) کے سِیْمَا (ھُم) کے حالانکہ وہ (سِیْمَا ایک نقل کی رو سے اسی طرح) مشہور کیا گیا ہے (اور وہ نقل یہ ہے کہ بقرہ ع ۳۷ و اعراف ع ۵ و ع ۶ و محمد ع ۴ ان چار موقعوں میں تو سِیْمَاھُمْ یا سے ہے اور فتحنا میں الف سے اور دوسری روایت دانی کی ہے جس کی رو سے سب جگہ الف سے ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ متعدد شہروں کے لوگوں نے سِیْمَاھُم کو قرآن کے شروع سے آخر تک ہر جگہ الف سے لکھا ہے اور معلی نے عاصم لیثی سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے اور مُشْتَهَرًا میں اشارہ ہے کہ ناظمؒ کا اعتماد پہلی روایت پر ہے خلاصہ یہ کہ یا سے بدلا ہوا یا اس کے مشابہ الف ہر جگہ یا کی صورت میں ہے لیکن کچھ جزئیات اور کچھ کلیہ اس سے مستثنیٰ ہیں چنانچہ جزئیات میں سے تو یہ چھ کلمات ہیں جو عَصَانِیَ سے سِیْمَا تک مذکور ہیں اور کلیہ شعر ۳ میں آرہا ہے۔

فائدہ: سِیْمَا کے متعلق تو معلوم ہو ہی چکا ہے کہ اس میں دو روایتیں ہیں ایک پر فتحنا والے میں الف اور باقی چار میں یا ہے اور دوسری روایت پر پانچوں میں الف ہے رہے باقی پانچ کلمہ سو وہ اگر ان سورتوں کے علاوہ دوسری سورتوں میں آئیں گے تو ان کا الف قیاس کے موافق یا کی صورت میں ہوگا۔

وہ قاعدہ کلیہ جس میں یا سے بدلا ہوا الف یا کے بجائے الف ہی کی صورت میں لکھا جاتا ہے

228\3 وَغَيْرَمَا بَعْدَيَاءٍ خَوْفَ جَمْعِهِمَا ۔۔۔ لٰكِنْ يَحْيٰى وَسُقْيَاهَا بِهَا حُبِرَا

ترجمہ: اور (یا سے بدلا ہوا ہر الف یا کی صورت میں لکھا جاتا ہے) سوائے اس (الف) کے جو یا کے بعد ہو (کہ اس کو) ان دو (یاؤں کے جمع ہو جانے سے ڈرنے کے سبب (الف کی صورت میں لکھتے ہیں پس وَنَحْيَا وَاَحْيَا۔ حَوَايَا سب میں الف اپنی صورت میں ہے کیونکہ اگر ان میں یا کی صورت سے لکھتے تو رسم میں دو یائیں جمع ہو جاتیں اور شعر ۱۸۴ میں معلوم ہو چکا ہے کہ اس صورت میں ایک یا حذف ہو جایا کرتی ہے) لیکن يَحْيٰى (فعل ہو جو انفال ع ۵ طٰہٰ ع ۳ اور اعلیٰ میں ہے یا اسم ہو جو آل عمران ع ۴ و مریم ع ۱ میں ہے اور) وَسُقْيٰهَا (شمس) یہ دونوں (الف کے بجائے) اس (یا ہی) سے (لکھ کر) خوبصورت بنا دیئے گئے ہیں (خلاصہ یہ کہ اگر یا سے بدلا ہوا الف یا کے بعد ہو جیسے اَحْيَا۔ نَحْيَا وغیرہ میں ہے یا یا سے پہلے ہو جیسے هُدَایَ۔ مَثْوَایَ وغیرہ میں ہے یا دو یاؤں کے درمیان ہو جیسے مَحْيَایَ وغیرہ میں ہے تو ان تینوں صورتوں میں دو یا تین یاؤں) کے جمع ہونے سے بچنے کے لیے الف کو یا کے بجائے الف ہی کی صورت میں لکھتے ہیں اور ناظمؒ نے ان میں سے پہلی صورت کو صراحتہً اور باقی دو کو خَوْفَ جَمْعِهِمَا کے ذریعہ اشارتاً مستثنیٰ کیا ہے لیکن يَحْيٰى

اور سُقْیٰهَا میں یا ہی کی صورت میں ہے اور مقنع میں ہے کہ جب یہ الف متکلم کی یا سے پہلے ہو جیسے ھُدَایَ۔ مَثْوَایَ تو اس میں اختلاف ہے یعنی بعض میں الف کی صورت میں ہے اور بعض میں یا کی شکل میں اور سُقْیٰهَا اکثر قرآنوں میں الف سے ہے اور بعض میں یا اور الف دونوں کے بغیر ہے اور آج کل عمل اسی پر ہے پس گویا یہ الف یا کی شکل میں تھا پھر تماثل کی بناء پر ایک یا حذف ہو گئی۔ شرح جار اللہ میں ہے کہ وَسُقْیٰهَا میں قاف اور ھا کے درمیان دو شوشہ ہیں پس یہ شعر ۱۸۴ کے وَاحْذِفُوا اِحْدَاهُمَا سے خارج اور شعر ۱۸۶ کے وَذِی الضَّمِیْرِ میں داخل ہے)

229\4 کِلْتَا وَتَتْرًا جَمِیْعًا فِیْهِمَا اَلِفٌ ۔۔۔ وَفِیْ یَقُوْلُوْنَ نَخْشٰی اَلْخُلْفُ قَدْ ذُکِرَا

ترجمہ: کِلْتَا (اَلْجَنَّتَیْنِ کہف ع ۵) اور (رُسُلَنَا) تَتْرًا (مومنون ع ۳) جو ہیں ان دونوں میں تمام (قرآنوں) میں الف ہے (اور یہ دونوں نہ تو یائی ہیں اور نہ واوی کیونکہ کِلْتَا کی تو کوئی اصل ہی نہیں ہے اور تَتْرًا کا الف تنوین والی قراءۃ پر تو تنوین سے بدلا ہوا ہے اور بلا تنوین والی پر فَعْلٰی کا ہے اور یہاں ان کو اس لیے لائے ہیں کہ ان کا الف یا سے بدلے ہوئے الف کے مشابہ ہے پس ممکن تھا کہ کسی کو یہ خیال ہو جاتا کہ ان کا الف یا کی صورت میں ہوگا اس لیے ان کو مستثنیٰ کر دیا) اور یَقُوْلُوْنَ نَخْشٰی (مائدہ ع ۸) میں خُلْف ہے (یعنی بعض میں شین کے بعد الف ہے اور بعض میں یا ہے) حالانکہ یہ (خَلْف رسم کی کتابوں میں) بیان کیا گیا ہے۔

230\5 وَبَعْدَ یَاءِ خَطَایَا حَذْفُهُمُ اَلِفًا ۔۔۔ وَقَبْلُ اَکْثَرُهُمْ بِالْحَذْفِ قَدْ کَثُرَا

ترجمہ: اور خَطَایَا کی یا کے بعد (تو) ان سب (کاتبین) کا الف کو حذف کرنا (ثابت) ہے اور (یا سے) پہلے (الف کو) ان میں کے اکثر نے (حذف کیا ہے پس) یہ (لفظ دونوں الفوں کے) حذف سے غالب (اور مشہور) ہو گیا ہے (یعنی خَطٰیٰنَا۔ خَطٰیٰکُمْ خَطٰیٰهُمْ جن موقعوں میں تمام قراء توں کی رو سے جمع تکسیر ہے ان سب میں طا کے بعد والا الف تو اکثر قرآنوں میں محذوف اور بعض میں ثابت ہے رہا یا کے بعد والا الف سو وہ اجماعاً" محذوف ہے موسیٰ جار اللہ اہل علم کا قول نقل فرماتے ہیں کہ خَطٰیٰکُمْ بقرہ ع ۶ میں طا اور کاف کے درمیان ایک شوشہ ہے اس لیے اس کو سب جمع تکسیر ہی سے پڑھتے ہیں اور اعراف ع ۲۰ اور نوح ع ۲ والوں میں طا اور کاف کے درمیان دو شوشہ ہیں اس لیے ان کو بعض جمع سالم کے صیغہ سے اور بعض جمع تکسیر سے پڑھتے ہیں)

231\6 بِالْیَاتُقٰةً وَفِیْ تُقَاتِهِ اَلِفُ الْـ ۔۔۔ عِرَاقِ وَاخْتَلَفُوْا فِیْ حَذْفِهَا زُبُرًا

ترجمہ: (مِنْهُمْ) تُقٰةً (آل عمران ع ۳ کا الف اجماعاً") یا سے ہے (پس اس میں قاف اور تا کے درمیان

تمام قرآنوں میں ایک شوشہ ہے) اور (حَقّ) تُقٰتِہٖ (آل عمران ع ۱۱) میں عراقی کا الف ہے اور ان (عراق والوں) نے اس (الف) کے حذف میں (بھی) اختلاف کیا ہے حالانکہ یہ (حضرات بہت سے) قرآنوں والے ہیں (یعنی تُقَاتِہٖ عراقی قرآنوں میں سے بعض میں الف سے ہے اور بعض میں الف کے بغیر ہے پس ان میں قاف اور ھا کے درمیان صرف ایک شوشہ ہے جو تا کا ہے اور عراقی کے سوا باقی سب قرآنوں میں قاف اور ھا کے درمیان دو شوشہ ہیں جن میں سے پہلا یا کا ہے جو الف کی صورت ہے اور دوسرا تا کا پس اس کی رسم تین طرح ہو گئی (۱) تُقَاتِہٖ (۲) تُقٰتِہٖ یہ دونوں عراقی قرآنوں میں ہیں (۳) تُقٰیتِہٖ یہ غیر عراقی میں ہے رہا ع ۳ والا سو وہ سب میں ایک ہی طرح (تُقٰۃً) ہے سخاویؒ فرماتے ہیں کہ میں نے شامی میں دونوں ہی کو قاف اور تا کے درمیان یا سے دیکھا ہے)

فائدہ: زُبُرًا۔ زُبُورٌ کی جمع ہے جو مصحف کے معنی میں ہے۔

232\7 یَاوَیْلَتٰی اَسَفٰی حَتّٰی عَلٰی وَاِلٰی ۔۔۔ اَنّٰی عَسٰی وَبَلٰی یٰحَسْرَتٰی زُبِرَا

ترجمہ: یٰوَیْلَتٰی (اور) یٰاَسَفٰی (یوسف ع ۱۰ اور) حَتّٰی (اور) عَلٰی اور اِلٰی (اور) اَنّٰی (اور) عَسٰی اور بَلٰی (اور) یٰحَسْرَتٰی کی یا (قرآنوں میں) لکھی گئی ہے (یعنی ان نو کے نو کلمات میں آخری الف اجماعاً یا کی صورت میں ہے جو مشہور قیاس کے خلاف ہے کیونکہ ان کا الف نہ تو یا سے بدلا ہوا ہے اور نہ بدلے ہوئے کہ مشابہ ہے صرف عَسٰی میں یا سے بدلا ہوا ہے اور یہاں اس کو اس لیے لائے ہیں کہ یہ فعل جامد ہے جس سے دو تین ہی صیغہ آتے ہیں۔)

فائدہ: یَاوَیْلَتٰی اصل میں یَاۤءَ وَیْلَتٰی تھا پھر ضرورتاً قصر کر لیا (جار اللہ) اور یہ بھی ممکن ہے کہ یا کو ندائیہ قرار دے کر یَاوَیْلَتٰی کا جزو مان لیں اور اس تقدیر پر قصر کا قائل ہونے کی حاجت نہ ہوگی۔

233\8 جَاۤءَتْھُمْ رُسُلُھُمْ وَجَاۤءَ اَمْرُ وَلِلرْ ۔۔۔ رِجَالِ رَسْمُ اُبَیٍّ یَاۤءَ ھَا شَھَرَا

ترجمہ: جَاۤءَتْھُمْ رُسُلُھُمْ (ابراہیم ع ۲ و مومن ع ۹ وغیرہ) اور جَاۤءَ اَمْرُ (ہر دس جگہ) اور لِلرِّجَالِ (نساء ع ۱) جو ہیں اُبَیٍّ (بن کعبؓ کے قرآن) کی رسم نے ان (تینوں) کی یا کو مشہور کر دیا ہے (یعنی موصوف کے قرآن میں تینوں میں جیم اور ہمزہ اور جیم اور لام کے درمیان الف کے بجائے یا لکھی ہوئی تھی اور نظم سے تو یہ نکلتا ہے کہ جَاۤءَتْھُمْ سے مراد وہ ہے جس کے بعد رُسُلُھُمْ بھی ہو اور اتحاف میں ہود کے آخر میں ہے کہ اس سے صرف جَاۤءَتْھُمْ مراد ہے یعنی جس کے بعد جمع مذکر غائب کی ضمیر ہو عام ہے کہ اس کے بعد رُسُلُھُمْ ہو یا نہ ہو اور اس تقدیر پر یہ جَاۤءَتْھُمُ الْبَیِّنٰتُ (نساء ع ۲۲) وغیرہ کو بھی شامل ہے۔)

فائدہ: بعض نسخوں میں یَاۤءَ ھَا شَھَرَا کے بجائے یَاۤؤُھَا اشْتَھَرَا ہے یعنی ابی کی رسم جو ہے اس کی رو

سے ان تینوں کی یا مشہور ہوگئی ہے لیکن عام قرآنوں میں ان میں الف ہی ہے۔

234\9 جَآءُوْ وَجَآءَ هُمُ الْمَكِّيُّ وَطَابَ اِلَى الْ اِمَامِ يُعْزٰى وَكُلٌّ لَيْسَ مُقْتَفَرَا

ترجمہ: جَآءُوْ اور جَآءَهُمْ جو ہیں (جبکہ ان کے ساتھ ضمیر مرفوع یا منصوب متصل ہو ان دونوں میں) مکی (کی رسم اسی طرح جیم اور ہمزہ کے درمیان یا سے) ہے اور (مَا) طَابَ (نساء ع ۱ اسی رسم کے ساتھ) امام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے (یعنی جَآءُ اور جَآءُوهُمْ میں کسائی کی روایت سے جیم کے بعد یا کا شوشہ ہے اور طَابَ میں عاصم جحدری کی روایت سے عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قرآن میں یا ہے) اور (ان تینوں کلمات میں سے) ہر ایک (اس رسم کے ساتھ) پیروی کیا ہوا نہیں ہے (یعنی اس رسم پر عمل نہیں ہے بلکہ تینوں میں جیم اور طا کے بعد الف لکھتے ہیں)

235\10 كَيْفَ الضُّحٰى وَالْقُوٰى دَحٰى تَلٰى وَطَحٰى سَجٰى زَكٰى وَاوُهَا بِالْيَآءِ قَدْ سُطِرَا

ترجمہ: اَلضُّحٰى جس طرح (بھی آئے اس پر اَلْ ہو یا نہ ہو نیز اس کے ساتھ ضمیر ہو یا نہ ہو اور یہ چھ جگہ آیا ہے (۱ و ۲) ضُحٰى اعراف (ع ۱۲) وطٰہٰ (ع ۳) (۳ تا ۵) ضُحٰهَا نزعٰت (ع ۲) میں دو اور والشمس میں ایک (۶) وَالضُّحٰى کے شروع میں) اور (۷) اَلْقُوٰى (نجم ع ۱ اور) دَحٰهَا (نزعٰت ع ۲ اور) تَلٰهَا اور طَحٰهَا (والشمس اور) سَجٰى (وَالضُّحٰى اور مَا) زَكٰى (نور ع ۳) ان (ساتوں کلمات) کا واو یا سے لکھا گیا ہے (یعنی ان سب میں الف واو سے بدلا ہوا ہے لیکن اس پر بھی رسم یا سے ہے یا تو اس لیے کہ یہ آیات کے آخر کے دوسرے کلمات کے ہم شکل ہو جائیں کیونکہ یہ بھی اکثر جگہ آیات کے آخر میں ہیں یا ان کا الف اس لیے یا کی صورت میں ہے کہ ان میں امالہ کے جائز ہونے پر تنبیہ ہو جائے اور ان کے علاوہ وہ تمام واوی کلمات جو تین حرفی ہوں اسم ہوں خواہ فعل ان سب کا الف قیاس کے موافق واو ہی کی شکل میں لکھا جاتا ہے۔)

بَابُ حَذْفِ اِحْدَى اللَّامَيْنِ

دسواں باب دو لاموں میں سے ایک کے حذف کے بیان میں

(اس میں ایک شعر ہے)

شرح: رسمی تغیرات کی تین صورتیں ہیں (۱) اثبات و حذف یہ ہمزہ میں اور مد کے تینوں حروف اور لام تعریف میں جاری ہیں (۲) ابدال یہ مد کے تینوں حروف اور ہمزہ اور تانیث کی تا میں جاری ہے (۳) وصل و فصل

اس کو ابھی باب المقطوع و الموصول میں کافی تفصیل سے بیان کریں گے یہ تو اصول کے بابوں میں ہے اور فروش میں یہی تغیرات جزئی طور پر دوسرے بعض حروف میں بھی ہوتے ہیں۔

236\1 لَامُ الَّتِیْ الَّئِیْ وَالَّتِیْ وَکَیْفَ اَتَی الْـ   لَذِیْ مَعَ الَّیْلِ فَاحْذِفْ وَاصْدُقِ الْفِکَرَا

ترجمہ: اَلَّتِیْ (اور) اَلّٰئِیْ اور اَلّٰتِیْ اور اَلَّذِیْ جس طرح (بھی) آئے (واحد سے ہو خواہ تثنیہ سے خواہ جمع سے جیسے اَلَّذِیْ۔ اَلَّذٰنِ۔ اَلَّذِیْنَ۔ اَلَّذِیْنَ نیز تثنیہ کے نون پر تشدید ہو جیسے وَالَّذٰنِّ یا نہ ہو) اور اَلَّیْلَ کا لام جو ہے تو (اس کو) حذف کر دے (اور پانچوں کلمات کو ہر حال میں ایک لام سے لکھ) اور تو (ان کے بارہ میں اپنے) فکر (اور غور) کو سچا (اور درست) کر لے (یعنی لام کے حذف کو ان کے واحد ہی کے ساتھ مخصوص نہ رکھ بلکہ تثنیہ اور جمع میں بھی جاری کر نیز انکے سوا اور کسی کلمہ میں بھی لام کو حذف نہ کر خلاصہ یہ کہ جب اَلْ تعریفی کسی لام والے کلمہ پر داخل ہوتا ہے تو اس میں دو لام جمع ہو جاتے ہیں اور ہر جگہ دونوں ہی لکھے جاتے ہیں جیسے اَللَّمَّ اَللَّھْوِ۔ اَللّٰعِنُوْنَ لیکن مذکورہ بالا پانچ کلمات ہر جگہ اور ہر حال میں ایک ہی لام سے لکھے جاتے ہیں کیونکہ یہ قرآن میں کثرت سے آتے ہیں اس لیے تخفیف کی بناء پر ایک لام کو حذف کر دیتے ہیں)

بَابُ الْمَقْطُوْعِ وَالْمَوْصُوْلِ

گیارھواں باب مقطوع اور موصول کے بیان میں

(اس میں ایک شعر ہے)

237\1 وَقُلْ عَلَی الْاَصْلِ مَقْطُوْعُ الْحُرُوْفِ اَتٰی   وَالْوَصْلُ فَرْعٌ فَلَا تُلْفٰی بِهٖ حَصِرَا

ترجمہ: اور تو کہہ دے (کہ رسم میں) اصل کے موافق (تو) کلمات کا قطع (ایک دوسرے سے جدا ہونا ہی) آیا ہے اور وصل (ایک کلمہ کو دوسرے سے ملا کر لکھنا دونوں کلموں میں قوی درجہ کے لفظی اور معنوی اتصال پر) متفرع ہے (یعنی جن دو کلمات میں کسی قسم کا قوی اتصال پایا جائے صرف انہی کو ملا کر لکھتے ہیں) پس تو اس (مقطوع اور موصول کے بیان) میں تنگی والا نہ پایا جائے (یعنی نہ تو بیان سے عاجز ہو جاؤ کہ مطلب کو واضح نہ کر سکو اور نہ طلباء کو فائدہ پہنچانے اور مقطوع و موصول کے بتانے میں بخل کرو۔ قطع کے معنی ہیں ایک کلمہ کو دوسرے سے جدا لکھنا اور تمام کلمات میں یہی اصل ہے جیسے فِیْ مَا اور ضرورت کے وقت ان میں سے پہلے اور دوسرے دونوں کلموں پر وقف کر سکتے ہیں اور وصل کے معنی ہیں دو کلموں کو ملا کر لکھنا جیسے فِیْمَا اٰبَآءُھُمْ ان

میں سے صرف دوسرے کلمہ پر وقف کر سکتے ہیں)

فائدہ: جو کلمات ایسے ہیں کہ قرآن میں کچھ مقامات میں مقطوع اور کچھ موقعوں میں موصول آئے ہیں۔ ناظمؒ اختصار کے پیش نظر ان میں سے ہر ایک کی اس حالت کو بیان کریں گے جس سے وہ کم موقعوں میں آیا ہے۔ پس اگر کسی کلمہ کے متعلق یہ بتائیں کہ یہ ان موقعوں میں مقطوع ہے تو ضد سے نکل آئے گا کہ باقی موقعوں میں موصول ہے اور اگر یہ بتائیں کہ یہ کلمہ ان موقعوں میں موصول ہے تو ضد سے یہ نکلے گا کہ باقی موقعوں میں مقطوع ہے۔

بَابُ قَطْعِ اَنْ لَّا وَاِنْ مَّا

بارھواں باب اَنْ لَا اور اِنْ مَا کے مقطوع ہونے کے بیان میں

(اس میں تین شعر ہیں)

شرح: اَنْ لَا میں اَنْ مصدریہ ہے یا تفسیریہ اور لَا نہی کا ہے یا نفی کا۔ اَنْ لَّا دس موقعوں میں بالاتفاق مقطوع ہے یعنی اَنْ لَا ہے نون سے اور انبیاء (ع ۲) میں بعض میں مقطوع ہے اور بعض میں موصول اور باقی سب جگہ موصول یعنی اَلَّا ہے نون کے بغیر اور اِنْ مَا میں اِنْ شرطیہ ہے اور مَا زائدہ ہے اور یہ صرف ایک جگہ رعد (ع ۲) میں مقطوع (اِنْ مَا) ہے اور باقی سب جگہ موصول (اِمَّا) ہے۔

1\238 اَنْ لَا يَقُولُوا اقْطَعُوا اَنْ لَا اَقُولَ وَاَنْ ۔۔۔ لَا مَلْجَاَ اَنْ لَّا اِلٰهَ بِهُوْدِ ابْتَدِرَا

ترجمہ: تم اَنْ لَا يَقُولُوا (اور) اَنْ لَا اَقُولَ (اعراف ع ۲۱ و ع ۱۳) اور اَنْ لَا مَلْجَاَ (توبہ ع ۱۴ اور) ہود (ع ۲) میں اَنْ لَا اِلٰهَ (ان چاروں) کو مقطوع کر دو (یعنی اَنْ لَّا لکھو اور) تو (لَا اِلٰهَ کی نفی کے ساتھ اثبات ملا دینے کی طرف بھی) ضرور جلدی کر (یعنی میں شعری ضرورت کے سبب لَا اِلٰهَ میں صرف نفی لایا ہوں جس سے توحید کے خلاف معنی کا وہم ہوتا ہے اس لیے تم اس کے ساتھ اِلَّا هُوَ بھی ملا دو تاکہ عین توحید ہو جائے)

2\239 وَالْخُلْفُ فِي الْاَنْبِيَا وَاقْطَعْ بِهُوْدَ بِاَنْ ۔۔۔ لَا تَعْبُدُوا الثَّانِ مَعْ يٰسِيْنَ لَا حَصَرَا

ترجمہ: اور انبیاء (ع ۲ والے اَنْ لَا اِلٰهَ) میں تخلف ہے (یعنی بعض میں مقطوع ہے اور بعض میں موصول اور اس زمانہ میں عمل قطع ہی پر ہے) اور تو ہود (ع ۳) میں دوسرے اَنْ لَا تَعْبُدُوا کو یٰسین (ع ۴ والے اَنْ لَا تَعْبُدُوا) سمیت قطع کر دے (اور ان کلمات کو مقطوع لکھنے میں کوئی) تنگی نہیں ہے (اس بناء پر کہ

یہ قطع نقل سے ثابت ہے۔ رہا ہود کا پہلا اَلَّا تَعۡبُدُوۡٓا جو ع ا میں ہے سو وہ اجماعاً" موصول بلا نون ہے یا ان میں کوئی تنگی اور رکاوٹ نہیں ہے بلکہ جب بھی کسی اہل فن سے پوچھو گے وہ فوراً بتا دے گا۔ حدیث میں ہے کہ عاجز کی کمزوری اور رکاوٹ سوال ہی سے دور ہو سکتی ہے یعنی ناواقف کو کسی چیز کے پوچھنے میں شرم نہ کرنی چاہیے یا ان موقعوں میں اَنۡ لَا کا مقطوع لکھنا منع نہیں ہے اور اس تقدیر پر یہ حَصَرَ عَنِ الۡقِرَاءَۃِ والے معنی دے گا)

240\13 فِي الۡحَجِّ مَعۡ نُوۡنَ اَنۡ لَا وَالدُّخَانِ وَالۡاِمۡ ۔ تِحَانِ فِي الرَّعۡدِ اِنۡ مَا وَحۡدَہٗ ظَھَرَا

ترجمہ: حج (ع ۴) اور ن اور دخان (ع ۱) اور ممتحنہ (ع ۲) میں اَنۡ لَّا کا (اور) صرف رعد (ع ۶) میں اِنۡ مَّا (کا مقطوع ہونا) ظاہر (اور واضح) ہو گیا ہے (خلاصہ یہ کہ اَنۡ لَّا ان گیارہ موقعوں میں مقطوع ہے اور ان میں سے انبیاء والا بعض میں موصول بھی ہے اور باقی سب موقعوں میں موصول ہے جس کی مثالیں آل عمران ع ۷ و نساء ع ا و نمل ع ۲ وغیرہ میں موجود ہیں اور اِنۡ مَّا صرف رعد ع ۶ میں مقطوع ہے باقی سب جگہ موصول ہے اور مثالیں انفال ع ۷ یونس ع ۵ وغیرہ میں دیکھو)

فائدہ: (۱) اَنۡ لَّا اور اِنۡ مَّا میں قطع اصل کی موافقت کی بناء پر ہے اور وصل اس لیے ہے کہ جب ادغام کے سبب نون تلفظ سے حذف ہو گیا تو اس کی موافقت کی غرض سے رسم سے بھی حذف کر دیا (۲) وزن کی درستی لَا مَلۡجَاَ کے ہمزہ کے حذف پر موقوف ہے۔

بَابُ قَطۡعِ مِنۡ مَّا وَنَحۡوِ مِنۡ مَّالِ وَوَصۡلِ مِمَّنۡ وَمِمَّ

تیرہواں باب مِنۡ مَّا اور مِنۡ مَّالِ جیسے کلمات کے مقطوع اور مِمَّ اور مِمَّنۡ کے موصول ہونے کے بیان میں

(اس میں دو شعر ہیں)

شرح: یعنی مِنۡ مَّا صرف دو جگہ نساء و روم ع ۴ میں مقطوع ہے یعنی مِنۡ کا نون بھی لکھا ہوا ہے اور منافقون ع ۲ والا بعض میں مقطوع اور بعض میں موصول ہے اور مِنۡ مَّالِ جیسے کلمات جن میں مِنۡ کے بعد ایسا کلمہ ہو جس کے شروع میں میم ہو اور اسم ظاہر ہو اور مَا موصولہ اور مِنۡ کے علاوہ ہو سب جگہ مقطوع ہیں اور مِمَّ اور مِمَّنۡ ہر جگہ موصول ہیں قطع کے موقعوں میں مِنۡ کا نون لکھا جائے گا اور وصل کے موقعوں میں محذوف رہے گا۔

241\1 فِی الرُّوْمِ قُلْ وَالنِّسَا مِنْ قَبْلِ مَا مَلَکَتْ وَخُلْفُ مِمَّا لَدَی الْمُنَافِقِیْنَ سَرٰی

ترجمہ: تو کہہ دے کہ روم و نساء (ع ۴) میں مَا مَلَکَتْ سے پہلے مِنْ (مقطوع نون سے) ہے (یعنی مِنْ مَّا مَلَکَتْ نساء و روم (ع ۴) میں تمام قرآنوں میں مِنْ۔ مَا سے جدا اور نون سے لکھا ہوا ہے) اور منافقین (ع ۲) میں مِمَّا کا خلاف ثابت ہو گیا ہے (یعنی بعض میں مِمَّا ہے اور بعض میں مِنْ مَّا ہے)

فائدہ: موسیٰ جار اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے قرطبی کی روایت سے ناظمؒ سے اس شعر کے بجائے یہ دوسرا شعر نقل کیا ہے۔

مِنْ قَبْلِ مَا مَلَکَتْ فَاقْطَعْ وَنُوْزِعَ فِی الْ مُنَافِقِیْنَ لَدٰی مِمَّا وَلَا ضَرَرَا

یعنی مَا مَلَکَتْ سے پہلے مِنْ کو مقطوع کر دے اور منافقین میں مِمَّا میں اختلاف کیا گیا ہے اور اس اختلاف میں کوئی نقصان نہیں ہے کیونکہ قطع میں اصل اور قیاس کی موافقت ہے اور وصل ادغام کی تاکید اور پختگی کے لیے ہے اس نسخہ میں چونکہ روم اور نساء کے نام نہیں آئے اس لیے شعر کے عموم میں مِنْ مَّا مَلَکَتْ نور (ع ۴) بھی شامل ہے یعنی یہ بھی مقطوع ہے لیکن دانی نے اس کو مقطوع میں شمار نہیں کیا پس اس کا قطع زیادات قصیدہ میں سے ہوگا اور موسیٰ جار اللہ کے قول کی رو سے اس کا مقطوع ہونا ہی صحیح تر ہے لیکن موجودہ قرآنوں میں موصول ہی ہے۔ اور نشر المرجان میں بھی اس کو بالاتفاق موصول بتایا ہے پس نور والے کا موصول ہی ہونا صحیح تر ہے۔

242\2 لَا خُلْفَ فِیْ قَطْعِ مِنْ مَّعْ ظَاهِرٍ ذَکَرُوْا مِمَّنْ جَمِیْعًا فَصِلْ وَمِمَّ مُؤْتَمِرَا

ترجمہ: مِنْ کے (اسم) ظاہر کے ساتھ (ہونے کی حالت میں) مقطوع کرنے (اور نون سے لکھنے) میں خلاف نہیں ہے ان (اہل رسم) نے (اس کو اسی طرح) بیان کیا ہے (یعنی جب مِنْ کے بعد ایسا اسم ظاہر ہو جو معرب بھی ہو اور اس کے شروع میں میم بھی ہو جیسے مِنْ مَّآءٍ۔ مِنْ مَّارِجٍ تو اس صورت میں مِنْ بالاتفاق جدا اور نون سے لکھا جاتا ہے اور یہاں ظاہر سے ضمیر کا مقابل مراد نہیں ہے کیونکہ اس تقدیر پر تو مِمَّ اور مِمَّنْ بھی مقطوع ہوں گے جو واقع کے خلاف ہیں جیسا کہ فرماتے ہیں اور) تو مِمَّنْ اور مِمَّ کو (جو مِمَّنْ مَّنَعَ اور مِمَّنِ افْتَرٰی اور مِمَّ خُلِقَ وغیرہ میں ہے) سب جگہ موصول کر دے (یعنی نون کے بغیر لکھ) حالانکہ تو (اس بارہ میں رسم کی) پیروی کرنے والا ہے۔

فائدہ: مِمَّ سے مراد یہ ہے کہ مِنْ کے بعد مَا استفہامیہ الف کے بغیر ہو اور مِمَّنْ سے مراد یہ ہے کہ مِنْ کے بعد مَنْ موصولہ ہو پس مِمَّ اور مِمَّنْ ہر جگہ موصول ہیں اور اگر مِنْ کے بعد ضمیر ہو جیسے مِنْهُمْ

مِنکُمْ اور مِنْہُ تو وہاں بھی موصول ہی ہوتا ہے اور مِنْ کا نون بھی لکھا جاتا ہے۔

بَابُ قَطْعِ اَمْ مَنْ

چودھواں باب اَمْ مَنْ کے مقطوع ہونے اور دو میموں سے لکھے جانے کے بیان میں

(اس میں ایک شعر ہے)

243\1 فِیْ فُصِّلَتْ وَالنِّسَا وَفَوْقَ صَادَ وَفِیْ   بَرَآءَةٍ قَطْعُ اَمْ مَنْ عَنْ فَتًی سَبَرَا

ترجمہ: فصلت (ع ۵) اور نساء (ع ۱۶) اور صاد کے اوپر (والی سورۂ صفت ع ۱) میں اور براءۃ (توبہ ع ۱۳) میں اَمْ مَنْ کا مقطوع لکھنا (ایسے) جو ان (قوی عالم) سے (منقول) ہے جس نے (رسم کو) جانچا ہے (اور قرآنوں کو کھول کر) دیکھا ہے (یا ان کا مقطوع ہونا جو ان کی روایت سے معلوم کیا گیا ہے پس اس ترجمہ پر سَبَرَا مجہول ہے اور باقی سب موقعوں میں ادغام کی تاکید اور تقویت کے لیے موصول اَمَّنْ ہے ایک میم سے اور مثالیں نمل ع ۵ وغیرہ میں دیکھو)

بَابُ قَطْعِ عَنْ مَنْ وَ وَصْلِ اَلَّنْ

پندرھواں باب عَنْ مَّنْ کے مقطوع اور اَلَّنْ کے موصول ہونے کے بیان میں

(اس میں ایک شعر ہے)

شرح: عَنْ مَّنْ صرف دو جگہ نور (ع ٦) و نجم (ع ۲) میں آیا ہے اور دونوں جگہ مقطوع ہے اور اَلَّنْ کہف (ع ٦) و قیامہ (ع ۱) میں موصول بلا نون ہے اور باقی موقعوں میں مقطوع نون سے ہے اور اَنْ لَّنْ تُحْصُوْہُ مزمل (ع ۲) میں قطع اور وصل دونوں ہیں اور آج کل عمل قطع ہی پر ہے اور بعض صحیح قرآنوں کے حاشیہ میں ہے کہ اس میں قطع اکثر ہے (نشر)

244\1 فِی النُّوْرِ وَالنَّجْمِ عَنْ مَّنْ وَالْقِیَامَةُ صِلْ   فِیْهَا مَعَ الْکَهْفِ اَلَّنْ مَنْ ذَکیٰ حَذِرَا

ترجمہ: (تو) نور (ع ٦) اور نجم (ع ۲) میں عَنْ مَّنْ کو (مقطوع کر دے یعنی عَنْ مَّنْ لکھ) اور (سورۂ)

قیامہ (ع ۱) جو ہے تو اس میں اور کہف (ع ٦) میں اَلَّنْ کو موصول (بلا نون) کر دے (یعنی ان دونوں موقعوں میں ہمزہ کے بعد نون نہیں ہے اور باقی سب موقعوں میں اَنْ لَّنْ نون سے مقطوع ہے) جو (شخص) تیز سمجھ والا (اور ذہین) ہو گیا ہے اس نے (ان دونوں موقعوں کے سوا دوسرے موقعوں میں اَلَّنْ کو موصول اور ان دو موقعوں میں مقطوع لکھنے سے) پرہیز کیا ہے (یا جو تیز سمجھ والا ہے اس نے اس رسم کی صحت کو اندازہ سے معلوم کر لیا ہے پہلی صورت میں حَذِرًا ذال اور اس کے کسرہ سے ہے جو سَمِعَ سے ہے اور حَذَرٌ پرہیز کرنا سے بنا ہے اور دوسری تقدیر پر حَزَرَ زا اور اس کے فتحہ سے ہے جو حَزْرًا اور مَحْزَرَةً سے ہے جو کسی شے کا اندازہ کرنے اور اس کو معلوم کر لینے کے معنی میں ہے)

فائدہ: بعض نسخوں میں ترتیب بدلی ہوئی ہے یعنی تیرھویں باب کو پندرھویں کی اور چودھویں کو تیرھویں کی اور پندرھویں کو چودھویں کی جگہ لائے ہیں حاصل یہ کہ ان میں اَنْ لَّا اور اِنْ مَّا کے بعد اَمْ مَّنْ کا پھر عَنْ مَّنْ اور اَلَّنْ کا پھر مِنْ مَّا اور مِنْ مَّالِ اور مِمَّنْ اور مِمَّ کا بیان ہے۔

بَابُ قَطْعِ عَنْ مَّا وَوَصْلِ فَاِلَّمْ وَاَمَّا

سولھواں باب عَنْ مَّا (اور اَنْ لَّمْ) کے مقطوع اور فَاِلَّمْ اور اَمَّا کے موصول ہونے کے بیان میں

(اس میں دو شعر ہیں)

شرح: عَنْ مَا صرف ایک جگہ اعراف (ع ۲۱) میں مقطوع نون سے ہے اور باقی سب جگہ موصول بلا نون ہے اور مثالیں بقرہ ع ۹ و ع ۱۰ و ع ۱۶ وغیرہ میں ہیں اور اَنْ لَّمْ ہمزہ کے فتحہ سے ہر جگہ مقطوع ہے اور اِلَّمْ ہمزہ کے کسرہ والا صرف ہود ع ۲ میں مقطوع نون سے ہے اور باقی سب جگہ موصول اِلَّمْ ہے نون کے بغیر اور اَمَّا ہر جگہ موصول ایک میم سے ہے اور مثالیں انعام ع ۱۷ و نمل ع ۵ و ع ۷ وغیرہ میں ہیں۔

245\1 بِالْقَطْعِ عَنْ مَّا نُهُوا عَنْهُ وَبَعْدَ فَاِنْ ۔۔۔ لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكُمْ فَصِلْ وَكُنْ حَذِرًا

ترجمہ: عَنْ مَّا نُهُوا عَنْهُ (اعراف ع ۲۱ ہی میں عَنْ مَّا) قطع کے ساتھ (عَنْ مَّا) ہے (اور باقی سب جگہ عَمَّا موصول ہے نون کے بغیر اور عَمَّ جس کے میم کے بعد الف نہ ہو وہ بھی ہر جگہ موصول ہے جیسے عَمَّ يَتَسَآءَلُونَ) اور (اس عَنْ مَّا نُهُوا اعراف کے) بعد (ہود ع ۲ ہی میں) فَاِلَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكُمْ کو موصول کر دے (یعنی ہمزہ کے بعد نون نہ لکھ اور باقی سب جگہ اِنْ لَّمْ ہے نون سے ہے اور مثالیں بقرہ ع ۳ و ع ۳۸ و قصص

ع ۵ وغیرہ میں ہیں) اور تو (اس فَاِلَّمْ کو مقطوع لکھنے سے) پرہیز کرنے والا ہو (یا مقنع وغیرہ سے مقصد کے سمجھنے میں غلطی سے بچنے والا رہ)

246\2 وَاقْطَعْ سِوَاهُ وَمَا الْمَفْتُوحُ هَمْزَتُهُ ‏ فَاقْطَعْ وَاَمَّا فَصِلْ بِالْفَتْحِ قَدْ نَبَرَا

ترجمہ : اور اس (فَاِلَّمْ ہود ع ۲) کے سوا (باقی موقعوں میں اِنْ لَّمْ) کو مقطوع کر دے اور وہ (اَنْ لَّمْ) جس کا ہمزہ زبر دیا گیا ہو (اس کو ہر جگہ) مقطوع کر دے (اور اَنْ لَّمْ دو ہی جگہ آیا ہے یعنی انعام ع ۱۶ میں اور بلد میں اور دونوں جگہ مقطوع ہے ہمزہ کے بعد نون سے) اور (اس) اَمَّا کو جو (ہمزہ کے) فتحہ کے ساتھ ہے (ہر جگہ) موصول کر دے (اور ایک میم سے لکھ) یہ (اَمَّا وصل ہی کے ساتھ مرتبہ میں) بلند کر دیا گیا ہے۔

بَابُ قَطْعِ فِيْ مَا وَاِنَّ مَا

سترہواں باب فِیْ مَا اور اِنَّ مَا کے مقطوع ہونے کے بیان میں

(اس میں تین شعر ہیں)

شرح : فِیْ مَا شعراء ع ۸ میں بالاتفاق مقطوع ہے اور دس جگہ جو ابھی آئیں گی مقطوع بھی ہے اور موصول بھی اور مقطوع ہونا قوی ہے اور باقی سب جگہ موصول ہے اور اِنَّ مَا انعام ع ۱۶ میں اجماعاً مقطوع ہے اور اِنَّ مَا عِنْدَ نحل ع ۱۳ میں قطع و وصل دونوں ہیں اور باقی سب جگہ موصول ہے اور مثالیں بقرہ ع ۲ و ذاریات ع ۱ وغیرہ میں ہیں اور فِیْ مَا اور اِنَّ مَا مقطوع کی شکل یہ ہے فِیْ مَا۔ اِنَّ مَا اور موصول اس طرح ہے۔ فِیْمَا۔ اِنَّمَا۔

247\1 فِيْ مَا فَعَلْنَ اقْطَعُوْا الثَّانِيْ لِيَبْلُوَكُمْ ‏ فِيْ مَامَعًا ثُمَّ فِيْ مَا اُوْحِيَ اقْتُفِرَا

ترجمہ : تم دوسرے فِیْ مَا فَعَلْنَ (جو بقرہ ع ۳۱ میں ہے پس ع ۳۰ والا نکل گیا کیونکہ وہ اجماعاً موصول ہے اور) لِیَبْلُوَکُمْ فِیْ مَا کو دونوں جگہ (یعنی مائدہ ع ۷ و انعام ع ۲۰ میں) پھر فِیْ مَا اُوْحِیَ (انعام ع ۱۸ چاروں) کو مقطوع کر دو (ان میں سے ہر ایک میں) یہ (قطع والی رسم) پیروی کی گئی ہے (یعنی نقل کے موافق ہے)

248\2 فِي النُّوْرِ وَالْاَنْبِيَا وَتَحْتَ صَادَ مَعًا ‏ وَفِيْ اِذَا وَقَعَتْ وَالرُّوْمِ وَالشُّعَرَا

ترجمہ : (اور) نور (ع ۲) اور انبیاء (ع ۷) میں اور صٓ کے نیچے (والی زمر میں) دونوں جگہ (یعنی ع ۱ و ع ۵

میں) اور اِذَا وَقَعَتِ (الواقعہ ع ۲) اور روم (ع ۴) اور شعرا (ع ۸) میں (ان ساتوں میں بھی فِیْ مَا کو مقطوع کردو پس کل گیارہ ہو گئے)

249\3 وَفِیْ سِوَی الشُّعَرَا بِالْوَصْلِ بَعْضُهُمُ ۔۔۔ وَاِنَّ مَاتُوعَدُوْنَ الْاَوَّلَ اعْتَمِرَا

ترجمہ: اور ان میں کے بعض نے شعراء (والے) کے سوا (باقی دس) میں وصل سے (بیان کیا ہے یعنی یہ بتایا ہے کہ شعراء والے کے سوا مذکورۂ بالا باقی دس جگہ فِیْ مَا موصول ہے نتیجہ یہ کہ فِیْ مَا کی تین صورتیں ہیں (۱) شعراء والا اجماعاً" مقطوع ہے (۲) مذکورۂ بالا باقی دس بعض میں مقطوع اور بعض میں موصول ہیں اور مقطوع ہونا اولیٰ اور قوی تر ہے اور عمل بھی اسی پر ہے (۳) ان گیارہ کے سوا باقی سب موقعوں میں فِیْمَا اجماعاً" موصول ہے) اور پہلا اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ (بھی جو انعام ع ۱۶ میں ہے قطع ہی کے ساتھ) زیارت کیا گیا ہے (یعنی اہلِ رسم نے اِنَّ مَا کو قرآنوں میں دیکھا تو انعام ع ۱۶ میں مقطوع ہی پایا پس اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ کا تعلق شعر ا کے اِقْطَعُوْا سے ہے نہ کہ شعر ۳ کے بِالْوَصْلِ سے اور باقی سب جگہ اِنَّمَا موصول ہے عام ہے کہ تُوْعَدُوْنَ کے ساتھ ہو جیسا کہ ذاریات اور مرسلات ع ۱ میں ہے یا اس کے بغیر ہو جیسے اِنَّمَا نَحْنُ اور اِنَّمَا اَنَا بقرہ ع ۲ و کہف ع ۱۲ وغیرہ میں ہے)

بَابُ قَطْعِ اَنَّ مَا وَلَبِئْسَ مَا وَبِئْسَ مَا

اٹھارہواں باب اَنَّ مَا اور لَبِئْسَ مَا اور بِئْسَ مَا کے مقطوع ہونے کے بیان میں

(اس میں تین شعر ہیں)

250\1 وَاقْطَعْ مَعًا اَنَّ مَايَدْعُوْنَ عِنْدَهُمُ ۔۔۔ وَالْوَصْلَ اَثْبَتَ فِی الْاَنْفَالِ مُخْتَبَرَا

ترجمہ: اور تو ان (اہل رسم) کے نزدیک اَنَّ مَا یَدْعُوْنَ کو دونوں جگہ (حج ع ۸ و لقمٰن ع ۳ میں) مقطوع کردے اور انفال (ع ۵ والے اَنَّمَا) میں (بہ نسبت قطع کے) وصل ثابت تر (اور قوی تر) ہے حالانکہ (اس میں) یہ (وصل) آزمایا ہوا (اور تحقیق کیا ہوا) ہے۔

251\2 وَاِنَّمَا عِنْدَ حَرْفَ النَّحْلِ جَآءَ كَذَا ۔۔۔ لَبِئْسَ مَا قَطَعُهُ فِیْمَا حَكَی الْكُبَرَا

ترجمہ: اور (وہ) اِنَّمَا عِنْدَ (اللّٰہِ) جو نحل (ع ۳) کا کلمہ ہے وہ (بھی) اسی طرح آیا ہے (یعنی اس میں بھی

قطع اور وصل دونوں ہیں) اور وصل قوی تر ہے (اور) لَبِئْسَ مَا جو ہے (بقرہ ع ۱۲ میں ایک اور مائدہ ع ۹ و ع ۱۱ میں دو دو پانچوں جگہ) اس کا مقطوع (اور مَا سے جدا) ہونا اس (رسم) میں ہے (جس کو) بڑائی (اور فضیلت) والوں نے نقل کیا ہے۔

252\3 قُلْ بِئْسَمَا بِخِلَافٍ ثُمَّ يُوصَلُ مَعَ خَلَفْتُمُونِي وَمِنْ قَبْلِ اشْتَرَوْا نُشُرَا

ترجمہ: (اور) قُلْ بِئْسَمَا خلاف کے ساتھ ہے پھر یہ (بِئْسَمَا) خَلَفْتُمُونِي کے ساتھ (اعراف ع ۱۸ میں) اور اِشْتَرَوْا سے پہلے (بقرہ ع ۱۱ میں ایسے وصل کے ذریعہ) موصول کیا جاتا ہے (جو) پھیلنے والی (مسلسل چلنے والی ہواؤں) کی طرح (ہے یا یہ دونوں آخری لفظ پھیلا دیئے گئے اور مشہور کر دیئے گئے ہیں خلاصہ یہ کہ اَنَّ مَا ہمزہ کے فتحہ سے حج ع ۸ و لقمٰن ع ۳ میں اجماعاً" مقطوع ہے اور انفال ع ۵ میں اور اسی طرح ہمزہ کے کسرہ والے اِنَّمَا نحل ع ۱۳ میں قطع اور وصل دونوں ہیں اور وصل قوی تر ہے پس ان دونوں کی تین تین صورتیں ہیں۔ اِنَّمَا کی تین تو یہ ہیں (۱) انعام ع ۱۶ میں اجماعاً" مقطوع (۲) نحل ع ۱۳ میں قطع و وصل دونوں اور وصل قوی تر (۳) باقی سب موقعوں میں موصول ہے اور اَنَّمَا کی تین یہ ہیں (۱) حج ع ۸ و لقمٰن ع ۳ میں دوسرا اجماعاً" مقطوع ہے (۲) انفال ع ۵ میں قطع و وصل دونوں اور وصل قوی تر ہے (۳) باقی سب موقعوں میں موصول جیسے اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ کہف ع ۱۲ انبیاء ع ۷ و فصلت ع ۱ وغیرہ اور بعض نے وَلَوْ اَنَّمَا (لقمٰن ع ۳ کو بھی جو اس رکوع میں پہلا اَنَّمَا ہے مقطوع بتایا ہے لیکن اس پر اعتماد نہیں ہے اور بِئْسَمَا نو جگہ آیا ہے اور اس کی تین صورتیں ہیں (۱) اجماعاً" مقطوع اور وہ چھ ہیں لَبِئْسَ مَا پانچوں جگہ یعنی بقرہ ع ۱۲ میں ایک اور مائدہ ع ۹ و ع ۱۱ میں دو دو اور فَبِئْسَ مَا آل عمران ع ۱۹ اور ناظمؒ نے اس آخری کو بیان نہیں کیا (۲) اجماعاً" موصول اور وہ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بقرہ ع ۱۱ ہے (۳) وہ جن میں قطع و وصل دونوں ہیں اور وصل قوی تر اور اکثر ہے اور عمل بھی اسی پر ہے اور یہ قُلْ بِئْسَمَا بقرہ ع ۱۱ اور قَالَ بِئْسَمَا اعراف ع ۱۸ ہے اور ناظم نے صرف قُلْ بِئْسَمَا میں خلاف بتایا ہے پس ان کی رائے پر بِئْسَمَا اشْتَرَوْا کی طرح بِئْسَمَا خَلَفْتُمُونِي میں بھی وصل ہی ہے۔

فائدہ: نُشُرًا۔ نَاشِرٌ کی جمع ہے شُرُفٌ شَارِفٌ نُزُلٌ نَازِلٌ کی طرح اور یہ رِيَاحًا محذوف کی صفت ہے اور موصوفین کا مجموعہ مُشَبَّهًا مقدر کا مفعول ہے اور وہ وصلاً" مقدر کی صفت ہے ای وَصْلًا مُشَبَّهًا رِيَاحًا نَاشِرَةً مُتَّصِلَةَ الْهُبُوبِ۔

بَابُ قَطْعِ كُلِّ مَا

انیسواں باب كُلِّ مَا کے مقطوع ہونے میں

(اس میں دو شعر ہیں)

253\1 وَقُلْ وَاٰتَاكُمْ مِنْ كُلِّ مَا قَطَعُوْا   وَالْخُلْفُ فِيْ كُلِّ مَارُدُّوْا فَشَا خَبَرَا

254\2 وَكُلِّ مَا اُلْقِيَ اسْمَعْ كُلَّ مَا دَخَلَتْ   وَكُلِّ مَاجَآءَ عَنْ خُلْفٍ يَلِيْ وَقُرَا

ترجمہ: (۱) اور تو کہہ دے کہ ان (اہل رسم) نے وَاٰتٰكُمْ مِنْ كُلِّ مَا (ابراہیم ع ۵) کو مقطوع لکھا ہے (کیونکہ اس میں مَا موصولہ ہے جو جدا کلمہ ہے اس لیے اس کا جدا ہی رکھنا مناسب ہے) اور كُلَّ مَا رُدُّوْا (نساء ع ۱۲) میں خُلف ہے حالانکہ یہ (خُلف) خبر کے اعتبار سے مشہور ہو گیا ہے (۲) اور كُلَّمَا اُلْقِيَ (ملک ع ۱ اور) كُلَّمَا دَخَلَتْ (اعراف ع ۴) اور كُلَّمَا جَآءَ (مومنون ع ۳ ان تین کی رسم) کو (بھی) سن لے (ان میں سے ہر ایک ایسے) خلاف سے (منقول) ہے جو وقار والوں (مستقل مزاج اور پختہ علم والوں) سے متصل ہوتا ہے (یعنی یہ خُلف شاندار ہے معمولی درجہ کا نہیں کیونکہ ان میں مَا کا علیحدہ کلمہ ہونا قطع کو اور اس کا زائد ہونا وصل کو چاہتا ہے اور ان پانچ کے سوا سب موقعوں میں كُلَّمَا موصول ہے کیونکہ مَا تمام زمانوں کے گھیر لینے اور ہمیشگی کے معنی دینے کے لیے زیادہ کیا گیا ہے پس كُلَّمَا مفرد کلمہ ہے جو استغراق کے معنی میں ہے اس لیے اصل یہ ہے کہ اس کو موصول لکھا جائے تاکہ شروع ہی سے دوسرے معنی کا شبہ دور ہو جائے اور یہ خیال نہ ہو کہ مَا کسی اور معنی میں ہوگا خلاصہ یہ کہ كُلِّ مَا کی تین صورتیں ہیں (۱) ابراہیم ع ۵ میں صرف قطع (۲) نساء ع ۱۲ اعراف ع ۴ اور مومنون ع ۳ اور ملک ع ۱ ان چار میں قطع و وصل دونوں لیکن آخری تین میں وصل اکثر ہے (۳) ان پانچ کے سوا سب موصول اور مثالیں بقرہ ع ۱۱ و ع ۱۲ و مائدہ ع ۱۰ وغیرہ میں ہیں)

بَابُ قَطْعِ حَيْثُ مَا وَوَصْلِ اَيْنَمَا

بیسواں باب حَیْثُ مَا کے مقطوع اور اَیْنَمَا کے موصول ہونے کے بیان میں

(اس میں دو شعر ہیں)

255\1 وَحَيْثُ مَافَاقْطَعُوا فَاَيْنَمَا فَصِلُوَا ۔ وَمِثْلُهُ اَيْنَمَا فِي النَّحْلِ مُشْتَهِرَا

ترجمہ : اور تم حَیْثُ مَا کُنْتُمْ کو مقطوع (مَا سے جدا) لکھو (اور یہ صرف دو جگہ آیا ہے جو بقرہ ع ۱۷ اور ع ۱۸ میں ہے اور فا والے) فَاَیْنَمَا (بقرہ ع ۱۴) کو موصول کر دو (اور اس کے مقام کی تعیین فا سے ہوئی ہے کیونکہ فا سے صرف اسی جگہ آیا ہے) اور (وہ) اَیْنَمَا (بھی) جو نحل (ع ۱۰) میں ہے اسی (فَاَیْنَمَا) کی طرح (موصول) ہے حالانکہ یہ (ان دونوں میں سے ہر ایک وصل ہی سے) مشہور ہونے والا ہے (یا وصل ہی سے مشہور کیا گیا ہے)

256\2 وَالْخُلْفُ فِي سُوْرَةِ الْاَحْزَابِ وَالشُّعَرَآ ۔ وَفِي النِّسَآءِ يَقِلُّ الْوَصْلُ مُعْتَمِرَا

ترجمہ : اور سورۂ احزاب (ع ۸) اور شعرا (ع ۵ کے اَیْنَ مَا) میں خُلف ہے (یعنی دونوں میں قطع و وصل دونوں ہیں اور موسیٰ جار اللہ کے خیال میں ان میں مَا کے استفہامیہ ہونے کی بناء پر قطع موافق تر ہے) اور نساء (ع ۱۱ کے اَیْنَ مَا) میں وصل زیارت کرنے والے کے اعتبار سے قلیل ہے (یعنی اس کو موصول کم لوگوں نے دیکھا ہے یا نساء میں وصل قلیل ہے حالانکہ وہ وصل زیارت کیا ہوا ہے یا آباد ہے۔ پس حَیْثُ مَا دونوں جگہ مقطوع ہے اور اَیْنَمَا بقرہ ع ۱۴ اور نحل ع ۱۰ میں اجماعاً" موصول ہے اور نساء ع ۱۱ اور شعراء ع ۵ اور احزاب ع ۸ ان تین میں قطع و وصل میں دونوں ہیں لیکن قطع قوی تر ہے اور نساء والے میں یہی اکثر ہے اور ان پانچ کے سوا اَیْنَ مَا سب جگہ مقطوع ہے اور مثالیں بقرہ ع ۱۸ اور حدید ع ۱ اور مجادلہ ع ۲ وغیرہ میں ہیں)

بَابَ لِكَيْلَا

اکیسواں باب لِكَيْلَا کے موصول ہونے میں

(اس میں ایک شعر ہے)

257\1 فِیَ اٰلِ عِمْرٰنَ وَالْاَحْزَابِ ثَانِیْهَا وَالْحَجِّ وَصْلًا لِكَيْلَا وَالْحَدِيْدِ جَرٰى

ترجمہ : لِكَيْلَا آل عمران (ع ۱۶) اور حج (ع ۱) اور حدید (ع ۳) میں اور احزاب (ع ۶) میں حالانکہ یہ اس (سورۃ) کا دوسرا (لِكَيْلَا) ہے (چاروں موقعوں میں) موصول ہو کر جاری ہوا ہے (یعنی لَا سے متصل لکھا ہوا ہے اور احزاب میں دوسرے کی قید سے پہلا لِكَيْ لَا نکل گیا جو ع ۵ میں ہے کیونکہ یہ اجماعاً" مقطوع ہے اور بعض کے قول پر آل عمران اور حج والا بھی مقطوع ہے اور ان چار کے سوا سب جگہ كَيْ لَا مقطوع ہے جو احزاب ع ۵ و حشر ع ۱ وغیرہ میں ہے)

بَابَ قَطْعِ يَوْمَ هُمْ وَوَصْلِ وَيْكَأَنَّ

بائیسواں باب يَوْمَ هُمْ کے مقطوع اور وَيْكَأَنَّ کے موصول ہونے کے بیان میں

(اس میں ایک شعر ہے)

شرح : اس میں شک نہیں کہ يَوْمَ هُمْ میں جن موقعوں میں هُمْ مبتدا ہونے کے سبب مرفوع ہے ان سب میں هُمْ يَوْمَ سے مقطوع ہے جو صرف مومن ع ۲ اور ذاریات ع ۱ میں ہے اور جن موقعوں میں هُمْ مضاف الیہ ہونے کے سبب مجرور ہے جو زخرف ع ۷ ذاریات ع ۳ اور طور و معارج ع ۲ میں ہے ان میں يَوْمَ سے موصول ہے اور گو بالکل واضح ہونے کے سبب اس کے بتانے کی حاجت نہ تھی لیکن ناظمؒ نے شفقت کے طور پر اس کو بھی بیان فرما دیا۔

258\1 فِی الطَّوْلِ وَالذّٰرِيٰتِ الْقَطْعَ يَوْمَ هُمْ وَوَيْكَأَنَّ مَعًا وَصْلَ كَسَا جَبْرًا

ترجمہ : طول (مومن ع ۲) اور ذاریات (ع ۱) میں يَوْمَ هُمْ کو مقطوع لکھنا (ثابت ہے) اور وَيْكَأَنَّ (قصص ع ۸ میں) دونوں جگہ (ایسے) وصل والا ہے جس نے (اپنے ناقلین کو) یمنی چادریں پہنا دی ہیں (اور ان کو خوبصورت بنا دیا ہے یہ کنایہ ہے اس سے کہ ان کا موصول ہونا صحیح اور صادق ہے اسی لیے اس نے ناقلین کو

تعریف کے لائق بنا دیا ہے یا ان میں وصل جو ہے ناقلین نے اس کو دلائل کا لباس پہنا دیا ہے پس حبر سے مراد دلائل ہیں خلاصہ یہ کہ مومن ع ۲ و ذاریات ع ۱ ان دو موقعوں میں یَوْمَ ھُمْ سے جدا لکھا ہوا ہے کیونکہ ان میں یَوْمَ صرف ھُمْ کی طرف مضاف نہیں بلکہ پورے جملہ کی طرف ہے اور باقی موقعوں میں یَوْمَ صرف ھُمْ مفرد کی طرف مضاف ہے اس لیے ان میں متصل ہے اور وَیْکَاَنَّ میں تین اور وَیْکَاَنَّهٗ میں چار کلمہ ہیں اور رسم میں سب ایک دوسرے سے متصل ہیں)

بَابُ قَطْعِ مَالِ

تیئیسواں باب مَالِ کے مقطوع ہونے کے بیان میں

(اس میں ایک شعر ہے)

شرح: مَالِ چار موقعوں میں مقطوع ہے جو شعر میں آرہے ہیں ان چاروں میں مَا تعجبیہ ہے اور لام جارہ ہے جو بعد والے اسم اشارہ اور موصول پر داخل ہے۔

259\1 وَمَالِ هٰذَا فَقُلْ مَالِ الَّذِيْنَ فَمَا لِ هٰؤُلَآءِ بِقَطْعِ اللَّامِ مُذَكِّرَا

ترجمہ: اور تو کہہ دے کہ مَالِ هٰذَا (کہف ع ۶ و فرقان ع ۱ اور) فَمَالِ الَّذِيْنَ (معارج ع ۲ اور) فَمَالِ هٰؤُلَآءِ (اَلْقَوْمِ نساء ع ۱۱ چاروں) لام کے قطع سے ہیں (یعنی چاروں میں لام جارہ هٰذَا اور هٰؤُلَآءِ اور الَّذِيْنَ سے جدا لکھا ہوا ہے اور باقی سب موقعوں میں لام اپنے مجرور سے متصل ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جو کلمہ ایک حرف والا ہو جیسے واو۔ فا۔ با اور ہمزہ استفہامیہ اور لام جارہ وغیرہ وہ ہر جگہ اپنے مابعد سے ملا کر لکھا جاتا ہے نہ اس کو رسماً جدا کر سکتے ہیں اور نہ تلفظ میں اور ایسے بسیط حرف پر وقف بھی جائز نہیں) حالانکہ تو (ان کی اس رسم کا) یاد کرنے والا (اور اس کا عالم) ہے۔

بَابُ وَصْلِ وَلَاتَ

چوبیسواں باب وَلَاتَ کے موصول ہونے کے بیان میں

(اس میں ایک شعر ہے)

260\1 اَبُوعُبَیْدٍ عَزَا وَلَا تَحِیْنَ اِلَی الْ　　اِمَامِ وَالْکُلُّ فِیْهِ اَعْظَمَ النُّکُرَا

ترجمہ: ابو عبید نے وَلَاتَ حِیْنَ (کے موصول ہونے) کو امام (عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قرآن) کی طرف منسوب کیا ہے (یعنی یہ فرمایا ہے کہ میں نے امام میں تا کو حِیْنَ سے متصل دیکھا ہے نہ کہ لَا سے) اور تمام (اہل رسم) جو ہیں (ابو عبید کے) اس (مذہب کے) بارہ میں (ان میں سے) ہر ایک نے نہایت شدت سے انکار کیا ہے (اور یہ کہا ہے کہ ان کی یہ روایت صحیح نہیں ہے کیونکہ حجازی، عراقی، شامی سب قرآنوں میں تا دراز ہے جو لَا سے ملی ہوئی ہے لیکن حق یہ ہے کہ ابو عبید جیسے عادل امام کی روایت کے انکار کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ اگرچہ مذکورۂ بالا قرآنوں میں تا حِیْنَ سے جدا ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ امام میں بھی اسی طرح ہو اور تا حِیْنَ سے متصل نہ ہو کیونکہ یہ بھی تو ممکن ہے کہ امام میں تو ابو عبید کی روایت کے موافق تا حِیْنَ سے متصل ہو اور دوسرے قرآنوں میں باقی حضرات کی روایت کے موافق حِیْنَ سے جدا اور لَا سے متصل ہو اور یہ بات اپنی جگہ پر ثابت ہے کہ ابو عبید نے امام کی ایک مرتبہ زیارت کی ہے یا یہ ایسے موقع پر تھے کہ جتنی مرتبہ چاہتے اس کو دیکھ سکتے تھے پھر ان کی روایت میں شبہ کرنے کے کیا معنیٰ)

فائدہ: لغت اور رسم کے تمام علماء اور تمام قراء نے ابو عبید کی اس روایت کا شدت سے انکار کیا ہے اس بناء پر کہ کسائی، سیبویہ، فراء، خلیل کا مذہب یہ ہے کہ تا لَا نافیہ پر داخل ہوتی ہے حِیْنَ پر نہیں ہوتی اور ابو عبید کا مذہب اس کے برعکس ہے کہ تا حِیْنَ کا جز ہے نہ کہ لَا نافیہ کا اور ان کے نزدیک تا پر وقف جائز نہیں اس لیے کہ اس پر اجماع ہے کہ کلمہ کے درمیان وقف ناجائز ہے اور تمام قراء اس تا پر وقف جائز بتاتے ہیں کیونکہ یہ تا لائے نافیہ کا جزو ہے جیسا کہ خلیل اور سیبویہ وغیرہ کا مذہب ہے پس تحقیق یہ ہے کہ علماء اور قراء نے ابو عبید کی اس روایت کا انکار نہیں کیا کہ انہوں نے مصحف امام میں تا کو حِیْنَ سے متصل دیکھا ہے بلکہ وہ تو ابو عبید کے اس مذہب کا انکار کرتے ہیں کہ تا حِیْنَ کا جزو ہے لائے نافیہ کا نہیں کیونکہ انہوں نے امام سے جو کچھ بھی نقل کیا ہے اس کا کسی نے بھی انکار نہیں کیا صرف وَلَاتَ حِیْنَ میں یہ کہا ہے کہ تا تمام قرآنوں میں حِیْنَ سے جدا ہے امام سخاوی وسیلہ میں فرماتے ہیں کہ ابو عبید امام ہیں ان کی نقل میں کوئی اعتراض نہیں امام جزری نشر میں فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قرآن میں دیکھا ہے جس کو

امام سے نامزد کرتے ہیں سو اس میں لَا جدا اور تا حِیۡنَ سے متصل تھی اور میں نے اس میں شہادت کے وقت کے خون کے نشانات بھی دیکھے تھے اور میں نے اس میں ابو عبید کی بیان کی ہوئی تمام چیزوں کو تلاش کیا تھا انتہی۔ پس نشر سے بھی ثابت ہو گیا کہ امام میں تَا حِیۡنَ سے متصل ہے اور سخاوی کے قول سے امام ابو عبید کی روایت اور درایت دونوں کے بارہ میں بڑی شان ثابت ہو گئی نیز یہ کہ ان کی تمام روایات صحیح اور مقبول ہیں پس ناظمؒ اور دانیؒ وغیرہ پر تعجب ہے کہ انہوں نے اس کلمہ میں ابو عبید کی روایت کا اس بناء پر انکار کر دیا کہ وہ باقی مصاحف کے خلاف ہے اور محقق جزری رحمہ اللہ پر تو اور بھی زیادہ تعجب ہے کہ انہوں نے باوجود اس کے کہ امام میں خود تا کو حِیۡنَ سے متصل دیکھا ہے لیکن اس پر بھی مقدمہ جزری میں یہ فرما دیا

تَحِیۡنَ فِی الۡاِمَامِ صِلۡ وَ وُهِلَا

کہ تَحِیۡنَ کو امام میں موصول کر دو اور یہ روایت ضعف اور وہم کی طرف منسوب ہے یعنی علماء نے اس روایت کا انکار کیا ہے۔

فائدہ (۱): بعض نسخوں میں یہ شعر اس طرح ہے۔

اَبُوۡ عُبَیۡدٍ وَّلَا تَحِیۡنَ وَاصِلَهٗ الۡ   اِمَام الخ

(۲): اَعۡظَمَ میم کے زبر سے ماضی کا اور پیش سے اسم تفضیل کا صیغہ ہے اور دوسری تقدیر پر اَلنُّکۡرَا تمیز ہے اور اس میں اَلۡ تعریف کے لیے نہیں ہے بلکہ ضرورتاً ہے۔

بَابُ هَآءِ التَّانِیۡثِ الَّتِیۡ کُتِبَتۡ تَآءً

پچیسواں باب تانیث کی اس ھا کے بیان میں جو دراز تا کی شکل میں لکھی ہوئی ہے

(اس میں دو شعر ہیں)

شرح: عربیت کے علماء کی اصطلاح یہ ہے کہ وہ تانیث کی تا کو ہر جگہ ھا کی شکل میں لکھتے ہیں کیونکہ وہ اس میں ابتداء اور وقف دونوں حالتوں کا لحاظ کرتے ہیں اور وقف میں یہ تا اکثر اور غالباً ھا سے بدل جاتی ہے لیکن قرآنوں کے لکھنے والوں نے دونوں حالتوں کا اعتبار کیا ہے اس لیے اکثر کلمات میں وقفی حالت کے اعتبار سے ھا کی اور بعض کلمات میں وصل کے اعتبار سے تا کی شکل میں لکھا ہے یا تا سے لکھنے میں ان حضرات کے لغت کا اعتبار کیا ہے جو اس پر تا ہی سے وقف کرتے ہیں جیسا کہ سیبویہ کی کتاب میں اور شافیہ میں مذکور ہے اور یہاں

تانیث کی ھا سے مراد وہ تا ہے جو اسم کے آخر میں ہو اور اس سے پہلے یا تو حرکت ہو یا الف ہو۔ رہی فعل کی تا اور اسم کی وہ تا جس سے پہلے الف کے سوا کوئی اور حرف ساکن ہو سو یہ دونوں ہر جگہ تا ہی کی شکل میں ہوتی ہیں۔

1\261 وَدُونَكَ الْهَآءَ لِلتَّأْنِيثِ قَدْ رَسَمَتْ   تَآءً لِتَقْضِيَ مِنْ أَنْفَاسِهَا الْوَطَرَا

ترجمہ: اور تو (اس) ھا کو لے لے جو تانیث کے لیے ہے حالانکہ وہ تا کی صورت میں لکھی جاتی ہے تاکہ تو اس (ھا) کے نفیس حالات سے (اپنے) مقصد کو پورا کرلے (یعنی قرآن کے تا والے الفاظ کو نقل کے موافق صحیح اور درست طور پر پڑھ لے کیونکہ تانیث کی جتنی ھائیں دراز تا کی شکل میں ہیں ناظمؒ ان سب کو بیان کر دیں گے اس لیے کہ وہ کم ہیں اور جو باقی رہیں گی وہ سب ھا کی شکل والی گول تائیں ہوں گی پس جب دونوں قسم کی تائیں معلوم ہو جائیں گی تو دراز تا پر تو قراء کے مذہب کے موافق بعض کے لیے تا سے اور بعض کے لیے ھا سے وقف ہوگا اور گول تا پر سب کے لیے ھا ہی سے وقف ہوگا اور اس سے مقصد کا پورا ہو جانا ظاہر ہے۔

فائدہ (۱): اس میں اختلاف ہے کہ تانیث کی تا میں تا اصل ہے یا ھا پس بعض کے قول پر تو افعال و اسماء دونوں میں تا اصل ہے اور بعض کے نزدیک افعال میں تا اصل ہے اور اسموں میں ھا۔ (۲) أَنْفَاسِهَا۔ نَفَسٌ کی جمع ہے جو ہوا کے معنی میں ہے اور یہاں اس سے نشر اور بیان مراد ہے۔

2\262 فَابْدَأْ مَضَافَاتِهَا لِظَاهِرٍ تَرَعًا   وَثَنِّ فِي مُفْرَدَاتٍ سَلْسَلًا خَضِرَا

ترجمہ: پس تو ابتداء میں (یعنی پہلے باب میں تو) اس (تا) کے (اسم) ظاہر کی طرف مضاف کئے ہوئے (اسموں) کو لے لے حالانکہ وہ (مضاف) اسم کلمات کے اعتبار سے بہت سے باغ (یعنی کئی قسموں والے) ہیں (جیسے نِعْمَتْ۔ رَحْمَتْ۔ اِمْرَأَتْ وغیرہ) اور تو دوسری بار (یعنی دوسرے باب میں) مفرد اسموں (کے بارہ) میں (میرے بیان کو) لے لے (اور مفردات سے مراد یہ ہے کہ ان میں سے اکثر مضاف نہیں ہیں گو بعض ہیں بھی) حالانکہ وہ (مفردات) آسان (یا شیریں یا سلسلہ وار) ہیں (نیز) سرسبز (اور خوبصورتی اور رونق والے) ہیں (یعنی ہم تانیث کی دراز تا آت کو دو بابوں میں بیان کریں گے پہلے باب میں تو تا کے وہ اسم لائیں گے جو اسم ظاہر کی طرف مضاف ہیں اور ان کو سب نے واحد کے صیغہ سے پڑھا ہے اور وہ یہ تیرہ ہیں (۱) رَحْمَتَ سات جگہ (۲) نِعْمَتَ گیارہ جگہ (۳) اِمْرَأَتُ سات جگہ (۴) سُنَّتُ پانچ جگہ (۵) فِطْرَتَ (۶) شَجَرَتَ (۷) بَقِيَّتَ ایک ایک (۸) مَعْصِيَتَ دو (۹) قُرَّتُ (۱۰) اِبْنَتَ (۱۱) كَلِمَتُ (۱۲) جَنَّتُ ایک ایک (۱۳) لَعْنَتُ دو جگہ اور یہ سب ایسے ہی ہیں جن میں دونوں باتیں پائی جاتی ہیں اور اگر تا والا اسم ضمیر کی طرف مضاف ہو جیسے نِعْمَتَهُ تو اس کی تا تا ہی کی صورت میں لکھی جاتی ہے اور دوسرے باب میں ان اسموں کو بیان کریں گے جن میں سے اکثر

مفرد ہیں یعنی مضاف نہیں اور بعض مضاف ہیں نیز ان میں سے اکثر ایسے ہیں جن کو بعض نے واحد کے صیغہ سے پڑھا ہے اور بعض نے جمع سے اور وہ چودہ ہیں (۱) اٰیٰتٌ دو (۲) غَیٰبَتِ الْجُبِّ دو (۳) جِمٰلَتٌ (۴) بَیِّنٰتٍ (۵) ثَمَرٰتٍ (۶) اَلْغُرُفٰتِ (۷) اَللّٰتَ ایک ایک جگہ (۸) هَیْهَاتَ دو جگہ (۹) کَلِمٰتِ چار جگہ (۱۰) مَرْضَاتِ ہر جگہ (۱۱) ذَاتِ ہر جگہ (۱۲) یٰاَبَتِ ہر جگہ (۱۳) وَلَاتَ حِیْنَ (۱۴) وَمَنٰوۃَ ایک ایک جگہ چنانچہ ان میں سے اکثر مضاف بھی ہیں اور ان میں واحد و جمع کا اختلاف بھی ہے)

بَابُ الْمُضَافَاتِ اِلَى الْاَسْمَآءِ الظَّاهِرَةِ وَالْمُفْرَدَاتِ

چھبیسواں باب تانیث کی تا کے ان اسموں کے بیان میں جو اسم ظاہر کی طرف مضاف ہیں اور جن کو سب نے واحد ہی کے صیغہ سے پڑھا ہے

(اس میں آٹھ شعر ہیں)

شرح: اَلْمُفْرَدَاتِ اَلْمُضَافَاتِ پر معطوف ہے اور یہاں مفرد جمع کے مقابلہ میں ہے اور تا والے واحد مونث اسموں کی تین قسمیں ہیں (۱) وہ جو مضاف نہ ہوں جیسے رَحْمَةٌ نِعْمَةٌ اٰيَةٌ (۲) وہ جو ضمیر کی طرف مضاف ہوں جیسے نِعْمَتَهٗ رَحْمَتَهٗ (۳) وہ جو اسم ظاہر کی طرف مضاف ہوں جیسے رَحْمَتَ اللّٰهِ بِنِعْمَتِ رَبِّکَ پہلی قسم کے الفاظ میں تا ہر جگہ ھا کی اور دوسری قسم میں ہر جگہ تا کی اور تیسری میں اکثر جگہ ھا کی اور بعض جگہ دراز تا کی شکل میں لکھی جاتی ہے اور اس باب میں تیسری قسم میں سے ان اسموں کو بیان کریں گے جن کی ھا دراز تا کی صورت میں ہے۔

263\1 فِیْ هُوْدَ وَالرُّوْمِ وَالْاَعْرَافِ وَالْبَقَرَهْ	وَمَرْیَمٍ رَحْمَتُ وَزُخْرُفٍ سُبِرَا
264\3 مَعًا وَنِعْمَتُ فِیْ لُقْمٰنَ وَالْبَقَرَهْ	وَالطُّوْرِ وَالنَّحْلِ فِیْ ثَلَاثَةٍ اُخَرَا
265\3 وَفَاطِرٍ مَعْهَا الثَّانِیْ بِمَائِدَةٍ	وَاٰخِرَانِ بِاِبْرٰهِیْمَ اِذْ حُزِرَا
266\4 وَاٰلِ عِمْرَانَ وَامْرَاَتٌ بِهَا وَمَعًا	بِیُوْسُفٍ وَاهْدِ تَحْتَ النَّمْلِ مُؤْتَجِرَا

ترجمہ : (۱) رَحْمَتُ ہود (ع ۷) اور روم (ع ۵) اور اعراف (ع ۷) اور بقرہ (ع ۲۷) اور مریم (علیہا السلام ع ۱) میں اور زخرف (ع ۳) میں دونوں جگہ (ساتوں جگہ دراز تا سے) آزمایا گیا (اور جانا گیا) ہے (یعنی رَحْمَتُ ان سات ہی موقعوں میں دراز تا سے ہے) (۲) اور نِعْمَتُ لقمن (ع ۴) اور بقرہ (ع ۲۹) اور طور (ع ۲) میں اور نحل (یعنی اس کے) آخر والے تین (الفاظ) میں (جو نحل ع ۱۰ و ع ۱۱ و ع ۱۵ میں ہیں اور ع ۱۰ کا دوسرا مراد ہے جو وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ ہے نہ کہ پہلا جو اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ ہے) (۳) اور فاطر (ع ۱) میں (ساتوں جگہ تا سے جانا گیا ہے اور) اس (فاطر کے نِعْمَتَ اللّٰهِ) کے ساتھ (وہ) دوسرا (نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْهَمَّ بھی دراز تا سے ہے) جو مائدہ (ع ۲) میں ہے (پس مائدہ ع ۲ کا پہلا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ نکل گیا) اور (وہ) دو آخر والے (نِعْمَتَ اللّٰهِ بھی دراز تا سے ہیں) جو ابراہیم (ع ۵) میں ہیں (ہم نے ان دونوں کو) اس لیے (بیان کر دیا ہے) کہ یہ دونوں (اسی طرح تا ہی سے) جانے گئے (اور اندازہ کئے گئے) ہیں (۴) اور آل عمران (ع ۱۱) میں (بھی پس نِعْمَتَ ان گیارہ موقعوں میں دراز تا سے ہے) اور اِمْرَأَتُ اس (آل عمران ع ۴) میں اور دونوں جگہ یوسف میں (بھی دراز تا سے ہے جو ع ۴ و ع ۷ میں ہے) اور تو ثواب کا طالب بن کر نمل کے نیچے (قصص ع ۱ والے اِمْرَأَتُ فِرْعَوْنَ کو بھی دراز تا سے لکھنے کی طرف طلباء کو) ہدایت کر (اور موسیٰ جار اللہ کی رائے پر وَاهْدِ کے معنی یہ ہیں کہ تو نمل کے نیچے والے اِمْرَأَتُ کو بھی تا ہی کے ساتھ ہدیہ میں دے دے اس صورت میں اَهْدِ اِفْعَال سے ہوگا لیکن چونکہ اس میں ہمزۂ قطعی کو وصلی قرار دے کر حذف کرنا پڑتا ہے اس لیے احقر کے خیال میں پہلے معنی اولیٰ ہیں جس پر وَاهْدِ ہدایت سے ہے)

فائدہ : موسیٰ جار اللہ کی شرح میں شعر ۲ میں اُخَرَا کے بجائے اَخِرَا لکھا ہوا ہے اور اس کی شرح وَقَعَتْ مُتَأَخِّرَةً سے کی ہے یعنی ان تین میں جو سورۃ کے آخر میں آ رہے ہیں اور غالبًا مقصد یہ ہے کہ یہ ماضی کا صیغہ ہے اور اس قید سے نِعْمَةَ اللّٰهِ نحل ع ۲ اور اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ ع ۱۰ یہ دونوں نکل گئے اور شعر ۳ میں وَاٰخِرَانِ کی قید سے نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ابراہیم ع ۱ نکل گیا۔

267\5 مَعْهَا ثَلَاثٌ لَدَى التَّحْرِيمِ سُنَّتَ فِي الْ ... اَنْفَالِ مَعْ فَاطِرٍ ثَلَاثُهَا اُخَرَا

268\6 وَغَافِرٍ اٰخِرًا وَّ فِطْرَتَ شَجَرَتْ ... لَدَى الدُّخَانِ بَقِيَّتُ مَعْصِيَتْ ذُكِرَا

26\17 مَعًا وَقُرَّتُ عَيْنٍ وَابْنَتُ كَلِمَتُ　　فِيْ وَسَطِ اَعْرَافِهَا وَجَنَّتُ الْبَصَرَا

27\18 لَّذِى اِذَا وَقَعَتُ وَالنُّوْرُ لَعْنَتَ قُلْ　　فِيْهَا وَقُبِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ ابْتَدِرَا

ترجمہ: (۵) اس (قصص کے اِمْرَأَتُ) کے ساتھ (اس کے وہ) تین (کلمات بھی دراز تا سے ہیں) جو تحریم (ع ۲) میں ہیں (پس اِمْرَأَتُ ان سات ہی موقعوں میں دراز تا سے ہے اور اس کی پہچان یہ ہے کہ جن موقعوں میں اِمْرَأَتُ کے بعد اسکے شوہر کا نام بھی آرہا ہے جیسے اِمْرَأَتُ عِمْرٰنَ ان سب میں دراز تا سے ہے اور وہ یہی سات موقع ہیں اور) سُنَّتَ انفال (ع ۵) میں فاطر (یعنی) اس کے آخر والے تینوں (کلمات) سمیت (٦) اور غافر میں (اس کے) آخر میں (ان پانچ میں دراز تا سے ہے جن میں سے ایک انفال ع ۵ میں اور تین فاطر ع ۵ میں اور ایک غافر ع ۹ میں ہے) اور فِطْرَتَ (اللّٰہِ روم ع ۴ اور) شَجَرَتَ (الزَّقُّوْمِ) دخان (ع ۳) میں (پس اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ صٰفّٰت ع ۲ وغیرہ نکل گئے اور) بَقِيَّتُ (اللّٰہِ ہود ع ۸ یہ تینوں کلمات بھی دراز تا سے ہیں اور بَقِيَّتُ کے مقام کی تعیین اس سے ہوئی ہے کہ اس باب میں مضاف اسموں کو بیان کر رہے ہیں اور یہ لفظ اضافت کے ساتھ اسی جگہ آیا ہے پس وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا بقرہ ع ۳۲ اور اُولُوْا بَقِيَّةٍ ہود ع ۱۰ نکل گیا۔ اور وَ) مَعْصِيَتِ (الرَّسُوْلِ بھی) جو (مجادلہ ع ۲ میں) دو جگہ ہے (فن کی کتابوں میں دراز تا ہی سے) بیان کیا گیا ہے (یا مَعْصِيَتُ کے دونوں لفظ جو مَعًا سے سمجھے گئے ہیں دراز تا ہی سے بیان کئے گئے ہیں پس ذِکْرًا کا الف اطلاقیہ بھی ہو سکتا ہے اور تثنیہ کے لیے بھی) (۷) اور قُرَّتُ عَيْنٍ (قصص ع ۱) اور (وَمَرْيَمَ) ابْنَتَ (تحریم ع ۲ اور وہ) كَلِمَتُ (رَبِّکَ) جو اس (کَلِمَتُ) کی (یا ان سورتوں میں کی) اعراف کے درمیان (ع ۱۶) میں ہے اور (دل کی) بینائی والوں کا (وہ) وَجَنَّتُ (نَعِيْمٍ) (۸) جو اِذَا وَقَعَتِ (ع ۳) میں ہے (یہ چاروں بھی دراز تا سے ہیں) اور تو کہہ دے کہ (سورۃ) نور جو ہے اس (کے ع ۱) میں (اَنَّ لَعْنَتَ (اللّٰہِ بھی دراز تا سے) ہے اور (اس نور کے لَعْنَتَ اللّٰہِ سے) پہلے فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ (اللّٰہِ بھی تا ہی سے لکھنے کی طرف) سبقت کیا گیا ہے (یا فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ بھی انہی میں سے ہے تو اس کی طرف جلدی کر اور اس کو دراز تا والے لَعْنَتَ کا پہلا موقع شمار کر اور فَنَجْعَلْ کی قید سے لَعْنَةَ اللّٰہِ آل عمران ع ۹ نکل گیا)

فائدہ (۱): شعر ۵ میں آخَرَا اور شعر ٦ میں اُخِرًا وضاحت کے لیے ہیں نہ کہ احتراز کے لیے کیونکہ سُنَّتَ فاطر میں ان تین ہی موقعوں میں آیا ہے اور غافر میں بھی آخر ہی میں واقع ہوا ہے۔ (۲) کَلِمَتُ کے ساتھ اعراف کی قید سے انعام ع ۱۴ و یونس ع ۴ و ع ۱۰ و غافر ع ۱ والے چاروں نکل گئے ان کو ستائیسویں باب میں بیان کریں گے کیونکہ ان میں توحید اور جمع کا اختلاف بھی ہے (۳) سورتوں کی قید کا فائدہ یہ ہے کہ جو تیرہ

کلمات اس باب میں بیان ہوئے ہیں اگر ان میں سے کوئی مذکورہ بالا سورتوں کے سوا کسی اور سورۃ میں آئے گا تو وہ قیاس کے موافق گول تا سے ہوگا (۴) كَلِمَتُ رَبِّكَ اعراف کی تا عاصم سے معلی وراق کی روایت پر ھا کی صورت میں ہے اور ابن الانباری کے قول پر تا سے ہے پس ناظمؒ نے معلی کی روایت کا اعتبار نہ کرتے ہوئے اس کو ان الفاظ میں شامل کیا ہے جو اجماعاً" تا سے ہیں (۵) چونکہ وَجَنَّتُ نَعِيمٍ سے پہلے اسی جملہ میں مِنَ الْمُقَرَّبِينَ ہے اس لیے اس کی مناسبت سے جَنَّتُ الْبُصَرَا فرمایا جس کے معنی ہیں دل کی بینائی والوں (مقربین) کی جنت کیونکہ حقیقت میں بینا مقربین ہی ہیں اور جس کو انجام نظر نہ آئے وہ یقیناً اندھا ہے (۶) اَبْتَدِرَا میں تین نسخہ ہیں (ا) ماضی مجہول (۲) امر ان دونوں کا مطلب ترجمہ میں درج ہو چکا ہے (۳) ماضی معروف اس تقدیر پر مطلب یہ ہوگا کہ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ بھی دراز تا سے ہے اور اس نے سبقت کی ہے کیونکہ قرآن میں لَعْنَتَ کے دوسرے کلمات سے پہلے دراز تا سے یہی آیا ہے (۷) اس باب کے تیرہ کلمات میں اگر وقف کی ضرورت پیش آئے تو مکی، بصری، کسائی، یعقوب کے لیے ھا سے اور باقی چھ کے لیے تا سے ہوتا ہے۔

بَابُ الْمُفْرَدَاتِ وَالْمُضَافَاتِ الْمُخْتَلَفِ فِي جَمْعِهَا

ستائیسواں باب ان مفرد اور مضاف اسموں کے بیان میں جن کو بعض نے واحد سے اور بعض نے جمع سے پڑھا ہے

(اس میں آٹھ شعر ہیں)

شرح : چونکہ پہلے باب کے تیرہ کے تیرہ اسم مضاف تھے اور اس باب کے اکثر تو مضاف نہیں ہیں اور بعض ہیں اس لیے وہاں مضافات کو پہلے لائے تھے اور یہاں بعد میں لائے ہیں نیز یہاں مفرد سے غیر مضاف مراد ہیں۔ اور جمع مونث کی تا ہر جگہ تا کی شکل میں لکھی جاتی ہے اور اس پر وقف بھی سب تا ہی سے کرتے ہیں اور جن کلمات کے واحد اور جمع سے پڑھنے میں اختلاف ہے ان کی تا بھی اکثر جگہ تا ہی کی شکل میں ہوتی ہے اور ان میں سے بعض میں اختلاف بھی ہے اس کو ناظمؒ اس باب میں بیان کریں گے اور ایسے کلمات میں جمع سے پڑھنے والے سب تا سے وقف کرتے ہیں اور واحد سے پڑھنے والے اگر ابن کثیرؒ، ابو عمرو، کسائی، یعقوب میں سے ہوں تو ھا سے اور باقین میں سے ہوں تو تا سے وقف کرتے ہیں۔

271\1 وَهَاكَ مِنْ مُفْرَدٍ وَمِنْ إِضَافَةِ مَا   فِي جَمْعِهِ اخْتَلَفُوا وَلَيْسَ مُنْكِرَا

ترجمہ : اور تو اس مفرد (غیر مضاف) اور اس مضاف میں (میرے بیان کو) لے لے جس کی جمع (اور توحید)

میں ان (قراء) نے اختلاف کیا ہے اور (میرا) یہ (بیان) پراگندہ (اور متفرق) نہیں ہے (کہ بعض کو تو بیان کر دوں اور بعض کو چھوڑ دوں اور بے ترتیب بھی نہیں ہے بلکہ سبکو نہایت عمدہ ترتیب سے بیان کروں گا)

فائدہ: هَاکَ اسم فعل ہے جو خُذْ کے معنی میں ہے اور اس کا مفعول مقدر ہے ای خُذْ بَیَانِیْ اور مِنْ۔ فِیْ کے اور اضافت (مصدر) مفعول کے معنی میں ہے یہ تقریر تو اس نسخہ کی بناء پر ہے جس میں وَهَاکَ مِنْ مُفْرَدٍ وَمِنْ اِضَافَةِ مَا ہے اور موسیٰ جار اللہ نے اس مصرع کو اس طرح لکھا ہے۔

"وَهَاكَ فِيْ مُفْرَدَاتٍ مِنْ اِضَافَةِ مَا"

اور فرماتے ہیں کہ یہ ہماری روایت ہے اور اس میں من سے پہلے عاطف مقدر ہے اور میں نے قلمی نسخہ میں وَهَاکَ مِنْ مُفْرَدٍ وَمِنْ اِضَافَةِ مَا بھی دیکھا ہے اس صورت میں دونوں جار بھی متحد ہیں اور عطف کا حرف بھی مذکور ہے۔

272\2 فِيْ يُوْسُفٍ اٰيٰتٌ مَّعًا غَيٰبَتِ قُلْ فِي الْعَنْكَبُوْتِ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ اُثِرَا

ترجمہ: تو کہہ دے کہ یوسف (ع ۲) میں اٰیٰتٌ (لِلسَّآئِلِیْنَ اور وہ) غَیٰبَتِ (الْجُبِّ) جو دو جگہ ہے (تینوں دراز تا سے ہیں اور سورۂ) عنکبوت (ع ۵) میں عَلَیْهِ اٰیٰتٌ (بھی دراز تا ہی سے) نقل کیا گیا ہے۔

273\3 جِمٰلَتٌ بَيِّنٰتٍ فَاطِرٍ ثَمَرٰتٌ فِي الْغُرُفٰتِ اللّٰتَ هَيْهَاتَ الْعِذَابَ صِرٰى

ترجمہ: جِمٰلَتٌ (مُرْسَلٰت ع ۱ اور) فاطر (ع ۵) کا (عَلٰی) بَیِّنٰتٍ (اور مِنْ) ثَمَرٰتٍ (فصلت ع ۶ کی رسم بھی دراز تا سے ہے اور) فِی الْغُرُفٰتِ (سبا ع ۵ اور) اَللّٰتَ (نجم ع ۱ اور) هَیْهَاتَ (مومنون ع ۳ میں دو جگہ یہ چاروں بھی دراز تا کے ساتھ) شیریں ہیں (نیز تا والے کلمات کا) بقیہ ہیں (کیونکہ یہ بھی انہی میں سے ہیں یا عمدگی اور صفائی میں ٹھہرے ہوئے پانی کی طرح ہیں کیونکہ ٹھہرنے کے سبب کوڑا کباڑ نیچے بیٹھ جاتا ہے اور پانی بالکل صاف ہو جاتا ہے اور اَللّٰتَ اور هَیْهَاتَ اور ذَاتَ اور مَنٰوةَ چاروں کو اس باب میں اس لیے لائے ہیں کہ تا سے پہلے الف پایا جانے کے سبب ان کی تا تانیث کی تا کے مشابہ ہے اسی لیے مَنٰوةَ میں سب اور باقی تین میں بعض ھا سے وقف کرتے ہیں لیکن ذَاتَ کے الفاظ میں سے صرف نمل ع ۵ والے میں کسائی کے لیے ھا سے وقف ہے)

فائدہ: اَلْعِذَابُ عُذْبَةٌ شیریں کی جمع ہے اور صَرٰی صاد کے زبر سے کسی چیز کے بقیہ کے اور زیر سے دیر کے ٹھہرے ہوئے پانی کے معنی میں ہے۔

274\4 فِيْ غَافِرٍ كَلِمَتُ الْخُلْفُ فِيْهِ وَفِي الثّٰ ثَانِيْ بِيُوْنُسَ هَآءً بِالْعِرَاقِ تُرٰى

ترجمہ: (وہ) کَلِمَتُ (رَبِّکَ) جو غافر (ع ۱) میں ہے اس میں خُلْف ہے (یعنی اکثر میں دراز تا سے ہے

اور بعض میں ھا سے) اور یونس میں (یعنی اس کے) دوسرے (کَلِمَتُ رَبِّکَ) میں (بھی جو ع ۱۰ میں ہے) وہ (تا) عراقی میں ھا (کی صورت میں) دیکھی جاتی ہے۔

275\5 وَالتَّاءُ شَامٍ مَدِينِيٌّ وَاَسْقَطَهُ   نَصِيرُهُمْ وَابْنُ الْاَنْبَارِي فَجُدْ نَظَرًا

ترجمہ: اور (اسی یونس کے دوسرے کَلِمَتَ میں) شامی (اور) مدنی (کی رسم) تا ہے (یعنی عراقی میں ھا سے اور مدنی اور شامی میں تا سے ہے) اور ان (اہل رسم میں) کے نصیر اور ابن الانباری نے اسی (یونس کے دوسرے کَلِمَتَ) کو ساقط کر دیا ہے (چنانچہ دونوں کہتے ہیں کہ کَلِمَتَ تین جگہ تا سے ہے (۱) انعام ع ۱۴ میں (۲) یونس کے پہلے موقع میں جو ع ۴ میں ہے (۳) غافر ع ۱ میں اور دوسرے حضرات نے چار جگہ بتا کر یونس کے دوسرے کَلِمَتَ ع ۱۰ کو بھی ان میں شامل کیا ہے) پس تو (ان روایات میں غور کر کے فیصلہ کر لے اور) نظر کے اعتبار سے عمدہ ہو جا (تاکہ تو بلند پایہ کا محقق کہلائے)

276\6 وَفِيهِمَا التَّاءُ اَوْلٰى ثُمَّ كُلُّهُمُ   بِالتَّاءِ بِيُونُسَ فِي الْاُولٰى ذَكَا عَطِرًا

ترجمہ: اور ان دونوں (غافر کے اور یونس کے دوسرے کَلِمَتَ) میں تا (سے لکھنا) اولیٰ ہے (کیونکہ ان دونوں میں توحید و جمع کا اختلاف بھی ہے اور مدنی اور شامی میں بھی تا ہی سے ہیں اور موسیٰ جار اللہ فرماتے ہیں کہ جب یہ شہادت موجود ہے کہ یہ عراقی قرآنوں میں ھا سے ہیں اور ان میں عراقی قراءۃ بھی واحد کے صیغہ سے ہے تو پھر ان میں تا کے اولیٰ ہونے کی کوئی وجہ نہیں) پھر یونس میں (یعنی اس کے) پہلے (کَلِمَتُ) میں (جو ع ۴ میں ہے) ان میں کے سب نے تا (ہی) سے (لکھا ہے یونس کے پہلے کَلِمَتَ میں) یہ (تا والی رسم) مشہور ہو گئی ہے حالانکہ یہ (رسم نفع پہنچانے میں) عطر کی طرح ہے۔

277\7 وَالتَّا فِي الْاَنْعَامِ عَنْ كُلٍّ وَلَا اَلِفٌ   فِيهِنَّ وَالتَّاءُ فِي مَرْضَاتِ قَدْ حُبِرَا

ترجمہ: اور انعام (ع ۱۴ کے کَلِمَتَ) میں تمام (اہل رسم) سے تا ہے (پس ناظمؒ نے کَلِمَتَ کے پانچ موقع بیان کئے ہیں (۱) انعام ع ۱۴ (۲) اعراف ع ۱۶ (۳) یونس ع ۴ میں اور یہ اس سورۃ کا پہلا کَلِمَتَ ہے یہ تینوں تو اجماعاً تا سے ہیں اور ان میں سے اعراف والے کو ناظمؒ نے شعر ۲۶۹ میں بیان کیا ہے (۴) یونس ع ۱۰ جو اس سورۃ کا دوسرا ہے (۵) غافر ع ۱ یہ دونوں اکثر میں تا سے ہیں اور بعض میں ھا سے اور ناظمؒ کے قول پر اولیٰ یہی ہے کہ ان کو بھی تا ہی سے لکھا جائے) اور ان میں (یعنی هَيْهَاتَ کے سوا اٰيٰتٌ یوسف سے لیکر کَلِمَتَ تک کے تمام الفاظ میں جو نو ہیں جمع والی قراءۃ پر تا سے پہلا) الف (بھی) نہیں ہے (اور چونکہ یہ جمع کثیر الدور ہے۔ اس لیے اس میں سے الف کا حذف قیاسی ہے اور حذف کی دوسری وجہ شمول ہے) اور مَرْضَاتِ میں

(بھی ہر جگہ ھا کے بجائے) تا (ہی) زینت دی گئی (اور لکھی گئی) ہے (اور مناسب یہ تھا کہ مَرْضَاتِ کو چھبیسویں باب میں بیان کرتے کیونکہ یہ سب قراء توں پر واحد ہے لیکن چونکہ دانیؒ نے اس کو بھی ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے جن میں جمع اور توحید کا اختلاف ہے اس لیے ناظمؒ نے بھی انہی کی پیروی کی ہے)

278\8 وَذَاتِ مَعَ يَاَبَتِ وَلَاتَ حِيْنَ وَقُلْ   بِالْهَا مَنٰوةَ نَصِيْرٌ عَنْهُمُ نَصَرَا

ترجمہ: اور ذَاتِ اور يَاَبَتِ (ہر جگہ اور) وَلَاتَ حِيْنَ (ان یہ تینوں بھی اجماعاً" دراز تا سے ہیں اور وَلَاتَ میں ابو عبید کا خلاف اس لیے بیان نہیں کیا کہ شعر ۲۷۰ میں بتا چکے ہیں کہ تمام اہل رسم نے ان کی روایت کا انکار کیا ہے) اور تو کہہ دے کہ وَمَنٰوةَ (نجم ع ا کی تا اجماعاً") ھا کی صورت میں (لکھی ہوئی) ہے نصیر نے بھی ان (اہل رسم) سے (روایت کرتے ہوئے مَنٰوةَ کی اس رسم کی) مدد (اور تائید) کی ہے (یا اس رسم کے بارہ میں ان اہل رسم کی طرف سے نصیر کی مدد کی گئی ہے پس نَصَرَا معروف بھی ہے اور مجہول بھی اور اول اولیٰ ہے اور مَنٰوةَ کو یہاں بیان کرنے کی حاجت تو نہیں تھی لیکن ناظمؒ نے اس میں بھی دانیؒ کی پیروی کی ہے الحمدللہ یہاں تک پہنچ کر قرآنوں کی رسم کا بیان ختم ہو گیا)۔

فائدہ: یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ قرآن کی کتابت اکثر جگہ تو تلفظ کے موافق ہے اور جن موقعوں میں زیادت' حذف' وصل کے ذریعہ کتابت تلفظ کے خلاف ہے ان کو ناظمؒ نے کامل طور پر بیان کر دیا ہے اور یہ بات بھی ثابت ہو چکی ہے کہ یہ مخالفت اکثر جگہ احتمالی ہے تاکہ ایک ہی رسم سے تمام قراء تیں نکل آئیں اور باقی اصطلاحی ہے جس سے کوئی شبہ لازم نہیں آتا اور ان کو اصطلاح مقرر کر لینے کا حق بھی تھا کیونکہ جن حضرات نے قرآن لکھے ہیں انہی نے سب سے پہلے عربی لغت میں کتاب تصنیف کی ہے اور مصاحف کی کتابت سے پہلے عربوں کے پاس کوئی کتاب نہ تھی جس میں دیکھ کر پڑھتے پڑھاتے ہوں یہ ممکن ہے کہ سفید پتھر ہوں یا تختیاں ہوں یا متفرق صحیفے ہوں اور ہمیں ان کے متعلق بھی علم نہیں کہ وہ کس طرح لکھے جاتے تھے اور جب یہ بات ثابت ہو چکی کہ رسم کی دو قسمیں ہیں۔ احتمالی اور اصطلاحی تو یہ بات بھی متعین ہو گئی کہ جو اس پر اعتراض کرتا ہے خود وہی ملامت کے لائق ہے اور ہمارے ذمہ اتنی بات اور باقی ہے کہ اس مسئلہ کی بابت بھی کچھ لکھیں کہ ہمارے زمانہ میں جو قرآن طبع ہوتے ہیں آیا ان میں رسم کی پیروی واجب ہے یہ نہایت عظیم الشان اور بلند مرتبہ کا مسئلہ ہے اور کتاب کے ابتدائی حصہ میں بھی اس کے متعلق کچھ تقریر گذر چکی ہے اور جو بات میری سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ احتمالی رسم میں تو پابندی ضروری ہے اور اصطلاحی میں نہیں اور میری دلی تمنا ہے کہ علماء کی کوئی مجلس اس مسئلہ میں غور کرنے کے لیے منعقد ہو کیونکہ اتنے بڑے درجہ کے مسئلہ کا اس طرح باقی رہ جانا کہ صدیاں گذر جائیں اور اس کے حل کی کوئی صورت نہ سوچی جائے امت مسلمہ کے دامن پر ایک غیر تناک دھبہ ہے (موسیٰ جار اللہ)

خاتمہ

(اس میں بیس شعر ہیں)

279\1 تَمَّتْ عَقِيلَةُ اَتْرَابِ الْقَصَائِدِ فِيْ ۔۔۔ اَسْنَى الْمَقَاصِدِ لِلرَّسْمِ الَّذِيْ بَهَرَا

ترجمہ: عَقِيلَةُ اَتْرَابِ الْقَصَائِدِ فِيْ اَسْنَى الْمَقَاصِدِ پورا ہو گیا (جس کے معنی یہ ہیں کہ جو قصیدہ بلاغت میں ہم مثل ہیں ان میں یہ سب سے عمدہ قصیدہ ہے جو اعلیٰ ترین مقصد میں ہے یعنی قرآن کی) اس رسم (کے بارہ) میں ہے جو (باقی سب رسموں پر) غالب ہو گئی ہے (اور بعض نسخوں میں لِلرَّسْمِ الَّذِيْ کے بجائے لِلنَّظْمِ الَّذِيْ ہے یعنی یہ نام اس نظم کے لیے ہے جو اور سب نظموں پر غالب ہو گئی ہے)

فائدہ: (۱) گو ناظمؒ کے قصیدہ بہت سے ہیں لیکن جو خوبیاں اور کمالات اس نظم میں اپنی خدا داد ذہانت سے رکھے ہیں ان کو پوری طرح وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس نے مقنع کا مطالعہ کیا ہو دانیؒ کے متفرق مضامین کو مرتب اور یکجا کر دینا کوئی معمولی کام نہیں پھر بہت سے مسائل مقنع سے زائد بھی بیان کئے ہیں فَلِلّٰهِ دَرُّهُ (المعانی الجلید) (۲) عَقِيلَةُ الشَّيْءِ شے کے عمدہ ترین حصہ کو کہتے ہیں اور اَتْرَاب۔ تِرْب کی جمع ہے یعنی وہ لڑکیاں جو یکساں عمر کی ہوں اور ایک وقت میں پیدا ہوئی ہوں۔ اَسْنٰى اعلیٰ ترین پس اَتْرَابِ الْقَصَائِدِ سے کنایہ کے طور پر وہ قصیدہ مراد ہیں جو فصاحت اور بلاغت میں ہم پلہ ہوں۔

280\2 تِسْعُوْنَ مَعْ مِائَتَيْنِ مَعْ ثَمَانِيَةٍ ۔۔۔ اَبْيَاتُهَا يَنْتَظِمْنَ الدُّرَّ وَالدِّرَرَا

ترجمہ: اس (قصیدہ) کے اشعار (ایسے) دو سو اٹھانوے ہیں جو موتیوں اور بارش کے قطروں کو پروئے ہوئے ہیں (یعنی اس کے اشعار ہار کے دھاگہ کی طرح ہیں اور اس کے الفاظ خوبی اور رونق میں موتی اور بارش کے قطروں کی طرح ہیں)

281\3 وَمَالَهَا غَيْرُ عَوْنِ اللهِ فَاخِرَةً ۔۔۔ وَحَمْدِهٖ اَبَدًا وَشُكْرِهٖ ذِكَرَا

ترجمہ: اس (قصیدہ) کے لئے حالانکہ یہ (اپنی خوبیوں پر) فخر کرنے والا ہے اللہ کی مدد اور اس کی ہمیشہ رہنے والی تعریف اور اس کے شکر کے سوا جس کی حالت یہ ہے کہ وہ طرح طرح کا شکر ہے اور کوئی بھی چیز نہیں (یعنی اس قصیدہ میں اگر کوئی چیز فخر اور بڑائی کے لائق ہے تو وہ صرف اس وجہ سے ہے کہ اللہ نے اس کی مدد کی ہے اور یہ حق تعالیٰ کی قسم قسم کی تعریفوں اور طرح طرح کے شکر پر مشتمل ہے جس کے سبب ناظم پر حق تعالیٰ کا

فضل اور انعام ہوا اور اس نے اس کو فخر کے قابل بنا دیا فَلَهُ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْرًا) فائدہ: فَاخِرَةً لَهَا کی ھا سے اور ذُكْرًا شکر سے حال ہے اور ذِكْرٌ - ذِكْرًا کی جمع ہے ای حَالَ كَوْنِ الشُّكْرِ اَنْوَاعًا مُّخْتَلِفَةً

282\4 تَرْجُوْ بِاَرْجَاءِ رُحْمَاهُ وَنِعْمَتِهٖ وَنَشْرِ اِفْضَالِهٖ وَجُوْدِهٖ وَزَرَا

ترجمہ: یہ (قصیدہ یعنی اس کا ناظم) اس (حق تعالیٰ) کی رحمت اور اس کے انعام اور اس کے پھیلے ہوئے (بے شمار) احسان اور اس کی سخاوت کی جانبوں (ہی) میں ٹھکانے کی امید رکھتا ہے (چونکہ عارفین کے نزدیک کامل وہ ہے جو اپنے آپ کو سب سے زیادہ ذلیل اور ناقص ترین سمجھے اس بناء پر کہ اس کی نظر حق تعالیٰ کے کمالات پر ہوتی ہے ان کے مقابلہ میں اس کو اپنے اندر عیوب ہی عیوب نظر آتے ہیں اس لئے اس کے پیش نظر فرماتے ہیں کہ مجھ قصور وار اور میرے قصیدہ کو اگر کوئی درجہ قبولیت کا مل سکتا ہے تو حق تعالیٰ کی رحمت اور اس کے انعام اور بے شمار فضل ہی کے باعث مل سکتا ہے ورنہ میں تو سراپا تقصیر ہوں بقول اقبال

نہ اماں ملی نہ اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی میرے جرمہائے سیاہ کو تیرے عفو بندہ نواز میں

فائدہ: رُحْمًا اور رَحْمَتٌ دونوں رَحِمَ کے مصدر ہیں اَرْجَاءَ رَجَا یا رَجَاءٌ کی جمع ہے جو جانب کی معنی میں ہے۔ نَشْرِ اِفْضَالِهٖ میں نَشْر اور اِفْضَال دونوں مصدر ہیں اور نشر مَنْشُوْر کے معنی میں ہے اور اس میں صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہے ای اِفْضَالِهِ الْمَنْشُوْر۔

283\5 مَاشَانَ شَأْنَ مَرًا مِيْهَا مُسَدَّدَةً لِفُقْدَانِ نَاظِمِهَا فِيْ عَصْرِهٖ عَصَرَا

ترجمہ: اس (قصیدہ) کے ناظم کے اپنے (یعنی قصیدہ کی تصنیف کے) زمانہ میں ٹھکانے کو گم کردینے (اور بے ٹھکانہ ہونے) نے اس (قصیدہ) کے تیروں (مقاصد یعنی الفاظ و مسائل) کی بزرگی پر عیب نہیں لگایا حالانکہ وہ (تیر) نشانہ پر پہنچے ہوئے ہیں (یعنی اس کے مضامین بالکل صحیح اور درست ہیں۔ ناظم جب اول اول مصر میں تشریف لائے تو ان کے زبردست عالم ہونے کی بناء پر مصر کے علماء اور قراء ان سے حسد رکھنے لگے اور وہ آپ کے لئے سخت امتحان اور تکالیف کا زمانہ تھا ساتھی اور شاگرد وغیرہ بھی آپ کے ساتھ نہ تھے اسی حالت میں آپ نے یہ قصیدہ تصنیف فرمایا اس شعر میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرکے فرماتے ہیں کہ گو اس کی تصنیف کے وقت میں بے ٹھکانہ بھی تھا اور کوئی مددگار بھی نہ تھا لیکن اس کے باوجود بھی قصیدہ میں کوئی عیب پیدا نہیں ہوا اور غیبی لطف و کرم کی دستگیری سے مسائل اور مطالب بالکل صحیح بیان ہوگئے)

فائدہ: پہلا شَانَ- يَشِيْنُ کی ماضی ہے جو عاب کے معنی میں ہے اور دوسرا شَانَ اصل میں شَأْنَ تھا ہمزہ الف سے بدل گیا اور یہ بزرگی اور عمدہ حالت کے معنی میں ہے مَرَامِيْ- مِرْمَاة کی جمع ہے جو تیر کے معنی میں ہے اور اس سے قصیدہ کے مقاصد اور مسائل مراد ہیں۔ مُسَدَّدَةً- مَرَامِيْ سے حال ہے تَسْدِيْد کے معنی

ہیں تیر کا نشانہ پر پہونچ جانا اور یہاں اس سے مسائل کا درست بیان ہو جانا مراد ہے فُقْدَان میں فا کا زیر اور پیش دونوں ہیں اور یہ ضَرَبَ سے ہے عَصْرِہٖ کی ضمیر ناظمؒ کے لیے ہے اور اس سے مراد تصنیف کا زمانہ ہے عَصَرًا مرجع اور ٹھکانے کے معنی میں ہے اور یہ اس فُقْدَان کا مفعول ہے جو شَانَ کا فاعل ہے۔

284\6 غَرِيْبَةٌ مَّالَهَا مِرْاٰةٌ مُّنَبِّهَةٌ　　فَلَا يَلُمْ نَاظِرٌ مِّنْ بَدْرِهَا سَرَرًا

ترجمہ: (یہ قصیدہ) اجنبی (اور مسافر) ہے۔ اس کے لیے (عیوب سے) خبردار کرنے والا آئینہ نہیں ہے (یعنی کوئی مصلح نہیں جو اس کے مضامین کو درست کر دے جب اس کی حالت یہ ہے) تو اس (قصیدہ) کے کامل چاند (مضمون) میں جھائیں (اور سیاہی یا گھٹاؤ) دیکھنے والا (اس پر) ملامت نہ کرے (کیونکہ ناظمؒ نے اپنا عذر بیان کر دیا ہے)

شرح: جس عورت کے رشتہ دار ہوتے ہیں اس کو تو بناؤ سنگار کرنے کے لیے آئینہ دیکھنے کی ضرورت نہیں ہوا کرتی کیونکہ وہ رشتہ دار خود اس کی مانگ پٹی کر کے درست کر دیا کرتے ہیں اور جس کا کوئی نہیں ہوتا وہ اپنا کام آئینہ کے ذریعہ چلایا کرتی ہے اس لیے عرب کے کلام میں یہ ایک مثل بن گئی کہ جس کا کوئی مددگار نہیں ہوتا اس کو کہتے ہیں مَالَهَا مِرْاٰةٌ مُّنَبِّهَةٌ سَرَرٌ اس جھائیں اور سیاہی کو کہتے ہیں جو چہرہ پر پڑ جاتی ہے اسی طرح چاند میں بھی ایک داغ سا ہوتا ہے نیز مہینہ کی آخری تاریخوں میں چاند کے گھٹاؤ اور چھپ جانے کو بھی سَرَرٌ کہتے ہیں اور مقصد دونوں صورتوں میں یہی ہے کہ اگر اس قصیدہ میں کچھ خرابیاں نظر آئیں تو اس پر اعتراض نہ کریں بلکہ ان کو درست کر دیں کیونکہ عیب سے تو کوئی بھی خالی نہیں ہے دیکھو چاند جیسی روشن چیز میں بھی داغ اور گھٹاؤ پایا جاتا ہے یہ اس لیے فرمایا کہ ناظم علام خود نابینا تھے اور کوئی ایسا ساتھی بھی نہ تھا جو کتابوں کا مطالعہ کراتا اور جو آپ لکھواتے اسے لکھتا رہتا پس قصیدہ کی نظم میں آپ نے صرف انہی مضامین اور مقنع کے مسائل پر اعتماد کیا ہے جو آپ کے حافظہ میں تھے۔

285\7 فَقِيْرَةٌ حِيْنَ لَمْ تُغْنِيْ مُطَالَعَةٌ　　اِلٰى طَلَائِعَ لِلْاِغْضَاءِ مُعْتَذِرًا

ترجمہ: (یہ قصیدہ) چشم پوشی کے لشکروں کی طرف محتاج ہے جبکہ وہ (قصیدہ فن کی کتب کے) مطالعہ کے ذریعہ بے نیاز نہیں کیا گیا ہے حالانکہ وہ (چشم پوشی) عذر کے قبول کرنے والی ہو (یعنی چونکہ اس وقت مسافر اور بے وطن ہونے کے سبب ناظمؒ کے پاس کتابیں نہیں تھیں تاکہ ان کا مطالعہ کر کے اس کی غلطیوں کی اصلاح کر دیتے اس لیے اب یہ ایسے حضرات کا محتاج ہے جو اس کو غور سے دیکھیں اور ناظمؒ کو معذور جان کر چشم پوشی کے ساتھ اس کے عیوب کو درست کر دیں)

فائدہ (۱): فَقِيْرَةٌ هِيَ مقدر کی خبر ہے اور حِيْنَ اسی کا ظرف ہے اور اِلٰى اسی کے متعلق ہے (۲)

لَمْ تُغْنِيْ میں الف کا اثبات ضرورت کے سبب اس لغت کی بناء پر ہے جس پر معتل لام میں بھی جزم تقدیری آتا ہے (۳) مَطَالَعَةً کا نصب جار مقدر کی بناء پر ہے ای بِمُطَالَعَةِ الْكُتُبِ (۴) طَلَائِعَ طَلِيْعَةٌ (لشکر) کی جمع ہے اور لام اَلْكَائِنَةِ کے متعلق ہو کر طَلَائِعَ کی صفت ہے (۵) مُعْتَذِرًا۔ اِغْضَاء سے حال ہے جو صفت بحال متعلقہ کے طور پر ہے کیونکہ اِغْضَاء والے حضرات عذر قبول کرتے ہیں نہ کہ خود اغضاء۔

286\8 كَالْوَصْلِ بَيْنَ صِلَاتِ الْمُحْسِنِيْنَ بِهَا ظَنًّا وَكَالْهَجْرِ بَيْنَ الْمُهْجِرِيْنَ سُرٰى

ترجمہ: (یہ قصیدہ) ان (لوگوں) کے احسانات کے درمیان تو (محبوب کے) وصل (عمدہ کلام) کی طرح ہے جو اس سے حسن ظن (اچھا گمان) رکھنے والے ہیں اور ان (لوگوں) کے درمیان جدائی (بیہودہ کلام) کی طرح ہے جو جاری ہونے کے اعتبار سے (یعنی گفتگو میں) فضول گوئی کرنے والے ہیں (یعنی جو حضرات ناظمؒ اور قصیدہ اور قرآن سے محبت رکھتے ہیں اور ان کی عادت یہ ہے کہ ہر چیز کے متعلق گمان اچھا ہی رکھتے ہیں وہ تو اس کو محبوب کے وصل کی طرح مرغوب اور پسندیدہ سمجھیں گے اور جن کی عادت یہ ہے کہ ہر مضمون کو فضول بکواس تصور کرتے ہیں ان کو یہ قصیدہ محبوب کی جدائی کی طرح تکلیف دہ اور ناگوار نظر آئے گا مطلب یہ ہے کہ اس کو اچھے گمان سے اور قدر کی نظر سے دیکھو بے قدری اور بد گمانی کی راہ سے مطالعہ نہ کرو)

فائدہ: (۱) كَالْوَصْلِ کی تقدیر هِيَ كَالْوَصْلِ ہے (۲) صِلَاتٌ۔ صِلَةٌ کی جمع ہے جو عطیہ اور احسان کے معنی میں ہے (۳) بِهَا۔ الْمُحْسِنِيْنَ کے متعلق ہے اور ظَنًّا اسی کا مفعول ہے (۴) هَجْر ھا کے زبر سے جدائی کے اور پیش سے بیہودہ کلام کے معنی میں ہے اور چونکہ یہاں یہ وصل کے مقابلہ میں ہے اس لیے زبر سے پڑھنا اولیٰ ہے (۵) اَلْمُهْجِرِيْنَ هُجْر سے ہے یعنی بیہودہ اور فضول گوئی کرنے والے (۶) سُرٰی۔ سَرَا۔ يَسْرِيْ کا مقدر ہے اور یہاں یہ تمیز ہے۔

287\9 مَنْ عَابَ عَيْبًا لَّهُ عُذْرٌ فَلَا وَزَرًا يُنْجِيْهِ مِنْ غَرَمَاتِ اللَّوْمِ مُتَّئِرًا

ترجمہ: جس نے اس (شخص) پر اعتراض کیا جس کے لیے (کوئی) عذر (اور مجبوری) ہو تو کوئی (ایسا) ٹھکانہ (اور مددگار) نہیں ہے جو اس (اعتراض کرنے والے) کو ملامت کی تکلیفوں (یا ملامت کے ضروری کر دینے والی چیزوں) سے بچالے حالانکہ وہ (مددگار ان ملامت کرنے والوں سے اس معترض کا) بدلہ لینے والا ہو (یعنی جس سے کسی عذر کے سبب کوئی لغزش ہو جائے اور وہ اپنا عذر بھی ظاہر کر دے تو اس صورت میں وہ ملامت کے لائق نہیں رہتا اگر اس پر بھی کوئی اس کو برا بھلا کہے تو اس سے وہ کہنے والا ہی خطا وار سمجھا جاتا ہے اور کوئی اس کی مدد نہیں کرتا بلکہ انصاف والے حضرات اس سے یہی کہتے ہیں کہ تمہیں شرم نہیں آتی کہ معذور آدمی پر ملامت کرتے ہو اور ناظمؒ اپنا عذر اوپر بیان کر چکے ہیں)

فائدہ (۱) لَهٗ عُذْرٌ کی تقدیر عَلٰی مَنْ لَهٗ عُذْرٌ ہے صلہ کی دلالت کی بناء پر موصول کو حذف کر دیا۔ (۲) فَلَا وَزَرَا بعض نسخوں میں را کے بعد الف سے ہے اس صورت میں لَا نفی جنس کا ہوگا اور یُنْجِیْ اس کی صفت ہوگا اور بعض نسخوں میں وَزَرٌ ہے تنوین اور رفع سے اس صورت میں لَا لَیْسَ کے معنی میں ہے لَا کی خبر مقدر ہے ای فَلَا وَزَرٌ لَهٗ (۳) عَزَمَات۔ عُزَامَۃٌ (مشقت) کی جمع ہے اور بعض نسخوں میں عَزَمَات ہے اس صورت میں عَزْمَۃٌ (حق اور واجب) کی جمع ہے یعنی ملامت کے ضروری کرنے والی چیزوں سے بچانے والا کوئی نہیں (۴) مُتَّئِرًا یُنْجِیْ کے فاعل سے حال ہے یہ اصل میں مُثْتَئِرًا تھا ثا کا تا میں ادغام کر دیا اور یہ ثَاْرٌ سے بنا ہے جو خون کا بدلہ لینے کے معنی میں ہے۔

288\10 وَاِنَّمَا هِیَ اَعْمَالٌ بِنِیَّتِهَا   خُذْ مَا صَفَا وَاحْتَمِلْ بِالْعَفْوِ مَا كَدِرَا

ترجمہ: اور یہ (قصیدہ تو) صرف (ایسے) اعمال ہیں جو (ثواب ملنے کے اعتبار سے) اپنی نیت کے موافق ہیں (جیسا کہ حدیث میں ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ کہ عملوں کا مدار نیتوں پر ہے جیسی نیت ہوتی ہے ویسا ہی اجر ملتا ہے اور میں نے اس کو اسی نیت سے لکھا ہے کہ حق تعالیٰ اس سے شائقین کو نفع دے اور مجھ سے خوش بھی ہو جائیں پس جب میری نیت یہ ہے تو انشاء اللہ میرے یہ دونوں مقصد ضرور پورے ہوں گے پس تو اس پر اعتراض نہ کر بلکہ اس کا) جو (مضمون) صاف (اور خالص یعنی صحیح) ہو اس کو تو لے لے اور جو (مضمون) گدلا (پراگندہ اور غلط) ہو اس کو معافی (کی عادت) کے باعث برداشت کر لے۔

فائدہ: (۱) وَاحْتَمِلْ ای وَاصْفَحْ (۲) كَدِرَا کی دال میں لغۃ تینوں حرکتیں ہیں۔

289\11 اِنْ لَّا تُقَذِّیْ فَلَا تُقْذِیْ مَشَارِبَهَا   لَا تَنْزُرَنَّ نَزُوْرًا اَوْتَرٰی غُزُرَا

ترجمہ: اگر تو (اس کے پانی کے گھاٹوں یعنی مضامین سے) تنکا نہیں نکالتا تو اس کے گھاٹوں (مضامین) میں تنکا ڈال بھی مت (یعنی اگر اصلاح نہیں کر سکتا تو اس پر اعتراض تو نہ کر) تو کم دودھ والے جانور کو حقیر نہ سمجھ یہاں تک کہ تو زیادہ دودھ والے جانوروں کو دیکھ لے (اور پالے یعنی جب تک ضرورت پوری کرنے کے لیے عمدہ چیز نہ ملے اس وقت تک گھٹیا ہی چیز کو غنیمت جان کر اس سے حاجت پوری کرنی چاہیے چنانچہ عقلمند ایسا ہی کرتے ہیں اور یہ تو بے عقلی کی بات ہے کہ عمدہ چیز تو میسر نہ آئے اور گھٹیا چیز سے کام نہ لے اس پر تو وہی مثل صادق آئے گی کہ کھائیں گے گھی سے ورنہ جائیں گے جی سے یعنی اگر نفع نہیں پہنچا سکتا تو کم از کم تکلیف تو نہ دے۔ مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں اس شعر کے دونوں مصرعے دو بلیغ تمثیلوں پر مشتمل ہیں)

فائدہ: لَا تُقَذِّیْ۔ تَقْذِیَۃٌ سے ہے جو قَذٰی تنکا نکالنے کے معنی میں ہے اور یہاں تفعیل سلب ماخذ کے لیے ہے اور لَا تُقْذِیْ۔ اِقْذَاءٌ سے ہے جو تنکا ڈالنے کے معنی میں ہے اور مَشَارِب کی مفعولیت میں دونوں

فعلوں کا تنازع ہے اور یہ مَشْرَبٌ کی جمع ہے جو گھاٹ کے معنی میں ہے لَا تَنْزُرَنَّ۔ نَصَرَ سے ہے اور یہ نَزْرٌ حقیر جاننے سے بنا ہے۔ نَزُوْرًا کَرُمَ سے ہے جو کم دودھ والے جانور کے معنی میں ہے اور اَوْ۔ اِلیٰ۔ اَنْ کے معنی میں ہے غُزُرًا۔ غَزُوْرٌ (بہت دودھ والے) کی جمع ہے اور یہ بھی کَرُمَ سے ہے۔

290\12 وَاللّٰہُ اَکْرَمُ مَاْمُوْلٍ وَّمُعْتَمَدٍ وَمُسْتَغَاثٌ بِہٖ فِیْ کُلِّ مَاحُذِرَا

ترجمہ: اور اللہ ان سب سے بہتر ہے جو امید اور اعتماد کے لائق ہیں (یعنی اسی سے امید رکھنا اور اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے) اور اسی سے ان تمام چیزوں میں فریاد چاہی جاتی ہے جو دہشت (اور خوف) والی ہیں۔

فائدہ: مُسْتَغَاثٌ ھُوَ مقدر کی خبر ہے اور بِہٖ اس کا نائب فاعل ہے اور فِیْ اسی کے متعلق ہے اور بعض نسخوں میں وَمُسْتَغَاثٍ ہے جر سے اور اس تقدیر پر معنی یہ ہوں گے اور اللہ ان سب سے بہتر ہیں جو امید اور اعتماد کے اور دہشت اور خوف کی تمام چیزوں میں فریاد چاہنے کے لائق ہیں۔

291\13 یَا مَلْجَاَ الْفُقَرَآ وَالْاَغْنِیَآءِ وَمَنْ اَلْطَافُہٗ تَکْشِفُ الْاَسْوَاءَ وَالضَّرَرَا

ترجمہ: اے (وہ ذات) جو محتاجوں اور دولت مندوں (دونوں طرح کے لوگوں) کا ٹھکانہ ہے اور (اے) وہ (ذات) جس کی مہربانیاں تکلیفوں اور نقصان کو دور کر دیتی ہیں۔

فائدہ: اَسْوَاءٌ سُوْءٌ کی جمع ہے۔

292\14 اَنْتَ الْکَرِیْمُ وَغَفَّارُ الذُّنُوْبِ وَمَنْ یَرْجُوْ سِوَاکَ فَقَدْ اَوْدٰی وَقَدْ خَسِرَا

ترجمہ: آپ ہی احسان (اور کرم) کرنے والے اور گناہوں کے بہت بخشنے والے ہیں اور جو آپ کے سوا (کسی اور) سے امید رکھے وہ ہلاک ہو جاتا ہے اور ٹوٹے والا بن جاتا ہے۔

فائدہ: اَوْدٰی ای ھَلَکَ

293\15 ھَبْ لِیْ بِجُوْدِکَ مَایُرْضِیْکَ مُتَّبِعًا وَمِنْکَ مُبْتَغِیًا وَّفِیْکَ مُصْطَبِرَا

ترجمہ: اپنی بخشش کا صدقہ مجھے وہ (چیز) عطا فرمایئے جو آپ کو (مجھ سے) خوش کر دے حالانکہ میں (آپ کے) حکموں پر چلنے والا اور آپ ہی سے طلب کرنے والا اور آپ (کی رضا) کے بارہ میں صبر کرنے والا ہوں۔

فائدہ: تینوں منصوبات اسم فاعل ہیں اور لِیْ کی یا سے حال ہیں۔

294\16 وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ مَنْشُوْرًا بَشَائِرُہٗ مُبَارَکًا اَوَّلًا وَّدَائِمًا اُخَرَا

ترجمہ: اور سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں حالانکہ اس (تعریف) کی خوشخبریاں پھیلی ہوئی ہیں۔ (یعنی تعریف

کرنے والوں کے انعامات بہت سی آیتوں اور روایتوں میں آئے ہیں نیز) اس حالت میں کہ وہ (تعریف) اول (دنیا) میں بھی برکت والی ہے اور انجاموں (آخرت) میں بھی ہمیشہ رہنے والی ہے (یعنی حق تعالیٰ کی تعریف بجا لانے سے دنیا میں بھی طرح طرح کی برکتیں نصیب ہوتی ہیں اور آخرت میں بھی اس پر سدا سدا اجر ملتے رہیں گے)

فائدہ: بِشَائِرُہٗ۔ بِشَارَۃٌ بکسر با کی جمع ہے اور مَنْشُوْرًا کا فاعل ہے جو ثَابِتٌ کی اس ضمیر سے حال ہے جو حَمْد کے لیے ہے اور مُبَارَکًا اور دَآئِمًا بھی اسی سے حال ہیں اور اَوَّلاً اور اُخَرًا انہی دونوں صیغوں کے مفعول فیہ ہیں اور اُخَرًا اَخِیْرَۃٌ کی جمع ہے۔

295\17 ثُمَّ الصَّلَاۃُ عَلَی الْمُخْتَارِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَلَمِ الْهَادِیْنَ وَالسُّفَرَآ

ترجمہ: پھر پسندیدہ ذات (یعنی) ہمارے سردار محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر رحمت (کاملہ نازل) ہو جو ہدایت کرنے والوں اور رسولوں کے پیشوا ہیں۔

296\18 تَنْدٰی عَبِیْرًا وَّمِسْكًا سُحْبُهَا دِیَمًا تُمْنٰی بِهَا لِلْمُنٰی غَایَاتُهَا شُكُرَا

ترجمہ: اس (درود) کی بدلیاں حالانکہ وہ ہمیشہ آہستگی کے ساتھ برسنے والی ہوں (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ذات پر) عبیر و مشک برساتی رہیں (یعنی آپ پر ہمیشہ طرح طرح کی رحمتیں نازل ہوتی رہیں اور ان کا سلسلہ کسی وقت بھی بند نہ ہو اور) اس (صلوٰۃ) کے ذریعہ امیدوں والوں کے لئے (ان امیدوں کی ابتدائیں ہی نہیں بلکہ) ان کی انتہائیں (تک بھی) پوری کر دی جائیں (یعنی ان کی امیدوں کا کوئی حصہ بھی پورا ہوئے بغیر باقی نہ رہے) حالانکہ وہ (امیدوں والے حق تعالیٰ کا) شکر ادا کرنے والے ہوں۔

فائدہ: (۱) تَنْدٰی ناقص یائی ہے اور سَمِعَ سے ہے جو نَدٰی (تری اور بارش) سے بنا ہے (۲) سُحُب۔ سَحَاب کی جمع ہے (۳) دِیَمًا۔ دِیْمَۃٌ کی جمع ہے جو آہستگی کے ساتھ ہمیشہ برسنے والی بارش کے معنی میں ہے اور سُحُب سے حال ہے (۴) تُمْنٰی ای تُقْضٰی اور لِلْمُنٰی کی تقدیر لِذَوِی الْمُنٰی ہے اور مُنٰی۔ مُنْیَۃٌ امید کی جمع ہے اور غَایَاتُهَا۔ تُمْنٰی کا فاعل ہے اور بعض نے اس کو مفعول مطلق قرار دیا ہے جو بظاہر صحیح نہیں اور اس کی هَا مُنٰی کے لیے ہے اور شُكُرًا۔ شَكُوْرٌ کی جمع ہے اور یہ ذَوِی الْمُنٰی سے حال ہے۔

297\19 وَتَنْثَنِیْ فَتَعُمَّ الْاٰلَ وَالشِّیَعَ الْ مُهَاجِرِیْنَ وَمَنْ اٰوٰی وَمَنْ نَصَرَا

ترجمہ: اور وہ (صلوٰۃ یا بدلیاں) لوٹیں (اور آپ کی ذات مقدس سے آگے بڑھیں) اور (بڑھ کر آپ کی) آل اور (آپ کی) پیروی کرنے والوں (یعنی) مہاجرین کو بھی شامل ہو جائے اور ان (حضرات) کو بھی جنہوں نے

(آپ کو مدینہ میں) جگہ دی اور ان کو بھی جنہوں نے (آپ کی) مدد کی (یعنی اس درود کے آثار آپ سے گذر کر آپ کی آل اور مہاجرین اور انصار تک بھی پہنچتے رہیں)

فائدہ: (۱) تَنْثَنِیْ۔ تَنْی سے ہے جو لوٹنے کے معنی میں ہے (۲) اَلشِّیَعَ۔ شِیْعَۃ کی جمع ہے۔

298\20 تُضَاحِكُ الزَّهْرَ مَسْرُوْرًا اَسِرَّتُهَا مُعَرِّفًا عَرْفُهَا الْاٰصَالَ وَالْبُكَرَا

ترجمہ: (نیز) وہ (صلوٰۃ) پھول کی کلی کو ہنسائے (اور کھلائے) حالانکہ اس (صلوٰۃ) کی چتونیں (چہرہ کے وہ خطوط جو ہنسی کے وقت اس پر ظاہر ہوتے ہیں) خوش کی ہوئی (اور رونق دار) ہوں (نیز) اس حال میں کہ اس (صلوٰۃ) کی پاکیزہ ہوا شام اور صبح کے وقتوں میں (یعنی ہمیشہ اور ہر وقت) خوشبو دینے والی ہو (اور ان سب اوصاف کا مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے کنبہ اور متبعین اور مہاجرین اور انصار پر ایسی رحمت نازل ہو جو ہر طرح کامل اور مکمل اور نہایت عمدہ ہو اور لگاتار نازل ہوتی رہے)

فائدہ: (۱) چونکہ تَنْدٰی الخ میں صلوٰۃ کے لیے بدلیوں کا ذکر کیا تھا اس کی مناسبت سے اس شعر میں کلی اور شگوفہ کو بھی لے آئے۔ ناظرین غور فرمائیں کہ تشبیہات اور مجازات استعمال کر کے کلام کو کس قدر خوبصورت اور رونق دار بنا دیتے ہیں اور اس کی مزید خوبیوں پر مطلع ہونے کے لیے شرح شاطبیہ کی تمہید میں قصیدۂ شاطبیہ کے عنوان کا مطالعہ فرمائیں (۲) اَلزَّهْرَ ہر ایک درخت کا شگوفہ اور اس کی صفت میں ضَحِكَ ہنسی بھی مستعمل ہے (۳) مَسْرُوْرًا اور مُعَرِّفًا دونوں صلوٰۃ کی ضمیر یا اَلزَّهْرَ سے حال ہیں (۴) اَسِرَّۃٌ سِرَارٌ کی جمع ہے اور سِرَار اس خط کو کہتے ہیں جو ہنسی کے وقت چہرہ پر ظاہر ہوتا ہے (۵) مُعَرِّفًا ای مُطَیِّبًا (۶) عَرْفٌ ای الرِّیْحُ الطَّیِّبَۃُ (۷) اَسِرَّتُهَا مَسْرُوْرًا کا اور عَرْفُهَا مُعَرِّفًا کا فاعل ہے (۸) اَلْاٰصَالَ۔ اَصِیْل کی جمع ہے جو عصر کے بعد سے مغرب تک کے وقت کے معنی میں ہے (۹) بُكَرًا۔ بُكْرَۃٌ (صبح کے وقت) کی جمع ہے۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِیْرًا وَّالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِیْرًا وَّكَفٰی بِاللّٰهِ بُكْرَۃً وَّاَصِیْلًا وَّالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مُحَمَّدٍ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ وَعَلٰی جَمِیْعِ النَّبِیِّیْنَ۔

ضیاء البرہان کا خلاصہ

یہ فن رسم کی ایک جدید اور نہایت جامع تصنیف ہے جو عجیب و غریب فوائد پر مشتمل ہے اور حضرت مولانا حافظ قاری مقری محب الدین احمد الہ آبادی کے فکر صائب کا نتیجہ ہے اور آپ کی شخصیت سے قرآن کے اکثر و بیشتر خدام بخوبی واقف ہیں۔ آپ فن تصنیف کے میدان کے کامل شہسوار ہیں اور حضرت مولانا شیخ القراء حافظ و قاری ضیاء الدین احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے صاحبزادہ ہیں چونکہ ہر شخص کو اس رسالہ کا میسر آنا مشکل ہے اس لیے فائدہ کے کامل کرنے کی غرض سے اس کا خلاصہ بھی شرح کے آخر میں شامل کیا جاتا ہے اس کے شروع میں مولانا قاری اظہر صاحب صدیقی امروہوی جو فی الحال کرنول صوبہ مدراس کے اسلامیہ عربیہ کالج میں لکچرار ہیں ان کا ایک بصیرت افروز مقدمہ بھی شامل ہے اور آخر میں مولانا قاری ضیاء الدین احمد صاحب کی جامع تقریظ بھی ہے غرض رسالہ ہر اعتبار سے کامل اور مکمل ہے اب اصل مقصد کو شروع کرتا ہوں۔

مقدمہ کا خلاصہ

(ا) خط کے معنی ہیں کلمہ کو اس کے ان حروف ہجا سے لکھنا جو اس پر وقف کرنے اور اس سے ابتداء کرنے کے وقت پائے جاتے ہیں اور رسم الخط کے معنی ہیں قرآنی کلمات کو حذف و زیادت وصل و قطع کی پابندی کے ساتھ اس شکل پر لکھنا جس پر صحابہ کا اجماع ہے اور جو تواتر کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے پس محققین کی رائے پر قرآن کے خط میں تو تبدیلی درست ہے یعنی خط نسخ و عربی کے بجائے خط نستعلیق اردو اور فارسی خط میں بھی لکھ سکتے ہیں گو اولیٰ یہی ہے کہ قرآن کو بلکہ دوسری عربی عبارتوں کو بھی عربی ہی خط میں لکھا جائے کیونکہ بعض علماء کے قول پر تو قرآن کو عربی کے سوا دوسرے خط میں لکھنا بالکل ناجائز ہے چنانچہ اتقان میں ہے کہ زرکشی فرماتے ہیں کہ کیا قرآن کو غیر عربی خط میں لکھنا درست ہے مجھے اس بارہ میں کسی عالم کی کوئی عبارت نہیں ملی لیکن اس کی گنجائش ہے کہ اس کو جائز قرار دیا جائے کیونکہ پڑھنے والے تو اس کو خوبصورت اور درست کر کے عربی ہی میں پڑھیں گے گو قریب تر یہی ہے کہ اس سے منع کیا جائے چنانچہ عربی کے سوا دوسری زبان میں قرآن کا پڑھنا بھی حرام ہے اور اس لیے بھی کہ عرب قلم کی بابت یہ کہتے ہیں کہ وہ دو زبانوں میں سے ایک زبان ہے کیونکہ جس طرح انسان زبان سے مقصود کو ظاہر کرتا ہے اسی طرح قلم کے ذریعہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے اور عرب عربی کے سوا کسی اور خط سے واقف نہیں تھے اور قرآن کے بارہ میں حق تعالیٰ نے بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ فرمایا ہے لیکن رسم الخط میں تبدیلی قطعاً" ناجائز ہے اور خط اور رسم الخط میں فرق کرنے کے لیے ان مثالوں میں غور کیجئے مثلاً اَلْعٰلَمِيْنَ، اَلرَّحْمٰنِ، مٰلِكِ، مُسْلِمٰتٍ، مُؤْمِنٰتٍ، قٰنِتٰتٍ، عٰبِدٰتٍ، اَلصّٰلِحٰتُ،

هٰٓؤُلَآءِ، مِن نَّبَاۡيِ الْمُرْسَلِيْنَ وغیرہ یہ دس کلمات ہیں ان کا موجودہ خط تو رسم عثمانی کے موافق ہے کیونکہ ان میں الف لکھا ہوا نہیں ہے پس ان میں خط اور رسم الخط دونوں ہیں اور اگر ان کو اس طرح لکھیں اَلْعَالَمِیْنَ، اَلرَّحْمَان، مَالِکِ، مُسْلِمَاتٍ، مُؤْمِنَاتٍ، قَانِتَاتٍ، عَابِدَاتٍ، اَلصَّالِحَاتِ، هٰاُلَاءِ، مِنْ نَّبَاءِ الْمُرْسَلِيْنَ تو ان کی یہ کتابت تو تلفظ کے موافق ہے لیکن رسم عثمانی کے بالکل خلاف ہے کیونکہ ان سب میں الف لکھا ہوا ہے پس یہاں خط تو ہے لیکن رسم الخط نہیں اسی طرح اگر ان الفاظ کو خط نسخ (عربی) کے بجائے خط نستعلیق اردو میں لکھیں تب بھی دو صورتیں ہوں گی یعنی حروف میں کمی بیشی نہ ہوگی تو خط کے بدل جانے کے باوجود بھی رسم عثمانی کے موافق کہلائیں گے اور اگر حروف میں کمی بیشی ہو جائے گی تو پھر رسم کے خلاف ہوں گے خط بدلے یا نہ بدلے اور اس سے یہ بھی نکل آیا کہ قرآن کا ہندی کے خط میں لکھنا بالکل ناجائز اور حرام ہے کیونکہ ہندی میں بہت سے عربی حروف نہیں آتے پس وہ خط میں سے معدوم رہیں گے۔

فائدہ ۲: خط کی بارہ قسموں میں (۱) معقلی یہ ادریس علیہ السلام کی ایجاد ہے (۲) قیراموزی قرآن سب سے پہلے مکہ میں لکھا گیا اور وہ اسی خط میں تھا (۳) حیری اس پر دوسری بار مدینہ میں لکھا گیا اور اس کو حیری اس لیے کہتے ہیں کہ جنگوں میں جو قیدی آئے تھے ان کو اس شرط پر رہا کیا گیا تھا کہ ان میں سے ہر شخص مہاجرین کو لکھنا سکھا دے۔ پس صحابہ نے ان سے لکھنا سیکھا تھا اور یہ قیدی حیرہ کے تھے۔ اسی لیے اس خط کا نام حیری ہو گیا اور ان قیدیوں سے پوچھا گیا کہ تم نے یہ خط کہاں سے سیکھا ہے تو کہا انبار والوں سے چنانچہ دانیؒ نے مقنع میں اس روایت کو اسی طرح بیان کیا ہے (۴) کوفی اس پر قرآن تیسری بار ۱۶۰ھ میں لکھا گیا (۵) نسخ (۶) ثلث (۷) ریحان (۸) توقیع (۹) محقق (۱۰) رقاع یہ چھوں خط ابن مقلہ نے معقلی اور کوفی میں تصرف کر کے ۳۱۰ھ میں نکالے ہیں اور ان میں سے نسخ پر قرآن چوتھی بار ۳۱۸ھ میں لکھا گیا پس قرآن کے یہ چار دور ہیں۔ قیراموزی، حیری، کوفی، نسخ اور اب نسخ ہی میں لکھنے پر بعض نے امت کا اجماع بتایا ہے (۱۱) تعلیق اس کو خوش نویسوں نے توقیع و رقاع میں تصرف کر کے نکالا ہے (۱۲) نستعلیق یہ ماوراء النہر کے شہروں میں خواجہ میر علی تبریزی کی ایجاد سے ظاہر ہوا ہے جس کو انہوں نے تعلیق و نسخ سے بنایا ہے پس نستعلیق مرکب امتزاجی ہے جو اصل میں نسخ و تعلیق تھا استعمال کی کثرت کی بناء پر خا اور واو کو حذف کر کے نستعلیق بنا لیا چنانچہ ان میں سے ۵ تا ۱۱ کی تفصیل اس قطع میں مذکور ہے۔

ابن مقلہ وضع کرد ایں شش خط از خط عرب ثلث و ریحان و محقق۔ نسخ و توقیع و رقاع

ابن مقلہ نے عرب کے خط (معقلی اور کوفی) سے یہ چھ خط نکالے ہیں۔

بعد ازاں از خط توقیع و رقاع اہل عجم بفتمی خط دگر تعلیق کردند اختراع

اس کے بعد عجمیوں نے خط توقیع و رقاع سے ایک اور ساتواں خط تعلیق نکال لیا اور ان ساتوں کے مجموعہ کو ہفت قلم اور ہفت خط بھی کہتے ہیں۔ اور خط کی قسموں کی پوری تفصیل خوشنویسی کی کتابوں میں ملے گی۔ قرآن

کی کتابت کے مذکورۂ بالا چار دوروں میں خط میں تو تبدیلی ہوئی لیکن رسم الخط میں کوئی فرق نہیں آیا۔ پہلے بارہ خطوں میں سے ۱ تا ۱۰ سب عربی خط ہیں۔

فائدہ ۳: قرآن کی رسم تو قیفی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ہے اس میں کسی کی رائے کے دخل کی ذرا بھی گنجائش نہیں قرآن سب سے پہلے صحابہ کے دور میں نہیں بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں آپ کے حکم سے لکھا گیا جب کوئی آیت یا سورت نازل ہوتی تھی تو آپ وحی کے کاتبین کو بلا کر اسے لکھوا دیتے تھے یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا روشن معجزہ ہے کہ آپ نے کسی سے پڑھنا اور لکھنا نہیں سیکھا لیکن اس پر بھی جس طرح صحابہ کو قرآن کا پڑھنا سکھایا اسی طرح اس کے لکھنے کے طریق بھی بتائے چنانچہ علی قاری قصیدہ رائیہ کے شعر ۴۶ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے ایک کاتب معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا کہ دوات کا منہ کھلا رکھو تاکہ تنگی کے سبب دقت نہ ہو اور قلم پر ترچھا قط لگاؤ اور بسم اللہ کی با کو خوب بڑی لکھو اور سین کے دندانوں کو بھی واضح کرو اور میم کی آنکھ کو خراب نہ کرو اور اللہ کو خوبصورت لکھو اور رحمٰن کو یعنی اس کے نون کو دراز کرو اور اَلرَّحِیۡم کو بھی عمدگی سے لکھو (تاکہ حق تعالٰی کے اسم گرامی اور ان کی صفات کی شان خوب ظاہر ہو) صحابہ میں سے وحی کے لکھنے والے حضرات یہ تھے (۱) حضرت عثمانؓ (۲) علیؓ (۳) زید بن ثابت (۴) ابی بن کعب (۵) ابان بن سعید (۶) خالد بن سعید بن العاص (۷) معاویہ بن ابی سفیان (۸) العلاء بن حضرمی (۹) حنظلہ بن الربیع رضی اللہ عنہم۔ اور اس سے واضح ہے کہ قرآن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی لکھا گیا تھا صرف اتنی بات ہے کہ اس وقت مختلف چیزوں پر تھا کتاب کی شکل میں یا ایک جلد میں نہیں تھا اور جب رسم تو قیفی ہے تو قرآن کا اس کے موافق لکھنا واجب اور اس کے خلاف لکھنا حرام ہے اور وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا عنکبوت ع ۵ میں تلاوت اور کتابت کی نفی وحی سے پہلے زمانہ کے ساتھ مقید ہے یعنی وحی سے پہلے نہ تو آپ تلاوت فرماتے تھے اور نہ کتابت سے واقف تھے باقی وحی کے بعد جس طرح آپ تلاوت فرماتے تھے اسی طرح کتابت کا علم بھی بخوبی اور کامل ترین طریق پر رکھتے تھے اور وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ حجر ع ۱ میں جو حفاظت کا وعدہ ہے وہ بھی عام ہے جو الفاظ و معانی اور رسم تینوں کو شامل ہے اور حق تعالٰی نے تینوں ہی کی حفاظت فرمائی ہے۔

رسم کے متعلق مصر کے علماء کے فتوے

شرعی دلیلیں اس پر کہ عثمانی رسم توقیفی ہے اور اس کی پیروی واجب ہے (۱) وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (حجر ع ۱) اس میں حق تعالیٰ نے قرآن حکیم کی حفاظت کا وعدہ بھی فرمایا ہے اور اس وعدہ کو تین تاکیدوں (ان اور جملہ اسمیہ اور لام) کے ذریعہ موکد اور پختہ بھی کر دیا ہے اور حق تعالیٰ کی خبر کا صادق ہونا واجب اور غلط ہونا محال ہے اور وہ ماضی اور حال کی طرح مستقبل میں بھی واجب اور جائز اور محال تینوں قسم کی چیزوں کو ان کی واقعی حالت کے موافق جانتے ہیں پس ان کو معلوم تھا کہ قرآن کے حفاظ رَحْمَتَ اور نِعْمَتَ اور سُنَّتَ وغیرہ کو خاص (یعنی دراز تا والے) موقعوں میں عربی کے مشہور قاعدہ کے موافق وقفاً "ہا" سے پڑھیں گے نیز يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ نساء ع ۲۱ میں یا کے بغیر تا کے سکون سے اور وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ اسراء ع ۲ اور وَيَمْحُ اللّٰهُ شوریٰ ع ۳ اور سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ علق اور وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ تحریم ع ۱ میں واو کے بغیر عین اور حائے ساکنہ پر وقف کریں گے اور ان میں قرآن کے لکھنے والے صحابہ بھی شامل ہوں گے پس رَحْمَت۔ سُنَّت۔ نِعْمَت میں رسم کے موافق وقفاً "تا" پڑھیں گے اور يُؤْتِ سے سَنَدْعُ تک کے چار کلمات میں کسی جازم کے بغیر اور وَصَالِحُ میں قیاسی سبب کے بغیر یا اور واو کو حذف کر دیں گے۔ خلاصہ یہ کہ جب ان کلمات پر وقف کا طریقہ سکھانے اور سمجھانے کی اور امتحان کی غرض سے وقف کریں گے تو اس طرح تا سے اور یا اور واو کے بغیر کریں گے پس اگر رسم توقیفی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جبریل علیہ السلام کی سکھائی ہوئی نہ ہو تو لازم آئے گا کہ حق تعالیٰ نے تو ان کلمات کو قیاس کے موافق ھا اور یا اور واو ہی سے نازل فرمایا تھا لیکن صحابہ نے رسم سے ناواقف ہونے کے سبب تا سے اور یا اور واو کے بغیر لکھ دیا اور خود بھی ان کلمات پر اسی طرح غلط وقف کرتے رہے اور ساڑھے تیرہ سو سال کے طویل عرصہ سے امت کے تمام قراء اور حفاظ بھی اسی طرح غلط وقف کرتے چلے آرہے ہیں حالانکہ حق تعالیٰ نے جو حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے وہ عام ہے جو سورۃ آیت جملہ حرف سبکو شامل ہے پس جب ایک ایک حرف کی حفاظت کا وعدہ ہے تو یہ کہنا کیونکر صحیح ہوگا کہ صحابہ نے ان کو غلطی سے اس طرح لکھ دیا ظاہر ہے کہ اس صورت میں حق تعالیٰ کی حفاظت کا وعدہ صادق نہیں رہے گا پس رسم کو توقیفی نہ ماننے سے حق تعالیٰ کی خبر کا کاذب ہونا لازم آتا ہے اور جو چیز محال کو مستلزم ہو وہ خود محال ہوا کرتی ہے پس رسم کا غیر توقیفی ہونا محال اور باطل ہے اور جب یہ باطل ہے تو اس کی نقیض ثابت ہے اور وہ یہ ہے کہ رسم توقیفی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ہے اور صحابہ کی رائے کی بناء پر نہیں اور یہ منطقی دلیل بالکل واضح ہے اس میں وہی جھگڑا کر سکتا ہے جو قرآن سے بھی بے خبر ہو اور استدلال کے مقدمات سے بھی (۲) قرآن کے لکھنے والے صحابہ چوالیس تھے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو قرآن لکھتے تھے اور یہ محال ہے کہ نبی سے خطا ہو جائے اور حق تعالیٰ ان کو اس سے آگاہ نہ فرمائیں پس اگر غور سے کام نہ لینے والوں کے گمان کے موافق صحابہ نے یہ رسم اپنی سمجھ اور

رائے سے قائم کی ہو تو چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس سے منع نہیں فرمایا اس لیے اس تقدیر پر بھی اس رسم کا صحیح اور درست ہونا ثابت ہو گیا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر بھی شرعی حجت ہے اور تقریر کے معنی یہ ہیں کہ آپ نے کسی کو کوئی کام کرتے دیکھا اور اس سے منع نہ فرمایا۔ پس آپ کے قول و فعل کی طرح آپ کی تقریر بھی حجت ہے اور یہ بات شریعت سے ثابت ہے کہ قرآن میں زیادتی اور کمی دونوں حرام بلکہ کفر ہیں۔ پس قرآن کو اس کی رسم کے خلاف لکھنا حرام ہے اور شریعت کے احکام کی پانچ قسمیں ہیں جن میں سے ایک قسم حرمت بھی ہے۔ خلاصہ یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا رسم کی کتابوں میں قرآن کی رسم کا اس مشہور طریق کے موافق ثابت رکھنا اور اس سے منع نہ فرمانا شرعی حجت ہے اور آپ کا امی ہونا اس کے منافی نہیں کیونکہ حق تعالیٰ فرشتوں کی زبانی آپ کو خبر دیدیتے تھے کہ یہ صحیح ہے اور یہ غلط ہے اور جبریل علیہ السلام کا آپ کو یہ بتا دینا بھی اسی قبیل سے ہے کہ وحی کے لکھنے والوں سے فرما دیجئے کہ وہ اس کلمہ کو اس طریق سے لکھیں گو آپ نے انسانوں اور جنات میں کے کسی معلم سے قراءۃ اور کتابت نہیں سیکھی تھی اور اس سے اس کی نفی نہیں ہوتی کہ آپ نے الہام کے یا فرشتہ کے ذریعہ پوری کتابت سیکھ لی ہو یا لکھنے والوں کو بتانے کے وقت سیکھ لیتے ہوں اور یہ آپ کا بلیغ ترین معجزہ ہے اور امی کے وہ معنی نہیں ہیں جو عوام اور اس زمانہ کے بعض علماء لیتے ہیں اور اس زمانہ کی حالت یہ ہے کہ اس میں چھوٹے اور بڑے علماء تو بہت ہیں لیکن قرآن کے علوم سے بالکل ناواقف ہیں ان کے خیال میں امی وہ ہے جو قراءت اور کتابت بالکل نہ جانتا ہو حتی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے امی نہ ہونے کے بھی یہی معنی بتاتے ہیں حالانکہ بہت ہی دلیلیں اس پر قائم ہیں کہ گو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس اعتبار سے امی تھے کہ آپ نے قراءۃ اور کتابت کسی انسی یا جنی معلم سے نہیں سیکھی تھی لیکن اس پر بھی آپ وحی کے ذریعہ کتابت کے فن اور حروف کی صورتوں کے عارف تھے اور یہ بات بھی ثابت ہے کہ آپ وحی لکھنے والوں کو ہدایت فرماتے تھے کہ حروف اور کلمات کو واضح لکھیں اور ان میں عیب پیدا کرنے اور ان کو خفی لکھنے سے منع فرماتے تھے۔

رسم کے توقیفی ہونے پر حدیث سے استدلال

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے کاتب معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ دوات کو درست رکھو اور قلم پر ترچھا قط لگاؤ الخ یہ اوپر گذر چکی ہے۔ اس سے نکل آیا کہ امی ہونے کے معنی یہی ہیں کہ آپ نے قراءۃ و کتابت کسی انسان اور جن سے نہیں بلکہ الہام اور وحی سے سیکھی تھی پس اعراف ع ۱۹ و ع ۲۰ میں جو آپ کی صفت میں امی آیا ہے اس سے اور وَمَا كُنتَ تَتْلُوا عنکبوت ع ۵ میں قرآن سے پہلے آپ سے تلاوت اور کتابت کی نفی سے، یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کتابت سے واقف بھی نہیں تھے کیونکہ کسی شے کا جاننا اور اس پر

عمل کرنا دو جدا جدا چیزیں ہیں پس عمل نہ کرنے سے یہ نہیں نکلتا کہ اس کا علم بھی نہیں ہے اور اسی طرح پہلے زمانہ میں کسی چیز سے ناواقف ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ آئندہ زمانہ میں بھی اس سے ناواقف ہی رہے پس اگر آپ قرآن کے نزول سے پہلے کتابت سے واقف نہیں تھے تو اس سے یہ نہیں نکلتا کہ نزول کے بعد بھی آپ کتابت نہیں جانتے تھے کیونکہ حق تعالیٰ نے آپ سے تلاوت اور کتابت کی مطلقاً نفی نہیں فرمائی یعنی یہ ارشاد نہیں ہوا کہ یہ دونوں چیزیں آپ کی شان کے لائق بھی نہیں ہیں جیسا کہ یٰسین ع ۵ میں شعر کے بارہ میں فرمایا ہے اور ہم نے اس مسئلہ کی تقریر کو طول اس لیے دیا ہے کہ اس میں اہل اسلام نے خلط ملط کر رکھا ہے اور علماء اور مصنفین اور عوام اور خواص سب ایک عام خبط میں مبتلا ہیں جو نہ کسی معتبر دلیل سے موید ہے اور نہ کسی عمدہ فکر کا نتیجہ ہے اور نہ کسی صحیح بحث کی پیداوار ہے۔ پس ہمیں امید ہے کہ علماء مسلمین شیخی کے سبب گناہ اور ضد پر آمادہ نہ ہوں گے اور اس نافع تقریر میں غور فرمائیں گے جو سر تا پا خیر ہی خیر ہے۔

اجماع سے استدلال

جب فتوحات کی کثرت کے سبب اسلامی ملک وسیع ہو گیا اور قراء اور حفاظ دور و دراز کے ملکوں میں پھیل گئے اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قرآن کے متعلق اندیشہ ہوا تو آپ نے حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس سے وہ صحیفہ منگوائے جو ان کے پاس تھے اور زید بن ثابت کو بھی بلایا اور قریش کی ایک جماعت کو بھی ان کے ساتھ شریک کار کر دیا سو ان حضرات نے قرآن کو اسی طرح لکھا جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو لکھا گیا تھا اور سب صحابہ نے اس پر اتفاق کیا جو شمار میں بارہ ہزار تھے اور پورا قرآن ان سب حضرات کی اجتماعی رائے سے لکھا گیا صرف لفظ تَابُوت کی دوسری تا میں اختلاف ہوا کہ آیا اس کو طَاغُوت کی تا کی طرح دراز لکھیں یا تَوْرٰتہ کی تا کی طرح گول لکھیں اور اس اختلاف کی وجہ یہ ہوئی کہ صدیقی دور کے صحیفہ تیار ہونے کے بعد خلافت کے باقی زمانہ تک صدیق اکبر کے پاس رہے پھر فاروقی خلافت کے پورے دور میں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رہے پھر دور عثمانی کے شروع حصہ میں حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس رہے پس چونکہ زمانہ کافی گزر گیا تھا اس لیے اس کی تا مٹ گئی تھی اس لیے زید بن ثابت اور قرشی جماعت کے دوسرے حضرات کی رائے میں اختلاف ہو گیا اس لیے معاملہ کو عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روبرو پیش کیا آپ کچھ دیر غور اور فکر فرماتے رہے پس صحابہ کو جمع کیا اور اس بارہ میں ان سے مشورہ کیا تو سب نے ایک رائے ہو کر یہ کہا کہ اس کو قریش کے لغت کے موافق طَاغُوت کی تا کی طرح دراز تا سے لکھنا چاہیے اور وجہ یہ بتائی کہ قرآن کا اکثر حصہ قریش ہی کے لغت میں نازل ہوا ہے اور اوپر کے بیان سے معلوم ہو چکا ہے کہ قرآن کے کسی ایک حرف کا بدلنا بھی سب سے بڑا کبیرہ گناہ ہے اور صحابہ کا اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ قرآن کو اسی طریق سے لکھنا چاہیے جو عثمانی

رسم کے علم میں مذکور ہے اور جس حرف میں اختلاف ہوا تھا اس کو اسی لغت کے موافق لکھا جس میں اکثر حصہ نازل ہوا ہے اور لکھا گیا ہے کیونکہ اس کے متعلق یہ معلوم کرنا دشوار ہو گیا تھا کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو کس طرح لکھا گیا تھا اور اس سے یہ بھی نکل آیا کہ اگر یہ بات ثابت ہو جاتی کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو کسی غیر قریشی لغت میں اس طرح لکھا گیا تھا تو پھر اس کا اسی طرح لکھنا ضروری قرار دیتے جس طرح آپ کی حضوری میں لکھا گیا تھا اور پھر اس کے بارہ میں یہ نہ دیکھتے کہ ان میں سے کون سا لغت قوی ہے اور کون سا اس سے کم درجہ کا ہے اور یہ واضح دلیل ہے اس پر کہ رسم توقیفی ہے اور اس پر بھی کہ عثمانی رسم کی پیروی کے واجب ہونے اور اس کی مخالفت کے حرام ہونے پر صحابہ کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ اوپر کے بیان سے واضح ہو گیا کہ جن کلمات کی رسم ان کے تلفظ کے خلاف ہے ان کو اس اندیشہ سے تلفظ کے موافق لکھنا درست نہیں کہ خلاف لکھنے کی صورت میں ناواقف لوگ طرح طرح کی غلطیوں میں مبتلا ہو جائیں گے اور موافق لکھنے کی صورت میں یہ اندیشہ نہیں رہے گا اور درست نہ ہونے کی وجہ یہی ہے کہ یہ رسم لوح محفوظ میں بھی اسی طرح ہے جو جبرئیل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ نے صحابہ کو بتائی ہے۔ پس یہ توقیفی ہے جو حضرات تعویذات میں قرآنی آیات لکھتے ہیں ان کے لیے بھی رسم کی پابندی ضروری ہے۔

عثمانی قرآنوں میں اختلاف کا سبب

سوال: عثمانی قرآنوں میں اختلاف کیوں ہے چنانچہ کچھ کلمات تو ایسے ہیں جو بعض قرآنوں میں ہیں اور بعض میں نہیں اور کچھ ایسے ہیں جو بعض میں موصول ہیں اور بعض میں مقطوع۔

جواب: اس بارہ میں مقنع کی عبارت نقل کی جاتی ہے جو سوال اور جواب کے طور پر ہے پس اگر کوئی سائل سوال کرے کہ ان زائد حروف کی رسم جو تمام قرآنوں میں مختلف ہے اس کا سبب کیا ہے جس کی رو سے یہ ضروری قرار پا گیا تو میں یہ کہوں گا کہ ہمارے نزدیک اس کا سبب یہ ہے کہ جب عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن جمع کیا اور اس کو ایک ہی شکل پر لکھا اور ان کی رسم قریش کے لغت کے موافق رکھی اور اس کے سوا ان دوسرے لغات پر نہیں رکھی جو غیر صحیح اور غیر ثابت ہیں تو آپ نے امت پر شفقت کی نظر فرمائی اور احتیاط سے کام لیا اور یہ بات ان کے خیال میں بھی ثابت شدہ تھی کہ یہ زائد حروف بھی اسی طرح حق تعالیٰ ہی کے یہاں سے نازل ہوئے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے گئے ہیں اور یہ بات بھی آپ کے علم میں تھی کہ ان سب حروف کے ایک قرآن میں جمع کرنے کی صرف یہی ایک صورت ہو سکتی ہے کہ ان کلمات کو دو دو بار لکھا جائے اور ان کو اس طرح لکھنے سے رسم میں خلط اور تغیر ہو جائے گا پس اس سے بچنے کی غرض سے ان کلمات کو قرآنوں میں متفرق کر دیا اس لیے بعض میں ان کا اثبات ہو گیا اور بعض میں حذف تاکہ امت ان کو اسی

طرح محفوظ کر سکے جس طرح حق تعالٰی کے یہاں سے نازل ہوئے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے گئے ہیں پس متعدد شہروں والوں کے قرآنوں میں ان کلمات کی رسم کے اختلاف کا سبب یہ ہے۔ خلاصہ یہ کہ بعض میں حذف اور بعض میں اثبات اور بعض میں وصل اور بعض میں فصل اس لیے رکھا کہ تمام قراآت بھی ظاہر ہو جائیں اور رسم کی مخالفت بھی لازم نہ آئے۔

فائدہ۔ اصل رسالہ کا خلاصہ

مصنف علام نے فن کے بیس جلیل القدر علماء کی عبارتیں نقل کی ہیں یہ سب حضرات اس پر متفق ہیں کہ رسم توقیفی ہے اس میں قیاس و رائے کا ذرا بھی دخل نہیں اور اس کا اتباع واجب اور مخالفت حرام ہے اور ان حضرات کے نام یہ ہیں : (۱) قاری ضیاء الدین احمد صاحب الہ آبادی (۲) قاری عبدالرحمٰن صاحب مکی الہ آبادی (۳) مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب محدث پانی پتی (۴) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۵) محقق جزری (۶) سیوطی فی الاتقان (۷) شیخ بن فارس (۸) صاحب نہایۃ القول المفید (۹) ذہبی (۱۰) محی الدین نووی فی التبیان (۱۱) حارث محاسیؒ (۱۲) صاحب خزانہ عن الکسائی (۱۳) مبرد (۱۴) ابن وہب (۱۵) صاحب نہایت (۱۶) صاحب خلاصہ (۱۷) جعبری (۱۸) امام مالک اور احمد بن حنبل (۱۹) سخاوی کے ایک شاگرد (۲۰) علی قاری۔

حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب پانی پتی مہاجر مدنیؒ

حضرت قاری صاحب کے والد ماجد کا نام محمد اسمٰعیل تھا۔ آپ ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۴ء میں مرکز علوم قرآن پانی پت میں پیدا ہوئے ابھی عمر صرف ڈیڑھ سال ہی تھی کہ بصارت سے محروم ہو گئے۔

پانچ سال کی عمر میں ایک استانی صاحبہ سے حفظ قرآن پاک شروع فرمایا۔ ستائیس پارے حفظ ہوئے تھے کہ آپ کے ساتھی جو آپ کو سبق یاد کرایا کرتے تھے اس درس گاہ کو چھوڑ کر مدرسہ اشرفیہ میں حضرت قاری شیر محمد خاں صاحبؒ کی خدمت میں چلے گئے مجبوراً آپ کو بھی ہمراہ جانا پڑا اور قرآن شریف وہاں مکمل باتجوید یاد کیا اور حفظ میں کمال حاصل کیا۔

حفظ سے فراغت کے بعد آپ نے مدرسہ اشرفیہ پانی پت میں اپنے استاذ گرامی کے زیر سایہ پڑھانا شروع کر دیا۔ اس کے علاوہ مدرسہ عربیہ گنبدان تشریف لے جاتے اور وہاں فارسی و عربی کی تعلیم حاصل کرتے۔

بعد ازاں آپ سید القراء حضرت مولانا قاری ابو محمد محی الاسلام صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تجوید و قرآءت سبع و عشرہ کی مکمل تعلیم حاصل فرمائی اور فن میں ایسا کمال حاصل کیا کہ خود شیخ موصوف آپ کی تعریف فرماتے تھے۔

۱۳۴۶ھ میں آپ نے شیخ القراء حضرت مولانا قاری ابو محمد محی الاسلام صاحب نور اللہ مرقدہ سے سند اور اجازت حاصل کی۔ بعد ازاں باقی علوم کی تکمیل کی غرض سے آپ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور وہاں ۱۳۴۷ھ میں دورہ حدیث مکمل کیا۔ اس کے علاوہ وہاں آپ نے شیخ القراء حضرت مولانا قاری حفظ الرحمٰن صاحب سے قرآءات سبع و عشرہ کی سند اجازت حاصل کی۔

بعد ازاں وطن واپس تشریف لائے اور حسب سابق اپنے استاذ جناب قاری شیر محمد خاں صاحبؒ کے مدرسہ میں معلم کے طور پر کام کرنے لگے آپ نے کم و بیش پچیس سال اس مدرسہ میں بغیر مشاہرہ کے خدمت قرآن پاک انجام دی۔

۱۳۶۶ھ مطابق ۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان کے موقع پر آپ پاکستان تشریف لے آئے اور یہاں بھی بلا معاوضہ خدمت قرآن میں مشغول ہو گئے۔

بعد ازاں آپ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی فرمائش پر ان کے مدرسہ دارالعلوم کراچی میں صدر شعبہ تجوید و قرآءت مقرر ہوئے عرصہ دراز تک دارالعلوم کراچی میں خدمت قرآن کرنے کے بعد آپ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی اور اپنی وفات تک وہیں مقیم رہے۔

آپ حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ سے بیعت ہوئے بعد ازاں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی وفات کے بعد حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اور خلافت سے نوازے گئے۔

آپ کی قوت حافظہ انتہائی مضبوط اور حیران کن تھی جس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ قصیدہ شاطبیہ، درۃ، طیبہ، احکام قولہ تعالیٰ الن، الفوائد المعتبرہ، ناظمۃ الزہر، قصیدہ رائیہ، المقدمۃ الجزریہ اور تحفۃ الاطفال کے حافظ تھے۔ اس کے علاوہ جمیع طرق و روایات بھی آپ کے نوک زباں تھیں۔

آپ کی تلاوت قرآن ہر قسم کے عیوب و لحن جلی و خفی سے بالکل پاک اور مبرا ہوتی تھی جو کہ نہایت حسین و جمیل اور خوف و عظمت الٰہی سے بھرپور نیز قلوب کو بے حد متاثر کرنے والی ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ حکیم الامت حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کی محفل میں تلاوت قرآن پاک فرمائی تو حضرت ممدوح نے آپ کی تلاوت کے حسن و خوبی کی بہت تعریف فرمائی۔

آپ کی درج ذیل تصانیف علوم تجوید و قرآءات کے پیاسوں کے لیے سمندر کا کام دے رہی ہیں۔ ترجمہ المقدمۃ الجزریہ، مفتاح الکمال شرح تحفۃ الاطفال، تسہیل القواعد، عنایات رحمانی شرح حرز الامانی و وجہ التھانی المعروف شاطبیہ (یہ بڑے سائز کی تین جلدوں پر مشتمل ہے) اسہل الموارد شرح عقیلۃ اتراب القصائد المعروف رائیہ، عمدۃ المبانی فی اصلاح عدۃ من ابیات حرز الامانی، القرۃ المرضیہ شرح الدرۃ المضیۃ اور علامہ شمس متولی علیہ الرحمہ کے قراء ات ثلاثہ کے رسالے "الوجوہ المسفرہ" کا اردو ترجمہ، علامہ شاطبی علیہ الرحمہ کے قصیدہ ناظمۃ الزہر جو عدد آیات کے فن سے متعلق ہے اس کی شاندار شرح کاشف العسر شامل ہیں۔

ہندوپاک میں آپ کے تلامذہ دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں جن میں نہایت مشہور و معروف نام استاذ القراء حضرت مولانا قاری رحیم بخش صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

آپ نے ۱۴۰۷ھ مطابق ۱۹۸۷ء مدینۃ المنورۃ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں آرام فرما ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَ ارْحَمْهُ مَغْفِرَةً كَامِلَةً وَّ رَحْمَةً وَّاسِعَةً

قاری نجم الصبیح تھانوی

فہرست مضامین

شاطبیہ کی عظیم اردو شرح

عنایات رحمانی

(مکمل تین جلد)

مصنفہ

حضرت مولانا قاری فتح محمد پانی پتیؒ

استاذ القراء حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب پانی پتی مہاجر مدنی رحمہ اللہ کی شاطبیہ کی یہ عظیم شرح اس سے قبل بہت واجبی کتابت و طباعت کے ساتھ بازار میں کافی تنگ و دو کے بعد دستیاب ہو رہی تھی۔ نیز اس کی تیسری جلد تو بالکل ہی نایاب تھی۔

قرآءت اکیڈمی نے طلباء کی اس مشکل کو محسوس کرتے ہوئے اس عظیم شرح کو کمپیوٹر کی اعلیٰ اور خوبصورت کتابت نیز اعلیٰ معیاری طباعت اور دیدہ زیب مضبوط پکی جلد سے مزین کر کے چھاپنے کا ارادہ کیا ہے۔

ناشر و طابع

قرآءت اکیڈمی، الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

قراءت اکیڈمی کی ایک شاندار علمی پیش کش

شرح

فوائدِ مکیہ

فوائد مکیہ نصاب تجوید کی ایک ادق کتاب ہے۔ مصنف علیہ الرحمۃ خاتمۃ القراء فی الہند حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن مکی الالہ بادی نے جس جامع انداز اور اختصار کے ساتھ مسائل تجوید کو بیان فرمایا ہے وہ اکابر اساتذہ کرامؒ کے مفید حواشی کے باوجود موجودہ دور کے طالب علم کے لیے ذہنی خلجان کا سبب بنتے ہیں۔ طالب علموں کی انہی مشکلات کو پیش نظر رکھتے ہوئے فضیلۃ الشیخ المقری محمد ادریس العاصم فاضل مدینہ یونیورسٹی نے فوائد مکیہ کی شرح مرتب کی ہے۔

ناشر و طابع

قراءۃ اکیڈمی

۲۸۔ الفضل مارکیٹ ۱۷۔ اُردو بازار لاہور ۲

علامہ شاطبیؒ کے قصیدے رائیہ کی شاندار اردو شرح

ایضاح المقاصد

شرح

عقیلۃ اتراب القصائد (اردو)

علامہ شاطبیؒ کے علم رسم قرآنی پر تحریر شدہ منظوم قصیدے رائیہ کی حیثیت علمی حلقوں میں مسلمہ ہے اور جو مدارس میں داخل نصاب بھی ہے۔ ضرورت تھی کہ اس قصیدے کی ایک ایسی شرح مرتب کی جائے جو آسان' عام فہم اور تشریح وتوضیح کے جملہ ضروریات کو بااحسن پورا کرتی ہو۔ طلباء کی انہی ضرورتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے شیخ القراء والمجودین حضرت قاری اظہار احمد التھانویؒ نے شرح مذکورہ تحریر کی۔ جو انشاء اللہ طلباء کے لیے اطمینان قلبی کا باعث بنے گی۔ اور طلباء کی تسہیلی خواہش کو بھی بدرجہ اتم پورا کرے گی۔

ملنے کا پتہ

قرآءت اکیڈمی' ۲۸۔ الفضل مارکیٹ' ۱۷۔ اردو بازار لاہور

قواعد تجوید کے اجراء میں بہترین کتاب

الاجراء

فی

قواعد التجوید

تالیف: قاری نجم الصبیح التھانوی

قواعد تجوید کے اجراء کے لیے طلباء کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت آسان اور عام فہم انداز میں اس کتاب کو مرتب کیا گیا ہے جس سے طلباء کو بآسانی قواعد تجوید ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔
خوبصورت کمپوزنگ اور بہترین طباعت کا شاہکار۔ دیدہ زیب سرورق۔

قرائت اکیڈمی ®

28- الفضل مارکیٹ 17- اُردو بازار لاہور

Ph.: 042 - 7122423

قرآءت اکیڈمی کی مطبوعات درج ذیل مقامات پر بھی دستیاب ہیں

کراچی	علمی کتاب گھر اردو بازار کراچی
لاہور	ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور
	نعمانی کتب خانہ اردو بازار لاہور
	مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
بہاولپور	پاکستان بک کمپنی شاہی بازار بہاولپور
	مکتبہ صدیقیہ نور محل روڈ بہاولپور
کوئٹہ	مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ
	مکتبہ ماجدیہ عیدگاہ طوغی روڈ کوئٹہ
پشاور	کتب خانہ اکرمیہ محلہ جنگی قصہ خوانی پشاور
صوابی	المکتبۃ الاظہاریہ اندرون جامعہ رحیمیہ ترکئی ضلع صوابی
راولپنڈی	کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
گوجرانوالہ	مدینہ کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ
منگورہ	مکتبہ رشیدیہ حسن مارکیٹ نیو روڈ منگورہ
	مکتبہ القرآن والحدیث نیو روڈ منگورہ

مسائل کا شافی حل، اشکالات کے جامع جواب۔علوم کا بیش بہا خزانہ

المرشد

فی

مسائل التجوید و الوقف

مؤلفہ: استاذالقراء والمجودین القاری المقری اظہار احمد التھانویؒ

علم تجوید اور علم الوقف کے تمام مشکل مقامات کا آسان انداز میں حل۔تاریخ جمع وتدوین قرآن۔وجوب تجوید۔ اہمیت تجوید وعلم وقف۔سوالاً جواباً مرتب کردہ یہ کتاب جو تجوید وعلم الوقف کے تمام ضروری مسائل کا احاطہ کرے گی۔ جابجا اہم مواقع پر جدولیں جو مسائل کی آسان تفہیم میں معاون ومددگار رہوں گی۔انداز بیان نہایت آسان سہل اور مشفقانہ۔کتاب نہیں بلکہ زندگی بھر کی مددگار اور دوست۔

قرآءت اکیڈمی

28-الفضل مارکیٹ 17-اُردو بازار لاہور